حیاتِ شہید اسلام

حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ کی مفصل سوانح حیات

از قلم

مفتی ریاض منصور

استاد جامعۃ العلوم الاسلامیہ الفریدیہ اسلام آباد

ناشر: ادارہ احیاء علوم القرآن والسنۃ اسلام آباد

خطبۂ مسنونہ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونومنُ بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرورانفسناومن سیات اعمالنامن یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ ومن یضللہ فلا ھادی لہٗ ونشھد ان لاالہ الااللّٰہ وحدہٗ لا شرلک لہ ونشھد أن سیّدنا ومولانا محمداعبدہٗ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین امابعدفأعوذباللّٰہ من الشیطان الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰتٍ(سورۂ مجادلہ) وقال اللہ تعالیٰ : انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (سورۂ فاطر) وقال اللہ تعالیٰ:انّ ھٰذہ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الیٰ ربہ سبیلاً، وقال رسول اللہ ﷺ لاحسد الا فی اثنین رجل آتاہ اللہ مالاً فسلّطہ علی ھلکتہ فی الحق ورجل آتاہ اللہ الحکمۃ فھو یقضی بھاویعلمھا(مشکوٰۃ ص: ۳۲) صدق اللہ العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ رب العالمین. آمین

انتساب

اپنے مشفق والدین ،اساتذہ کرام اور بزرگانِ دین کے نام جن کی توجہ، عنایات اور مخلصانہ دعائیں میرے لئے باعث نجات ہیں۔

ے گر قبول افتد زہے عز و شرف

ریاض منصور

نظم

خدا یاد آئے جنہیں دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظلّ رحمانی
یہی ہیں جنکے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہیں کے اتّقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی
انہیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہیں کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بےتعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے
اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخندانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مؤلف

شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ وہ بیک وقت مدرس، خطیب، داعی اور عظیم راہنما بھی تھے۔ بظاہر وہ سیاست سے لاتعلق رہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میدان سیاست ہو یا منبرِ خطابت ان کی زبان نے اظہارِ حق سے کبھی گریز نہیں کیا۔ صدر ایوب خان مرحوم کے بعد جس زمانے میں ذوالفقار علی بھٹو مرحوم پاکستان کی سیاست میں نمایاں نظر آتے تھے تو شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ اور مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ اس وقت مسلمانوں کیلئے خضرِ راہ کا درجہ رکھتے تھے۔ حضرت شہیدؒ نے بھی ان بزرگوں کے شانہ بشانہ باطل کی مخالفت کرنے میں کبھی بھی پس وپیش سے کام نہیں لیا اور اس پاداش میں ان کو کئی مرتبہ جیل کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں اور زندگی کے آخری سانسوں تک وہ اپنے اصول پر کاربند رہ کر ہمیشہ زندگی سے نبرد آزما رہے۔

زیست کے ایام تو گزر ہی جاتے ہیں لیکن حضرت شہیدؒ ان لوگوں میں سے تھے جو وقت گزارتے نہیں ہیں بلکہ وقت بناتے ہیں۔

حضرت شہیدؒ کو ہم سے جدا ہوئے تقریباً آٹھ سال ہونے کو ہیں لیکن ہمیں اپنے اسلاف کے کارہائے نمایاں اور جہدِ مسلسل کو اپنی نظروں کے سامنے رکھنا ہوگا۔ ان قدسی ہستیوں کو خراجِ تحسین پیش کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ ہم ان کے زریں اصولوں کو محفوظ کرلیں۔ اور ان کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنالیں اچھے انسانوں کا ذکرِ خیر اور کسی شخص کی خوبیوں اور ان کے کارناموں کو بیان کرنے کا مقصد معاشرہ میں ان کی خوبیوں کو باقی رکھنا ہوتا ہے۔ تاکہ رہنمائی حاصل کرنے کے خواہاں لوگوں کو خوب سے خوب تر اصول میسر ہوں۔

ـــــــ صبا کرتی ہے بوئے گل سے اپنا ہمسفر پیدا

قارئین کرام! جس شخص کی زندگی کے حسین گوشے مخفی ہوں، جس نے ساری زندگی نام ونمود اور ریا وشہرت کے معروف ذرائع سے دور رہ کر دین کے تمام شعبوں میں خدمات انجام

دی ہوں۔اوران کی زندگی کے تمام مجاہدات گمنامی اور رضائے الٰہی کے دبیز پردوں سے ڈھکے ہوئے ہوں مزید برآں ان کی شخصیت کے تمام پہلوؤں پر آج تک قلم نہ اٹھایا گیا ہوتو ایسی شخصیت کی خواہ وہ کتنی ہی عظیم ہو۔زندگی کے تمام گوشوں کو ان دبیز پردوں سے نکال کر دنیا والوں کے سامنے آشکارا کرنا مشکل اور بصد مشکل ہوتا ہے۔کیونکہ ایسی شخصیت کے احوال، واقعات، دینی خدمات، مساعیٔ جلیلہ، سیرت وکرداراورمجاہدانہ کارنامے شیشے کے بےشمارٹکڑوں کی طرح ہرسوبکھرے ہوئے ہوتے ہیں۔اس کی واضح مثال شہید اسلام حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ ہیں۔مرکزی جامع مسجد اسلام آباد میں خطابت اورتحریک ختم نبوت سے لے کر شہادت کے دن تک انہوں نے ملک وملت کیلئے نہ جانے کتنے لاتعداد اور بےشمار کارہائے نمایاں سرانجام دیئے لیکن ایسی بےنفسی اورللّٰہیت کے ساتھ کہ ان میں سے تھوڑے بہت حالات وواقعات جومختلف ذرائع سے ہمارے علم میں آئے ہیں انہیں سن کراور پڑھ کر انسان حیرت واستعجاب کا مجسمہ بن کے رہ جاتا ہے۔

اگر بچپن سے شہادت تک کے تمام احوال، واقعات اور کارنامے سامنے آجائیں توانہیں مرتب کرنے سے کئی جلدیں تیار ہوسکتی ہیں۔

ے ہے داستاں دراز بھی اور دلگداز بھی
لیکن کہاں یہ دل کہ دیا جائے اس کو طول

مجھ جیسے علم وآگہی سے تہی دامن شخص کے بس میں کہاں کہ ایک عظیم شخصیت کے علمی اوراخلاقی محاسن پرقلم اٹھاسکے۔

لیکن پھربھی مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ۔پرعمل کرتے ہوئے اپنی بساط کے مطابق ایک حقیرسی کوشش کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسے شرف قبولیت بخش کرہمارے لئے نجات کا ذریعہ بنادے۔

سچ یہ ہے کہ

ے کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیمِ صبح تیری مہربانی

باین ہمہ اس حقیر سی خدمت پر سیاہ کار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس بات کی قوی امید رکھتا ہے کہ ان برگزیدہ ہستیوں کی گردِراہ بن کر انشاءاللہ العزیز اثیم کی عاقبت درخشاں ہو ہی جائے گی۔ **وما ذلک علیٰ الله بعزیز.**

اور آخر میں افسوس کے ساتھ عرض ہے کہ حضرت شہیدؒ کے کارنامے، تعزیتی بیانات اور اصلاحی خطوط جو محفوظ تھے وہ سب ضائع ہو چکے ہیں جن میں ملا محمد عمر مجاہد مدظلہ، شیخ اسامہ بن لادن، امام الحرمین اور سابق صدرِ پاکستان محترم محمد رفیق تارڑ صاحب کے علاوہ دیگر علماء کرام، طالبان رہنما، صحافی حضرات اور شعراء کرام کے خطوط اور اشعار شامل تھے۔

حضرت شہیدؒ کے متعلقین، تلامذہ اور دیگر حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر وہ حضرت شہیدؒ کی زندگی کے کسی پہلو کو تشنہ سمجھیں یا کتاب میں کسی جگہ میری کم علمی اور کوتاہی سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو مہربانی فرما کر اس کو میری طرف منسوب کر کے حضرت شہیدؒ کے فرزندوں کو یا اس ناکارہ کو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ اصلاح کی جا سکے۔

اس کتاب کی تالیف وتدوین میں رہنمائی، مشاورت اور بھرپور معاونت پر حضرت مولانا محمد عبدالعزیز مدظلہ اور علامہ عبدالرشید غازی صاحب مدظلہ کا انتہائی شکر گزار ہوں جن کے بغیر شاید اس کتاب کو پایہ تکمیل تک پہنچانا بظاہر مشکل تھا اور مولانا محمد علی صاحب اور بھائی سیف اللہ خالد گلگتی کو بھی اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے کمپوزنگ کے تمام مراحل میں دن رات ایک کر کے معاونت کی۔ نیز یہ کتاب جہاں حضرت شہیدؒ کے خدمات اور کارناموں کا ایک گنجینہ ہے وہاں ان حضرات کا تعارف بھی ہے جن کا نام کسی نہ کسی واسطے سے اس میں شامل ہے اور بزرگان دین کے ساتھ نسبت ان سب کیلئے سعادت مندی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی شان کے مطابق جزائے خیر مرحمت فرمائے۔

شنیدم کہ در روزِ امیدو بیم

بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

وصلی اللہ علیٰ النبی الامیّ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین.

....

ریاض منصور گلگتی
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی نمبر ۱۴
مدرس جامعۃ العلوم الاسلامیہ الفریدیہ ای سیون اسلام آباد
بروز پیر ۹ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ بمطابق ۲۹/جنوری ۲۰۰۷ء

تقریظ

حضرت مولانا محمد عبد العزیز دامت برکاتہم

حضرت والد ماجد مولانا محمد عبداللہ شہید کو اللہ رب العزت نے بہت ساری اعلیٰ صفات سے نوازا تھا۔ وہ دین محمدﷺ اور انسانیت کی خدمت کیلئے انتہائی حریص تھے روزانہ صبح تہجد کے وقت اٹھ کر کافی دیر تک خشوع وخضوع سے نماز تہجد ادا فرماتے پھر دعاؤں کیلئے ہاتھ اٹھاتے تو آنسو کی جھڑی لگ جاتی تہجد سے فارغ ہونے کے بعد ملک بھر سے آئے ہوئے خطوط دیکھتے اور جوابات لکھتے اس سے فارغ ہوکر علماء اکرام اور دیگر حضرات کو فون کر کے مختلف کاموں کی گزارش کرتے پھر صبح کی نماز کیلئے مرکزی جامع مسجد تشریف لے جاتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید پڑھنے کا مخصوص ملکہ عطا فرمایا تھا، خوش الحانی کے ساتھ نماز میں تلاوت فرماتے اور پھر نماز فجر کے بعد مختصر درس حدیث دیتے فجر کی نماز میں ملک بھر سے آئے لوگوں کے بلاتفریق کسی جماعت اور یہ کہ کسی کے پاس سفارش ہو یا نہ ہو بڑی خندہ پیشانی سے مسائل سنتے پھر اشراق پڑھ کر ناشتہ کرنے کے بعد مختلف افسران کے گھروں میں جا کر ان لوگوں کے مسائل حل کرواتے بعض اوقات اُن لوگوں کو افسران کے حوالے کر کے فرماتے کہ ان کو دفتر میں ساتھ لے جائیں اور انکا کام کرادیں۔

پھر جامعہ فریدیہ تشریف لے جاتے اور وہاں قرآن مجید اور مشکوٰۃ شریف کا درس دیتے اور پھر دفتر اہتمام میں تشریف لاتے جہاں پر ایک بڑی تعداد مہمانوں کی موجود ہوتی جن کے مسائل سنتے اور مختلف دفاتر میں فون کر کے ان کے مسائل حل کرواتے اور اگر ضرورت پڑتی تو خود انکے ساتھ دفاتر میں تشریف لے جاتے۔ اکثر اوقات قرب وجوار اور بعض اوقات دور دراز علاقوں میں بیانات کا سلسلہ جاری رہتا سفر میں قرآن مجید کی تلاوت کا بہت اہتمام فرماتے۔

حضرت والد ماجد کا بیان نہایت ہی پراثر اور پرمغز ہوتا قرآنی آیات کو پیارے انداز میں دوران تقریر پڑھتے جس سے ایک سماں بندھ جاتا اہل باطل کا ذکر اور حکومت کے غلط فیصلوں کا ذکر آتا تو اس وقت آپ بلاخوف وخطر ننگی تلوار بن جاتے۔ آپ کو کلمۂ حق کی پاداش میں کئی دفعہ جیلوں میں جانا پڑا اور سخت مقدمات کا بھی سامنا کرنا پڑا اور ایک دفعہ اغوا

ءبھی کیئے گئے اور سخت دھمکیاں ملتی رہیں۔ان حالات میں بھی آپ صبر ورضا کی تصویر بنے رہے اور اپنے دینی مشن کو جاری رکھا یہ آپ کا دینی درد ہی تھا کہ مرکزی مسجد (لال مسجد)سرکاری تحویل میں ہونے کے باوجود دینی تحریکوں کا مرکز اور باطل کیلئے سرخ نشان بنی رہی۔آپ دعاؤں میں والہانہ انداز میں اللہ رب العزت سے خوب الحاح وزاری کے ساتھ شہادت کی دعا کیا کرتے تھے۔

۱۷/اکتوبر ۱۹۹۸ء کی صبح جامعہ فریدیہ میں مشکوٰۃ شریف کے سبق کے دوران طلباء سے شہادت سے سرفراز ہونے کی دعا کی درخواست کی اور جامعہ فریدیہ سے مرکزی مسجد تشریف لائے تو مسجد کے سامنے پھل والے سے گھر والوں کیلئے پھل خریدے اور مسجد کے صحن سے گھر کی طرف بڑھے اور بندۂ عاجز جامعہ سیدہ حفصہؓ میں مشکوٰۃ شریف پڑھا کر اہلیہ اور دو بچیوں کے ساتھ صحن میں حضرت کے قریب پہنچا اور سلام عرض کیا اچانک گولیاں چلنے لگیں اور آٹھ گولیاں آکر حضرت کے جسم میں پیوست ہوگئیں ساتھ ہی گولیوں کا رخ ہماری طرف مڑ گیا اور گولیاں سنسناتی ہوئی ہمارے کپڑوں سے گزر گئیں۔حضرت کا سرخ خون لال مسجد کی سرخی کو مزید سرخی دے گیا۔دشمن نے حضرت شہید کا خون کر کے دینی کاموں اور حق وصداقت کی آواز کو دبانے کی کوشش کی مگر حضرت شہید کا خون رنگ لایا اور آج الحمدللہ دس ہزار کے قریب طلباء وطالبات بغیر کسی فیس کے جامعہ فریدیہ، جامعہ سیدہ حفصہؓ اور ان کی دیگر شاخوں میں دینی علوم حاصل کر رہے ہیں۔

حضرت کے خون ہی کی برکت ہے کہ آج بھی لال مسجد دشمن کیلئے سرخ نشان بنی ہوئی ہے حضرت شہید ہوکر "فمنھم من قضیٰ نحبہ" کے زمرے میں شامل ہوگئے اور بندۂ ناچیز "ومنھم من ینتظر" میں شامل ہونے کی دعائیں کرتا ہے، حضرت والد صاحب کی زندگی ایک تحریک کا نام ہے ایک مختصر کتاب میں اس کا سمانا مشکل ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ فوراً ہی کوئی کتاب منظر عام پر آجاتی مگر جامعہ کی مصروفیات کیوجہ سے ایسا ممکن نہ ہوسکا۔ بندہ نے جامعہ فریدیہ کے قابل قدر استاد حضرت مولانا مفتی ریاض منصور صاحب

سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے بڑی جانفشانی کے ساتھ کتاب " حیات شہید اسلام" کو مرتب کیا، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ان کے علم وعمل میں برکت عطاء فرمائے اور اس تالیف کو اس پرفتن دور میں حق وصداقت کی راہوں پر چلنے والوں کیلئے مشعل راہ بنائے اور اس سے مسلمانوں کو نفع بخشے۔ آمین

وما علینا الا البلاغ

تقریظ

شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ المدنی دامت برکاتہم العالیہ

استاذ حدیث جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله و کفیٰ و سلام علی عباده الذین اصطفیٰ ،امابعد، ہمارے صدیق مکرم حضرت مولانا مفتی ریاض منصور صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ مدرس جامعۃ العلوم الاسلامیہ الفریدیہ، اسلام آباد، قابل صد داد و تحسین ہیں کہ انہوں نے پوری محنت و جانفشانی، مکمل تتبع و استقراء کے ساتھ ایک عظیم، فقید المثال، نابغۂ روزگار، صاحب فراست و بصیرت ،فنافی الاسلام عبقری شخصیت حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ کی پاکیزہ مجاہدانہ زندگی کے علمی، عملی اور دینی، ملی کارہائے نمایاں کو ''حیاتِ شہیدِ اسلام'' کے عنوان سے کتابی شکل میں مدون فرمائے ہیں۔ جو عنقریب زیور طبع سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہو رہی ہے۔ یقیناً یہ وقیع وزریں تالیف فرزندان اسلام پر عموماً اور شہیدِ اسلام کے تلامیذ ومعتقدین، متعلقین واحباب پر خصوصاً ایک دائمی ابدی احسان ہے۔ جسے دیکھنے سے پڑھنے والوں کے قلوب میں طاعات وحسنات کے جذبات موجزن ہونگے۔

؎ تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

ایسے قدسی صفات، علماء ربانیین کی سیرت وکردار، دینی، اخلاقی محاسن وکمالات، کشف وکرامات کے محیر العقول واقعات تاریخی اوراق میں جمع کرنا بہت بڑا تاریخی علمی کارنامہ ہے، جو رہتی دنیا تک اہل اسلام کیلئے سنگ میل اور مشعل راہ ثابت ہوگا۔

مشہور زمانہ محدث کبیر حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے ''**عند ذکر الصالحین تتنزل الرحمة** ''یعنی نیک لوگوں کا تذکرہ کرنے سے اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

؎ حکایت از قد آں یار دلنواز کنیم
بایں فسانہ مگر عمر خود دراز کنیم

تــلـک آثـــار تــدل عــلیـنـــا
فـــانـــظـــروا بـــعــدنـــا الـــی الآثـــار
یعنی ہمارے بعد یادگار کےطور پر ہماری نشانیوں کو دیکھا کرو۔

شہید اسلام حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ سلف صالحین کی یادگار تھے۔ راقم الحروف کو متعدد جلسوں اور اجتماعات میں انکے اثر انگیز، روح پرور، ایمان افزا مواعظ وخطبات سننے کا شرف حاصل ہے۔جن سے ان کی عمیق فقاہت، پختہ بصیرت، کمالِ اخلاص وللّٰہیت اور دین اسلام کی صحیح ترجمانی کا اندازہ ہوتا تھا۔ بندہ نے شہیدِ اسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز کو حرمین شریفین کی نورانی فضاؤں میں عجیب والہانہ وجد وکیف میں دیکھا ہے۔مسجد الحرام میں پروانوں کیطرح طوافوں میں اپنے قلبی سوز وگداز میں مدہوش نظر آتے تھے اور مسجد نبوی شریف میں تلاوت قرآن مجید، اوراد و وظائف اوراذکار وصلوات میں منہمک ہوتے تھے۔

مرحوم ومغفور کے درویشانہ، سنت کے مطابق سادہ لباس، خالص اسلامی وضع قطع، حددرجہ تواضع، پاکیزہ وسادہ مزاج، ایمان کے انوار وتجلیات سے منور، درخشندہ نورانی چہرے میں ایک عجیب قسم کی جاذبیت تھی جس کے دیکھنے سے ”**عبــاد اللہاذا رؤوا ذکر اللہ**“ (یعنی اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو جب دیکھا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ یاد آجاتے ہیں) کا منظر سامنے آجاتا۔

جب بھی کسی دینی فتنہ نے سر اٹھایا، اسلام کے خلاف کسی سازش کا پتہ چلتا تو شہیدِ اسلام کے حساس قلب میں درد وکرب کا تلاطم موجزن ہوتا اور پوری جرأت وبسالت کے ساتھ اس کے قلع قمع میں دیوانہ وار میدانِ عمل میں کود پڑتے۔

پاکستان کے دارالخلافہ اسلام آباد میں ان کا وجود مسعود ”**آیة مـن آیاتاللہ**“ (اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی) کا مصداق تھا۔مرکزی مسجد (لال مسجد) ان کی ولولہ انگیز، ایمان افروز، وجد آفریں خطبات ومواعظ کی بدولت پاکستان بھر کے لئے شعائر اسلام کی حمایت وحفاظت کا مرکز بن گیا تھا۔اور آج بھی اس مردقلندر کے خلف الرشید مجاہد اعظم حضرت مولانا محمد عبدالعزیز صاحب(**بـارک الـلّـه فـی عـلـومـه واعـمـاله وحفظه**

ورعاه ورزقه مزيد التوفيق والاخلاص) اپنے والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چل کر لال مسجد کے مقدس بقعہ سے حق کی صدائیں بلند کر رہے ہیں۔ مرحوم کے دونوں صاحبزادگان اور تمام اہل بیت اپنے شفوق وعطوف مقتداء کے نہال علمی گلشنوں کی آبیاری میں حیات مستعار کے لیل ونہار بتا رہے ہیں، زادهم الله مجداً وشرفاً ويكلؤهم بعين حمايته من جميع الفتن ما ظهر منها ومابطن.

اللہ تعالیٰ نے شہید اسلام کی تمناؤں کو پورا فرمایا اور پھر آخری تمنائے شہادت سے بھی ان کو مالا مال فرمایا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی دعاؤں میں شہادت فی سبیل اللہ کی نعمت مانگتے تھے اس نعمت عظمیٰ سے بھی ان کو نوازا گیا۔ "وآتاكم من كل ما سألتموه" (جوانہوں نے مانگا اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا)

برادر عزیز صدیق مکرم حضرت مولانا مفتی ریاض منصور صاحب مدظلہ کی کتاب ''حیاتِ شہیدِ اسلام'' میں یہ چند سطور لکھ دیں تا کہ شہید اسلام رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات لکھنے والوں میں اس فقیر کا نام بھی شامل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کی عمر اور علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور ان کی مبارک مساعی کو شرف پذیرائی عطا فرمائے اور اس کتاب سے عوام وخواص کو استفادہ کی توفیق بخشے۔

ولله الحمد اولاً واخيراً وصلى الله تعالىٰ اشرف الرسل وخاتم انبيائه وعلى آله واصحابه اجمعين الطيبين الطاهرين.

كتبه : شير على شاه

دارالعلوم اکوڑہ خٹک

۱۰/۴/۱۴۲۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد وستائش اس ذات کیلئے جس نے کارخانہ عالم کو وجود بخشااوردرودوسلام اسکے آخری پیغمبر پرجنھوں نے حق کابول بالاکیا۔ے

میری انتہائے نگارش یہی ہے
تیرے نام سے ابتداء کر رہا ہوں

تمہید:۔

بستان معرفت کےگل سرسبز،علم وحکمت کےآفتاب،عالم اسلام کے نامور خطیب شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمدعبداللہ شہیدؒ کی پیدائش تحصیل روجھان ضلع راجن پور کےایک قصبے میں ہوئی،حضرت کاعہدطفولیت بھی یہیں گذرا۔جبکہ جوانی کاابتدائی زمانہ ملتان اور کراچی میں طالبعلمی اور کچھ عرصہ امامت وخطابت کے سلسلے میں گذرا۔اسکے بعدآپ اسلام آبادتشریف لےآئےاورشہادت تک کاتمام عرصہ اسلام آبادہی میں گذرا۔اس لئے حضرت شہیدؒکی سوانح حیات لکھتے وقت ان تین ادوارکوآٹھ ابواب پر تقسیم کر دیاگیاہے۔چونکہ حضرت شہیدؒکی زندگی کااکثرحصہ اسلام آبادمیں گذراہے اوراکثروبیشتر حالات وواقعات بھی اسی زمانے سےمتعلق ہیں،اس لئے پہلے دوحصےنسبتاًمختصرہیں۔

بابِ اوّل

وطن مالوف اور حضرت شہیدؒ کے والد ماجد کے مختصر حالات

وطن مالوف، خاندان اور والدین

وطن مالوف:-

شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ کے آباءواجداد کا اصلی وطن روجھان ہے جو راجن پور کی ایک تحصیل ہے۔راجن پور ڈیرہ غازی خان سے ملحق صوبہ پنجاب کا ایک مشہور ضلع ہے جو شروع شروع میں ضلع ڈیرہ غازی خان ہی کی ایک تحصیل تھی جولائی 1982ء میں اسے الگ ضلع کا درجہ دیا گیا۔اس شہر کو 1732ء میں سیت پور کے ایک زمیندار مخدوم شیخ راجن نے آباد کیا تھا۔اسکے شمال میں ضلع ڈیرہ غازی خان ہے۔مشرقی سرحد کے ساتھ ساتھ تقریباً ستر ہ میل کے فاصلے پر پاکستان کا سب سے بڑا دریا دریائے سندھ بہتا ہے۔دریا کے پار ضلع رحیم یار خان اور ضلع مظفر گڑھ ہیں۔مغرب میں کوہ سلیمان کے سلسلے ہیں جو ضلع راجن پور کو صوبہ بلوچستان کے ضلع سبی سے جدا کرتے ہیں۔جنوب مغرب میں صوبہ سندھ کے ضلع جیکب آباد کی حدیں اس سے ملتی ہیں۔اسکی کل تین تحصیلیں ہیں۔راجن پور، جام پور اور روجھان۔حضرت شہیدؒ تحصیل روجھان کے ایک دور افتادہ گمنام قصبہ میں پیدا ہوئے۔اور یہیں حضرت نے اپنا بچپن گذارا۔عجیب بات یہ ہے کہ یہ قصبہ شروع ہی سے انتہائی پسماندہ اور حکومت کی عدم توجہ کا شکار تھا جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ کافی عرصہ سے علاقہ کے چند بااثر لوگ بعض سیاسی وجوہات کی بنا پر اس بستی کی تعمیر وترقی میں رکاوٹ ڈال رہے تھے۔حضرت شہیدؒ نے ایک دفعہ اس سلسلے میں صدر ضیاءالحق مرحوم سے بات کی اور علاقے کے لوگوں کی سہولت کیلئے ایک ریلوے اسٹیشن منظور کروالیا ، جب اس کی تعمیر مکمل ہوئی تو اس خوشی میں علاقے کے عوام نے خود ہی اس اسٹیشن کا نام حضرت شہیدؒ ہی کے نام سے موسوم کر کے ''عبداللہ جنکشن'' رکھ دیا اور اس نام کا ایک بورڈ بھی لکھوا کر وہاں نصب کر دیا۔اسی مناسبت سے اس قصبہ کا نام بھی ''بستی عبداللہ'' پڑ گیا۔یہ بات علاقے کے مذکورہ سیاسی اور مفاد پرست لوگوں کو کہاں برداشت ہوسکتی تھی اس لئے ان

کی ایماء پراس بورڈ کواب اکھاڑ کر پھینک دیا گیا ہے۔اس طرح یہ بدخواہ لوگ بورڈ اتارنے میں تو کامیاب ہو گئے لیکن لوگوں کے ذہنوں،زبانوں اوردلوں سے اس نام کو کیسے نکال سکتے تھے چنانچہ آج بھی علاقے میں مذکورہ اسٹیشن اور قصبہ دونوں اسی نام سے ہی زبان زدِعام ہیں۔اورحکومت کے ریکارڈ میں بھی اس قصبے اوراسٹیشن کا نام حضرت شہیدؒ کے نام کے ساتھ درج ہے۔کسی کو کیا معلوم تھا کہ ضلع راجن پور کے ایک دورافتادہ گمنام قصبہ میں اللہ تعالیٰ ایک جید عالم دین،مخزن معرفت اور ایک نامور خطیب پیدا کریں گے جس کے ذریعہ لاکھوں انسانوں کے قلوب کو زندہ کرینگے۔ ہزاروں تشنگانِ علم کو علوم الٰہیّہ سے سیراب کرینگے اوردرس وتدریس،وعظ وتلقین جیسا مقدس کام ان سے لیں گے۔

؎جوآگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت
اک خانہ بخانہ ہے اک سینہ بسینہ

حضرتؒ کی شہادت کے بعداس قصبے کے نام یعنی بستی عبداللہ کے ساتھ لفظ شہید کا اضافہ کردیا گیا ہے۔اس طرح اب یہ قصبہ ''بستی عبداللہ شہیدؒ'' کے نام سے ہی مشہور ومعروف ہے۔

؎ اے ہمنشینِ محفلِ ما
رفتید ولے نہ از دلِ ما

خاندان:-

حضرت شہیدرحمہ اللہ ضلع راجن پور کے مشہور ومعروف ''سوڈوانی مزاری بلوچ''قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔عام طور پربلوچستان کے باشندوں کوبلوچ کہاجاتا ہے۔جسکومختلف ادوار میں بلوص،بعلوث اوربلوچ کے ناموں سے بھی پکارا گیا ہے۔بلوچوں کی زیادہ ترتعداد پاکستان کے صوبہ بلوچستان میں ہے۔اس کے علاوہ ایرانی بلوچستان اورافغانستان میں بھی بلوچ بستے ہیں۔پاکستان کےصوبہ سندھ اورصوبہ پنجاب میں بھی ان کی خاصی تعدادآباد ہے۔یہ لوگ دراصل کردستان یعنی عراق اورایران کے کردعلاقوں کے

باشندے ہیں۔ جہاں سے ایرانی حکومت نے ان کو ماضی کے مختلف اوقات میں بلوچستان کی طرف دھکیل دیا تھا اس کی تائیداس بات سے بھی ہوتی ہے کہ کردی زبان اور بلوچی زبان میں بڑی مماثلت پائی جاتی ہے نیز بلوچی زبان کا حلقۂ اثرا تنا وسیع ہے کہ بلوچستان کے علاوہ سیستان، ایرانی بلوچستان اور خلیج کی ریاستوں (مسقط، ابوظہبی، قطر، بحرین اور کردستان) بلکہ روس (سابقہ سوویت یونین) کے بعض علاقوں میں بھی بولی جاتی ہے۔سب سے پہلے میر جلال خان نامی سردار چوالیس (44) قبائل کے ساتھ کردستان سے ہجرت کر کے بلوچستان آئے۔ایک اندازے کے مطابق سولہویں صدی عیسوی تک ان قبائل نے کردستان سے سیستان اور خراسان کی طرف ہجرت کی۔ جہاں سے پھر مکران، قلات، سندھ بلوچستان اور پنجاب کی طرف کوچ کیا۔ میر جلال خان کے چار بیٹے تھے۔رند، لاشار، قراء اور ہوت چنانچہ میر جلال خان کے ان چار بیٹوں سے بلوچوں کی نسل چلی ہے اور قبیلے در قبیلے بنتے چلے گئے۔ایک قبیلہ رند ہے جو بلوچستان میں آباد اور اٹھاسٹھ (68) قبائل پر مشتمل ہے۔دوسرا قبیلہ لاشار ہے جو تقریباً انتالیس (39) چھوٹے چھوٹے قبائل میں بٹ گیا ہے۔تیسرا قبیلہ ہوت ہے جو مکران میں آباد ہے جبکہ چوتھا قبیلہ قرائی ہے جو میر جلال خان کے بیٹے قراء کی طرف منسوب ہے اور اس کی مختلف شاخیں سندھ اور پنجاب میں آباد ہیں ان قبائل کا ذکر ''رند'' کے نام سے بلوچوں کی قدیم شاعری میں بھی آیا ہے۔ سندھ میں زیادہ تر جمالی، کھوسہ اور جتوئی وغیرہ بلوچ آباد ہیں جبکہ پنجاب میں زیادہ تر لغاری ،مزاری، دریشک اور بزدار بلوچ ہیں۔اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت شہید رحمہ اللہ کے آباء واجداد کردستان سے ہجرت کر کے ان علاقوں کی طرف آئے تھے کیونکہ حضرت شہیدؒ بھی مزاری بلوچ قبیلہ کی ایک مشہور شاخ ''سوڈوانی'' کے ایک فرد ہیں۔اس نقطۂ نظر سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اس قبیلے کے لوگ اصلاً کرد ہیں۔

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: شہیدِ اسلام مولانا محمد عبداللہ بن مولانا غازی محمد بلوچ بن چاچڑ بن علی بن حاجی محمد بن علی بن محمد بن عزت علی.......الخ

اگرچہ ان سے اوپر کے بزرگوں کے احوال متصل سند کے ساتھ موجود نہیں ہیں لیکن تاریخ کی معتبر کتابوں میں وہی تفصیل لکھی گئی ہے جو گذشتہ صفحات میں تحریر ہے نیز علاقے کے عوام اور خواص میں بھی عام شہرت یہی ہے کہ یہ لوگ اصل میں کرد ہیں حسب نسب کے سلسلے میں شریعت میں عام شہرت کو کافی سمجھا گیا ہے۔ چونکہ مزاری قبیلہ کے لوگ شجاعت، بہادری اور مہمان نوازی میں کردوں کی مثل ہیں اسلئے اس قبیلہ کا نام بھی اس کی بہادری، دلیری اور عزت احترام کی خاطر ''مزاری'' رکھا گیا ہے۔ لفظ مزر کے معنی فارسی زبان میں بہادر اور نڈر کے ہیں اور بعض نے اس کے معنی شیر کے بھی لکھے ہیں کیونکہ شیر بھی بہادر ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اس وقت ضلع راجن پور کا جنوبی حصہ مرغائی سے کشمور تک مزاری قبیلہ کی مختلف شاخوں سے آباد ہے۔ ان تمام شاخوں اور آس پاس کے دیگر قبائل میں سے حضرت شہیدؒ کا قبیلہ اپنی شرافت، رُعب، طاقت اور قوت میں اپنی مثال آپ ہے اور پورے علاقے میں سب سے بڑا اور محترم قبیلہ تصور کیا جاتا ہے۔

حضرت شہیدؒ کے والد ماجد:-

حضرت شہیدؒ کے والد ماجد مولانا غازی محمد بلوچؒ اپنی جوانی کے ابتدائی دور تک کوئی باضابطہ عالم دین نہیں تھے۔ کیونکہ انہوں نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی اس میں علم نام کی چیز سے لوگ بے خبر تھے حضرت مولانا نے جب ہوش سنبھالا تو حسب دستور آپ کی یہ ذمہ داری ٹھہری کہ آپ نے گائے، بیل اور بکریاں چرانے کے ساتھ ساتھ کھیتی باڑی بھی کرنی ہے۔ لیکن رب کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ آغاز جوانی تک تو انہوں نے یہ سب کام سرانجام دیئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ آپ علوم ظاھریہ اور علوم باطنیہ دونوں سے آراستہ ہوئے۔

مولانا غازی محمد بلوچؒ کی زندگی کا نیا موڑ اور روحانی سفر کا آغاز:-

حضرت شہیدؒ کے والد صاحب شروع ہی سے اپنی بہادری اور شجاعت کی وجہ سے علاقہ میں مشہور تھے اور طبعی طور پر بھی ایک مخلص انسان تھے۔ اس زمانے میں اکثر علاقوں میں چونکہ قبائلی نظام رائج تھا۔ اس لئے علاقے کے اکثر تنازعات اور دیگر اہم فیصلے قبائلی جرگے میں طے پاتے تھے۔ جناب غازی محمد بلوچ اس وقت اگر چہ نوعمر تھے لیکن اپنی ہونہاری اور شرافت کی بناء پر ان جرگوں میں بھی شامل کئے جاتے تھے اور جرگوں کے اکثر فیصلوں میں شریک ہوتے تھے۔ ان فیصلوں کو علاقے کے تمام لوگ مان بھی لیتے تھے اور باقاعدہ ان پر عمل درآمد کی بھی کوشش ہوتی تھی۔ لیکن علاقے میں ایک آدمی ایسا بھی تھا۔ جس کی سرکشی، بدکرداری اور ایذاء رسانی کی وجہ سے تقریباً سارے لوگ پریشان تھے اور وہ جرگے کے کسی فیصلے کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا اور نہ ہی کسی ماں بہن اور بیٹی کی عزت وآبرو اور عفت وعصمت کا لحاظ رکھتا تھا۔ جناب غازی محمد بلوچ سمجھتے تھے کہ ایسے بدکردار قسم کے لوگ ایک اچھے معاشرے کیلئے ناسور کی حیثیت رکھتے ہیں ایسے لوگوں سے معاشرے کو پاک کرنا ضروری ہے یہ سوچ کر وہ دل ہی دل میں کڑھتے رہتے تھے چنانچہ جب اس آدمی کو قابو کرنے اور اس کی اصلاح کی کوئی صورت نہ بن سکی اور اس کی سرکشی حد سے بڑھنے لگی تو ایک دن غازی محمد بلوچؒ نے اپنی خاندانی تلوار (جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے) کے ذریعہ ایک ہی وار میں اس کا سرتن سے جدا کردیا۔ اس وقت قبائلی نظام کے مطابق بھی ایسے آدمی کی سزا یہی تھی۔ اس طرح وہ مخلوق خدا کو اس کی ایذاء رسانی اور ظلم سے نجات دلانے اور معاشرے کو اس کے غلط کاموں سے پاک کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

لیکن چونکہ وہ دور انگریزوں کا تھا جب بات آگے بڑھی اور معاملہ انگریز حکومت کی عدالت میں پہنچ گیا تو انگریز جج نے انہیں عمر قید کی سزا سنائی اور حوالۂ زنداں کردیا۔ یہیں سے ان کی زندگی کا نیا موڑ اور ان کے روحانی سفر کا آغاز ہوا ہے۔ ہوا یوں کہ جب مولانا غازی محمد بلوچؒ جیل پہنچے تو وہاں ایک جلیل القدر عالم دین سے ان کی ملاقات ہوگئی جو اپنے علاقے میں بھی مخلوق خدا کی ہدایت کے ساتھ ساتھ اپنے شاگردوں اور مریدوں کی تعلیم

وتربیت کا فریضہ بھی انجام دینے میں مشغول رہے تھے۔ یہ بزرگ عالم غالبًا انگریزوں کے خلاف تحریک چلانے والے علماءِ حق کے گروہ میں شامل تھے اور انگریزوں کے خلاف آواز بلند کرنے اور علماءِ حق کی تائید کرنے کی پاداش میں جیل بھیج دیئے گئے تھے۔ افسوس کہ ان کے حالات بسیار کوشش کے باوجود ہمیں معلوم نہ ہو سکے ۔

ڈھونڈیں ہم اب نقوشِ سبک رفتگاں کہاں؟
اب گرد کارواں بھی نہیں کارواں کہاں؟

چنانچہ رفتہ رفتہ ان کے ساتھ تعلق بڑھتا ہی چلا گیا اور ان کی تعلیمات، تقویٰ اور تدین سے اتنے متاثر ہوئے کہ جیل کے اندر ہی ان کی خدمت میں رہنے کا مصمّم عزم کر لیا اور تقریبًا چودہ سال تک ان کی خدمت میں رہ کر علوم ظاہریہ اور علوم باطینہ سے فیضاب ہو گئے ۔ اکثر دینی اور درسی کُتب ان سے پڑھ لیں اور باضابطہ طور پر علماء کرام کی صف میں شامل ہو گئے۔ اس دوران جیل کے اندر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ بھی ملاقات اور دوستی ہو گئی اور یہ تعلق آخر وقت تک قائم رہا۔

مولانا غازی محمد بلوچ کی شادی:

جیل کے اندر استادِ محترم نے اپنے فرمانبردار شاگرد کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی اور جیل سے رہائی تک علوم ظاہریہ اور علوم باطنیہ دونوں سے آراستہ کر دیا۔ ویسے بھی وہ شروع ہی سے اپنے قبیلے اور دیگر قبائل میں دین دار اور شریف لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ عالم دین بننے کے بعد تو گویا چار چاند لگ گئے اور سب خاندان والوں کی آنکھوں کا تارا بن گئے۔ یہ وہ دور تھا کہ جس میں علاقے کے تمام قبائل رسوم ورواج کے نظام میں جکڑے ہوئے تھے۔ جہالت اتنی عام تھی کہ آپس میں اور آس پاس کے دوسرے قبائل کے درمیان مسلسل لڑائی جھگڑے رہتے تھے اور معمولی سی بات پر دشمنیاں مول لیتے تھے۔ لوگ قبائلی رسوم اور خودساختہ نظام کے گھپ اندھیروں میں جہالت اور گمنامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ لیکن مولانا غازی محمد بلوچ طبعی طور پر شروع ہی سے انتہائی مخلص، کم گو، راسخ العقیدہ

تھے اور مروجہ رسوم وبدعات سے نفرت کی وجہ سے علاقے میں جانے پہچانے جاتے تھے نیز خاندانی شرافت کی وجہ سے خاندان میں اور دوسرے قبائل میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ چنانچہ رہائی کے بعد جب آپ اپنے آبائی علاقے میں پہنچے تو انہوں نے دین الٰہی کی نشر واشاعت اور اصلاح احوال کا کام شروع کر دیا۔ لوگوں کو احکام الٰہی اور سُنن نبوی کی طرف دعوت دینے لگے اور اس کام میں بہت زیادہ سرگرم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت ہی سریلی آواز سے نوازا تھا اب اس میں تاثیر بھی رکھ دی۔ اس طرح آپ اپنی قوم کی اجتماعی کمزوریوں اور اخلاقی خرابیوں کے ازالے کی کوشش میں لگ گئے اور آہستہ آہستہ قبیلے کے لوگ آپ کی دعوت پر لبیک کہنے لگے۔ وقت گزرنے کے ساتھ تمام مروجہ رسوم وبدعات کا خاتمہ ہونے لگا اور علاقے کے لوگوں میں ایک نئی علمی روح اور ذہنی بیداری پیدا ہوتی چلی گئی اسی دوران جبکہ آپ دین متین کی خدمت میں مشغول تھے تو اللہ تعالیٰ نے عجیب انداز سے آپ کی شادی کا بندوبست فرمایا۔ ہوا یوں کہ آپ کے قبیلے کے ساتھ ''ٹبرانی'' نام کا قبیلہ آباد تھا اس قبیلے کے ایک معزز شخص جو اپنے قبیلے میں بڑے افضل شخص سمجھے جاتے تھے، نہایت غیور اور نیک خصلت شخصیت کے مالک تھے وہ اپنی بیٹی کی شادی کسی دیندار شخص کے ساتھ کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ مولانا غازی محمد بلوچؒ اپنی سرگرم محنت اور دین داری کی وجہ سے پورے علاقے میں پہچانے جاتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مولانا غازی محمد بلوچؒ کی شکل میں ان کی خواہش پوری کر دی۔ ''ٹبرانی'' قبیلے کے دستور کے مطابق اپنے قبیلے سے باہر رشتہ دینا معیوب اور قبیلے کی روایات کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ خلاف ورزی کی صورت میں سوشل بائیکاٹ کر کے قبیلے سے نکال دیا جاتا تھا۔ اس غیور شخص نے پورے ٹبرانی قبیلے کی مخالفت اور قبیلے کی روایت کے مطابق قبیلے سے نکال دینے کی دھمکی کے باوجود اپنی بیٹی مولانا غازی محمد بلوچؒ سے تمام قبائلی رسم ورواج سے ہٹ کر انتہائی سادگی اور عین اسلامی طریقہ کے مطابق بیاہ دی اور اپنے قبیلے کی اس پرانی اور جاہلیت پر مبنی روایت کو بھی توڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک صفت بندے کے لئے ایک نیک

خاتون کا انتخاب فرمایا۔

حضرت شہیدؒ کی والدہ ماجدہ:-

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ حضرت شہیدؒ کی والدہ ماجدہ کا تعلق ''ٹبرانی'' قبیلے سے تھا۔ یہ قبیلہ بھی مزاری قبیلے ہی کی ایک شاخ ہے۔ یوں حضرت شہیدؒ نجیب الطرفین ہیں۔ حضرت شہیدؒ کے چھوٹے بھائی محترم عبدالحق صاحب بیان کرتے ہیں کہ والدہ محترمہ نہایت ہی عبادت گذار، نیک، پارسا اور شریف الطبع خاتون تھیں۔ ان کا تقویٰ، طہارت اور نیک سیرتی پورے خاندان میں مشہور تھی۔ وفات تک عبادت اور ذکر اذکار کا یہ معمول بدستور جاری رہا۔ بڑھاپے کے باوجود تہجد کی نماز آخری عمر بلکہ آخری رات تک ادا کرتی رہیں، حضرت شہید کو اپنی والدہ سے بڑی محبت تھی اور والدہ بھی آپ پر جان نچھاور کرتی تھیں۔ حضرت شہید کی والدہ اپنے گاؤں سے لگاؤ کی وجہ سے اکثر گاؤں میں اپنے چھوٹے بیٹے محترم عبدالحق ہی کے پاس رہتیں۔ حضرت شہیدؒ زیارت کیلئے اکثر اپنے گاؤں جاتے ان کا حال احوال پوچھتے نیز ان کی اور اپنے چھوٹے بھائی کی ضروریات بھی پوری کرتے۔

حضرت مولانا غازی محمد بلوچؒ کے چند دلچسپ واقعات:-

حضرت مولانا غازی محمد بلوچؒ کے چند سبق آموز اور دلچسپ واقعات ان کے چھوٹے فرزند ارجمند محترم عبدالحق صاحب نے یوں بیان کیے کہ:

ا۔ حضرت مولانا غازی محمد بلوچ صاحب بعض اوقات دو دو سو تین تین سو میل تک تبلیغ کے لئے پیدل سفر کرتے۔ پیدل سفر کرنے کی وجہ سے پاؤں میں ورم آجاتا اور آبلے پڑ جاتے، لیکن آپ اس کی قطعاً پرواہ نہ کرتے۔ بہشتی زیور ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے آواز سریلی اور خوبصورت تو تھی ہی۔ ان کی تقریر میں بھی اللہ تعالیٰ نے اتنا اثر اور سوز و گداز رکھا تھا کہ دوران تقریر خود بھی رِم جھِم آنسو بہاتے اور سامعین کو بھی اس طرح رُلا دیتے کہ مجمع پر رقت طاری ہو جاتی اور آنسوؤں سے سامعین کے دامن تر ہو جاتے۔ تقریر ختم ہونے تک

لوگ اپنی جگہ سے نہ اٹھتے اور جھوم جھوم کر ان کی تقریر سنتے ،مولانا عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں،گاؤں کے لوگ اب بھی کہتے ہیں کہ آپ کے دادا جی جب خطبہ پڑھنا شروع کرتے تو خطبہ کے دوران ہی لوگ رونا شروع کر دیتے تھے۔

۲۔ ہماری بستی میں ایک بے نمازی آدمی تھا۔حضرت مولانا غازی محمد بلوچ صاحبؒ ان کو اکثر نماز پڑھنے کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ایک دفعہ اس شخص نے ہمارے والد صاحب کے ساتھ اپنے جانور کا تبادلہ کیا غالبًا ہمارے پاس ایک بیل تھا جس سے ہم کھیتوں میں ہل چلاتے تھے ہمارا جانور عمر میں چھوٹا اور دیکھنے میں بہت لاغر سا نظر آتا تھا۔اس آدمی نے اصرار کر کے اپنا فربہ اور عمدہ جانور دیدیا اور ہمارا کمزور جانور لے لیا۔ چند دنوں کے بعد لوگوں کے سمجھانے پر اسے احساس ہوا کہ اس نے بہت گھاٹے کا سودا کیا ہے چنانچہ وہ اپنا جانور واپس لینے کیلئے والد صاحب کے پاس پہنچ گیا۔والد صاحب نے موقع کو غنیمت جانا اور یہ شرط لگائی کہ اگر وہ پانچ وقت کی نماز جماعت کے ساتھ پابندی سے ادا کیا کرے تو اس کا جانور اسے واپس مل سکتا ہے ورنہ نہیں،اس شرط پر وہ آدمی راضی ہو گیا،آئندہ پابندی سے پانچ وقت کی نماز پڑھنے کا وعدہ کیا اور اپنا جانور واپس لے گیا۔والد صاحب کی نصیحت کا یہ انداز اس کے حق میں اکسیر ثابت ہوا۔اس کے بعد وہ آدمی پکا نمازی بن گیا۔ اور بستی کے شریف اور نیک لوگوں میں اس کا شمار ہونے لگا۔اور والد صاحب کی وفات تک اس نے تعلق قائم رکھا۔

۳۔ ایک مرتبہ بارشیں بالکل بند ہو گئیں اور علاقے میں سخت خشک سالی ہو گئی۔ علاقے کے تمام لوگ پریشان ہو کر حضرت مولانا غازی محمد بلوچ صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے اور دعا کرنے کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائے اور اس مصیبت سے نجات دلائے۔انہوں نے بستی کے بوڑھوں،نوجوانوں،بچوں اور جانوروں کو ساتھ لیکر بستی سے باہر صحرا میں نکلنے کی ترغیب دی۔تمام لوگ حضرت کی ترغیب پر بستی سے باہر صحرا میں نکل گئے پھر والد صاحب نے ان کو ایک میدان میں جمع کیا اور صلوۃ الاستسقاء

پڑھائی۔نماز کے بعداللہ تعالیٰ کے حضورالحاح وزاری کی اورایسی پُراثر دعاء کروائی کہ سارے لوگ ہچکیاں لے لے کرزاروقطاررونے لگے۔جونہی دعاء سے فارغ ہوئے تودفعتاً آسمان پربادل چھاگئے اوربستی میں پہنچنے سے پہلے ہی بارش کے قطروں نے زمین پرگرناشروع کردیاجب لوگ بستی میں پہنچےتوبارش اورتیزہوگئی۔یہاں تک کہ پوراعلاقہ جل تھل ہوگیااورلوگوں کی پریشانی دورہوگئی۔علاقے میں قحط سالی کی جوکیفیت پیداہوگئی تھی وہ اللہ تعالیٰ کےفضل وکرم سےدورہوگئی۔

۴۔حضرت مولاناغازی محمد بلوچ صاحبؒ کھیتی باڑی سے لے کرجانوروں کوچارا کھلانے اوران کوچراگاہ کی طرف لے کرجانے تک سارے کام خودہی کرتے تھے۔ایک دفعہ وہ دوبیلوں کواپنی چراگاہ کی طرف لے جارہے تھے جوہمارے گھرسے کافی فاصلہ پرتھی راستے میں دائیں بائیں لوگوں کے ہرے بھرے کھیت تھے دونوں بیل کسی کے کھیت میں گھسنے کی کوشش کرنے لگے۔مولاناصاحب چونکہ اکیلے تھے،اس لئے بیلوں کوروکنے میں دشواری پیش آرہی تھی چنانچہ بیلوں کوروکتے روکتے ایک موقعہ پرایک بیل کاپاؤں ان کے پاؤں کےاوپرآ گیاجس سےان کے پاؤں کی ایک انگلی کٹ گئی اور پاؤں لہولہان ہوگیا۔مگر باوجودسخت درداورتکلیف کے بیلوں کوکسی بھی صورت میں دوسرے کےکھیت کےاندرگھسنے نہیں دیا۔حالانکہ دیہاتوں میں عام طورپراس طرح آتے جاتے جانور اردگرد کھیتوں میں گھس جاتے ہیں،دوسرے کی فصلوں میں منہ ماردیتے ہیں اور لوگ پرواہ نہیں کرتے۔اسکے بعدکافی عرصے تک ان کے پاؤں سےخون رستارہااورآپ سخت تکلیف میں مبتلارہے۔لیکن کبھی کسی کوتکلیف محسوس نہ ہونے دی۔حضرت مولانا غازی محمد بلوچ صاحبؒ کے دل میں بس ایک ہی چیزبسی ہوئی تھی اوروہی ہروقت ہرحال میں پیش نظررہتی تھی۔ادنیٰ مناسبت سےاسی کی طرف ان کاذہن فوراً منتقل ہوجاتا تھا۔چنانچہ اس واقعہ کے بعداکثرفرمایاکرتے تھے کہ انگلی کٹنے سےتکلیف توبڑی ہوئی لیکن آخرت کی تکلیف تواس سےزیادہ سخت ہےجس کاہم تصوربھی نہیں کرسکتے۔اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت کی تکلیف سے

محفوظ رکھے (آمین)

۵۔ ہماری والدہ محترمہ فرمایا کرتی تھیں کہ تمہارے والد صاحب نے ساری زندگی مجھے مارنا تو کجا کبھی ڈانٹا بھی نہیں۔اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوجاتی تو درگزر کردیتے تھے اور سمجھا دیتے تھے۔عبادت کرنے کا عالم یہ تھا کہ رات کا اکثر حصہ عبادت میں گزار دیتے بعض اوقات تو پوی پوری رات عبادت میں گزر جاتی۔قرآن کریم کی تلاوت کرتے اورنمازیں پڑھتے۔نماز کی ادائیگی میں اتباع سنت کا خاص خیال فرماتے تھے۔ قیام ہو یا قرأت، رکوع ہو یا سجدہ ہر رکن کی ادائیگی سنت کے مطابق کرتے تھے۔ ہروقت باوضو رہتے تھے۔اذکار اوراورادِ مسنونہ کے پابند تھے،مریض کی عیادت کرنا عام معمول تھا۔اپنی اولاد کے ساتھ بھی انتہائی نرمی اورشفقت کا معاملہ فرماتے تھے۔ مجھے یاد نہیں کہ میرے والد صاحب نے کبھی مجھے مارا پیٹا ہو۔ اگر ہم سے کوئی غلطی ہوجاتی تو پیار ومحبت سے سمجھا دیتے البتہ کبھی کبھار معمولی سرزنش ضرور کرتے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ.خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لأ ھلی (ترمذی،ابن ماجہ) ترجمہ:تم میں بہتر آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور میں تم میں سے اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے بہتر برتاؤ کرنے والا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا غازی محمد بلوچؒ اس حدیث شریف کے سو فیصد مصداق تھے۔حضرت کا یہ عمل ہواؤں کے دوش پر اُڑنے،پانی کی سطح پر مصلیٰ بچھا کرنمازیں پڑھنے اورجنگل کے خونخوار شیر کی پیٹھ پرسواری کرنے جیسی کرامتوں سے سینکڑوں درجہ اونچے درجے کی کرامت ہے۔درحقیقت یہ تقویٰ،طہارت،تدین اوراللہ تعالیٰ کے خوف کا نتیجہ ہے قرآن کریم میں ارشادگرامی ہے۔''الرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ''یعنی مردعورتوں کے قوام اورنگران ہیں۔لیکن نگران ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ ہروقت عورت کے اوپرمسلط رہے اوراس کوگھر کی نوکرانی سمجھے۔دوسری جگہ قرآن کریم کا ارشادمبارک ہے کہ''ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا

الیھـــــا ''اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق بیویوں کا رشتہ محبت اور الفت کا ذریعہ ہے اور عورت مرد کیلئے باعث سکون ہے۔

ان کے بیٹے محترم عبدالحق صاحب بتاتے ہیں کہ ہمارے والد صاحب رحمہ اللہ گھر کے بچوں کے علاوہ پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے بچوں کے ساتھ بھی پیار کرتے تھے اوران پر غیر معمولی شفقت فرمایا کرتے تھے۔آں حضور ﷺ کی یہ مبارک سنت بھی حضرت میں پائی جاتی تھی۔ وَالحمدللہ علی ذلک.

حدیث شریف میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منقول ہے کہ آپ ﷺ بچوں پر انتہائی شفقت اوران سے محبت کرتے تھے۔آپ ﷺ کی نواسی حضرت امامہؓ آپ سے بہت زیادہ مانوس تھیں بعض اوقات آپؐ سجدہ میں ہوتے تو وہ آکر پیٹھ پر بیٹھ جاتی آپ ﷺ سجدہ کو طویل کردیتے۔کبھی آپؐ کے کندھے پر چڑھ جاتیں تو آپؐ ان کو آہستہ آہستہ کندھے سے اُتار دیتے تھے۔چھوٹے بچوں کے ساتھ پیار کرنا بھی آپ ﷺ کی مبارک سنت ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

مولانا غازی محمد بلوچؒ کی اولاد:۔

حضرت مولانا غازی محمد بلوچؒ کے دو صاحبزادے اور چھ صاحبزادیاں تھیں۔اوّل فخر آباء واجداد حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ دوم محترم عبدالحق صاحب (جو عمر میں حضرت شہیدؒ سے چھوٹے ہیں)ان کے علاوہ مولانا غازی محمد بلوچؒ کو اللہ تعالیٰ نے چھ صاحبزادیاں بھی عطا فرمائی تھیں جن کی شادیاں علاقے کے اچھے اور معزز خاندانوں میں ہوئی ہیں۔سب کی سب نیکوکار، پارسا اور منتظمہ قسم کی خواتین ہیں ہنوز سب بقید حیات اور صاحب اولاد ہیں۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاءُ..الآیۃ۔

حضرت مولانا غازی محمد بلوچؒ کی منت:۔

شادی سے قبل جب غازی محمد بلوچ رحمہ اللہ جیل میں تھے۔اس وقت سے ہی اپنے لئے نیک اور صالح اولاد کے لئے بہت دعائیں مانگا کرتے تھے۔اپنے استادِ محترم کی تعلیمات سے متاثر ہوکر انہوں نے یہ منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے بیٹے کی نعمت سے نواز دے اور اس نے عمر پائی تو میں اس کو اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے وقف کردوں گا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندے کی دعا سن لی اور جیل سے نکل کر شادی کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت شہید کی صورت میں ایک نیک اور صالح بیٹا عنایت فرمادیا جب حضرت شہیدؒ کی ولادت ہوئی تو ان کی خوشی کی انتہاء نہ تھی صرف والدین ہی خوش نہ تھے بلکہ آپ کی پیدائش پر پورے خاندان والے بھی خوش تھے اور سبھی ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کررہے تھے۔چنانچہ خاندان کے بزرگوں نے باہمی مشورے سے آپ کا نام ''محمد عبداللہ'' تجویز کیا۔ماں باپ کو اپنی اولاد عزیز ہوتی ہی ہے لیکن حضرت کے والدین کو آپ سے غیر معمولی شفقت و پیار تھا۔انہوں نے شروع ہی سے آپ کے بارے میں اپنی منّت کا خوب خیال رکھا اور بڑے عزم بالجزم کے ساتھ ابتداء ہی سے دینی تعلیم و تعلم میں لگادیا۔اور آپ کی تعلیم اور تربیت کی لئے دن رات ایک کردیا۔سنِ شعور تک پہنچنے سے پہلے ہی نیک والدین نے بھوتوں اور پریوں کی کہانیاں سنانے کے بجائے دین کی باتیں اور سچی کہانیاں سناسنا کر زندگی کے اصل مقصد کی طرف واضح راہنمائی فرمائی تھی۔حضرت شہید رحمہ اللہ کے بھانجے مولانا انعام اللہ صاحب نے احقر کو اپنی نانی مرحومہ کے حوالے سے بتایا کہ انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کو بغیر وضو کے کبھی دودھ نہیں پلایا۔

منت کے اثرات:-

حضرت شہیدؒ نے ایک نیک اور صالح گھرانے میں ایسے پاکیزہ ماحول میں آنکھ کھولی جہاں شروع ہی سے معصوم ذہنوں میں دین کی باتیں ذہن نشین کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ والدین کی دعائیں اور منت کے اثرات بھی ان کی زندگی پر نمایاں نظر آتے تھے۔چنانچہ ساری زندگی والدین کی دعائیں اور اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال

رہی اورفرمانبردار بیٹے نے بھی زندگی کے ہر موڑ پر اپنے والدین کی دعاؤں اور منت کا بڑا لحاظ رکھا۔اور نہ صرف اس کو پورا کیا بلکہ تمام زندگی اپنی اولاد کواور دیگر متعلقین کو سیدھے راستے پر چلانے کی ہمیشہ فکر اور کوشش کرتے رہے اور اپنی ساری زندگی میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور دین اسلام کی سربلندی کے لئے کوشاں رہے۔وہ قریہ قریہ،بستی بستی اللہ تعالیٰ کی محبت اور عشق کے گیت گاتے رہے اور اپنے متعلقین اور متوسلین کے قلوب کو منور کرتے رہے اگر وہ چاہتے تو اپنے لئے اسلام آباد کے مہنگے سے مہنگے سیکٹر میں محل کھڑے کرتے،مال ومتاع کے ڈھیر لگادیتے،پیشکشیں ہوئیں،لیکن تمام پیشکشوں کو ٹھکرا کر اور دشمنان اسلام کی دھمکیوں کو خاطر میں نہ لاکر دین متین کے لئے جان،مال،وقت اور راحتیں قربان کردیں۔وہ جرأت واستقامت کے پہاڑ تھے۔کبھی ان کے پائے استقلال میں سرمو لغزش نہیں آئی،حق پرستانہ جذبہ وجنوں سے مسلح ہو کر دین وملت کے دشمنوں کے سامنے ہمیشہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوئے۔انہوں نے اپنا کوئی ٹھکانہ بنایا ہی نہیں سفر ہی بس ان کی زندگی تھی۔بقول شاعر ؎

صبح چلتے ہیں شام چلتے ہیں
عشق والے مدام چلتے ہیں
عقب چلتی ہے ان کے یہ دنیا
جیسے پیچھے غلام چلتے ہیں

گویا ساری زندگی آپ بزبان حال یہی فرماتے رہے کہ ”ہر ملک ملکِ ما است کہ ملک خدائے ما است“ بارہا ایسا بھی ہوا کہ صبح ایک شہر میں ہوئی تو شام دوسرے شہر میں اور فجر تیسرے شہر میں،رات کہیں گذری تو دن کہیں اور کبھی سفر میں کبھی حضر میں اس مرد قلندر کی ساری زندگی دین کی تبلیغ واشاعت،پیہم جدو جہد،فاقہ مستیوں اور طرح طرح کے مصائب وآلام میں گذری بقول کسے ؎

جہاں میں اہلِ ایماں صورت خورشید جیتے ہیں

اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

آپ کا اس طرح قریہ قریہ،شہر شہر چلنے پھرنے کا مقصد کوئی سیر وتفریح نہیں تھا بلکہ آپ تو رحمت کی بارش بن کر اُن تمام شہروں کو سیراب کرتے چلے جاتے تھے اور ایک ہی سفر میں کثیر تعداد میں لوگ ان سے فیضیاب ہو جاتے تھے۔الغرض ان کا ایک ایک لمحہ عالم اسلام کی فکر اور مسلمانوں کی بہتری کے لئے کاوشوں میں صرف ہوا اور ان کے دن اور راتیں مسلمانوں کے مصائب وآلام اور پریشانیاں دور کرنے میں اور اسلام کی خدمت انجام دینے میں گذریں بقول شاعر ۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

اسلام آباد کی تاریخ میں دینی علوم کی ترویج واشاعت اور درس وتدریس کے میدان میں جو گراں قدر خدمات حضرت شہیدؒ کی ہیں اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی ۔ حضرت نے اس خطے میں دعوت وتبلیغ اور اصلاحِ خلق کا وہ کارنامہ سرانجام دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے رشد وہدایت کا وہ کام لیا کہ آج تصور کر کے انسان حیرت واستعجاب کا مجسمہ بن جاتا ہے۔انہوں نے فرد واحد کی صورت میں ایک جماعت کا کام انجام دیا۔وہ دین کے خادم ہی نہیں دینی سیرت وکردار اور اخلاق وعمل کا خود ایک قابل رشک نمونہ بھی تھے۔ساری زندگی دین متین کی خدمت کی اور دنیا سے جانے کے بعد اپنے پیچھے ہزاروں علماء،مجاہدین اور جامعہ فریدیہ اور جامعہ سیدہ حفصہؓ جیسے عظیم الشان ادارے بطور صدقہ جاریہ چھوڑے جہاں اس وقت تقریباً نو ہزار سے زائد طلباء اور طالبات علوم دین حاصل کرنے میں مصروف ہیں۔اور آنے والے وقتوں میں اس تعداد میں مزید اضافے کی امید ہے۔اسلام آباد میں اس وقت دیو بند مسلک کی جتنی مساجد اور مدارس نظر آتے ہیں ان میں سے اکثر مساجد اور مدارس حضرت شہید کی کوششوں،جہد وجہد اور محنت کی رہین منت ہیں۔مرکزی جامع مسجد حالانکہ سرکاری مسجد تھی اور حضرت شہید سرکار کی طرف سے مقرر تھے لیکن اس میں اس انداز

سے کام کیا کہ ملک کی دیگر مساجد کے مقابلے میں سب سے زیادہ حق کی آواز یہاں سے بلند ہوئی اور تمام اسلامی تحریکوں کے لئے مرکز بنی رہی۔اس پاداش میں کئی بار جیل گئے اور ایک بار اغواء بھی ہوئے آنکھوں پر پٹی باندھ کر ہاتھ پاؤں باندھ کر جیپ کے فرش میں ڈال کر راولپنڈی سے منڈی بہاؤالدین لے جایا گیا لیکن ان کی جرأت، بیبا کی اور حق گوئی میں پر کاہ بھی فرق نہیں آیا ؎

اسکی اُمیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اسکی اداء دلفریب اس کی نگہ دلنواز
نرم دمِ گفتگو گرمِ دمِ جستجو
رَزم ہو یا بزم ہو پاک دل وپاکباز

خدمت دین ان کا جز وقتی کام نہیں بلکہ انہوں نے اس کو اپنا مکمل مقصدِ حیات بنا رکھا تھا۔انہوں نے اپنے اہل وعیال اور تمام ملنے والوں کو اپنے قول وفعل سے یہی درس دیا خاص طور پر اپنے بچوں کی تربیت اور سیرت وکردار سازی میں اپنی اس فکر اور فن کا بہترین نمونہ پیش کیا ہے۔بقول شاعر ؎

اس عالم فانی میں غمزدہ رہو یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یہاں کہ تم بہت یاد رہو

اس وقت حضرت شہیدؒ کے دونوں بیٹے اپنے والد ماجد کے مسلک ومشرب کے مطابق دینی علمی، تدریسی، تبلیغی اور اصلاحی خدمات میں مصروف ہیں اور اپنے والد صاحب کے لگائے ہوئے گلشن کی آبیاری اور آبادی کئے ہوئے ہیں بیشک یہ سب اس مخلصانہ محنت کے ثمرات اور برکات ہیں۔اللھمَّ زد فزد

مولانا غازی محمد بلوچؒ کی اپنی اولاد کو آخری وصیت:۔

حضرت شہید کے چھوٹے بھائی محترم عبدالحق صاحب سلمہٗ فرماتے ہیں کہ ہمارے والد ماجد نے وفات کے دن اپنی ساری اولاد کو اپنے پاس بلایا اور کافی دیر تک وصیت کرتے رہے۔ وصیت کے آخری الفاظ جو مجھے کچھ یاد ہیں وہ یہ تھے: میرے پیارو! پورے کے پورے دین پر چلو، اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول کے حکموں کو نہ توڑو، اسی دوران میرے بڑے بھائی حضرت شہیدؒ نے والد صاحب سے دعا کی درخواست کی تو آپ نے سب کے لئے دعاء کی۔ خاص طور پر ان کے لئے دعاء کی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے دین کے لئے قبول فرمائے اور شہادت کی موت سے سرفراز فرمائے ہم سب نے آمین کہا۔ اللہ تعالیٰ نے والد صاحب کی یہ دعاء بالآخر پوری کردی اور بھائی صاحب کو شہادت جیسی نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز فرمایا۔

حضرت مولانا غازی محمد بلوچؒ کی وفات:-

ہمیں وصیت کرنے کے بعد چند منٹوں تک خاموش رہے پھر کلام اللہ کی تلاوت آہستہ آہستہ شروع کی کچھ دیر تلاوت کے بعد کلمۂ شہادت پڑھا اور عین نزع کے عالم میں بلند آواز سے ''اناللّٰہ وانا الیہ راجعون'' پڑھتے پڑھتے اس دار فانی سے روح کے رشتے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گئے۔ نزع کی تکالیف میں سے کسی قسم کی تکلیف اور کرب واذیّت کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ موت کے بعد ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے محوخواب ہیں، یوں محسوس ہورہا تھا جیسے مسکرا رہے ہیں۔ وفات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے علاقے میں پھیل گئی، اعزہ واقارب اور دیگر متعلقین جمع ہوگئے، نماز جنازہ اور تدفین عمل میں آئی جب میت قبر میں رکھی گئی تو آپ کا چہرہ خود بخود قبلہ کی جانب پھر گیا جس کا مشاہدہ وہاں پر موجود لوگوں نے کیا۔

حضرت شہیدؒ کی والدہ ماجدہ کی وفات:-

حضرت شہید کی والدہ محترمہ نہایت ہی پاکباز، دیندار، متقی، عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ دین سے انتہائی درجہ رغبت رکھتی تھیں۔ دنیا سے کوئی لگاؤ نہ تھا ہمیشہ اپنے گاؤں والے کچے گھر کی چاردیواری میں ایسی رہیں کہ اس دور میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ مختصر

علالت کے بعد آپ کا انتقال ہوا اور گاؤں کے قبرستان ہی میں مدفن ہوئیں۔ رحمہا اللہ رحمۃً واسعۃً۔ حضرت کی شہادت کے وقت آپ بقید حیات تھیں، شہادت سے تقریباً تین سال بعد فوت ہوئیں۔

خاندانی تلوار:-

حضرت شہید کے پاس ایک صیقل شدہ خوبصورت تلوار تھی حضرت کبھی کبھار اسے جامعہ فریدیہ میں اساتذہ کو دکھانے کے لئے ساتھ لیکر آتے تھے۔ اس تلوار کے بارے میں حضرت خود ہی فرماتے تھے کہ یہ ہماری خاندانی تلوار ہے جو نسل در نسل ہم تک پہنچی ہے یہ جب ہمارے والد صاحب کے پاس تھی تو انگریز سرکار نے ضبط کر کے سرکاری خزانے میں جمع کر دی تھی۔ کافی عرصے تک یہ سرکاری خزانہ میں جمع رہی، اس کے بعد ہمارے قبیلہ کے چند بڑے سرداروں نے انگریز حکومت سے مطالبہ کیا کہ یہ ہماری خاندانی نشانی اور تاریخی ورثہ ہے، ہمارا قبائلی اسلحہ ہے جو نسل در نسل چلی آرہی ہے لہٰذا ہمیں یہ تلوار واپس کر دی جائے۔ انگریز حکومت نے مطالبہ منظور کرتے ہوئے وہ تلوار انہیں واپس کر دی۔ یہ تلوار حضرت شہیدؒ کے پاس رہنے کے بعد اس وقت حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب کی والدہ ماجدہ کے پاس موجود ہے۔

باب دوم

حیاتِ شہید اسلام

سوانح حیات حضرت مولانا محمد عبداللہ شہید رحمہ اللہ

(از ولادت تا تحصیل علومِ دینیہ)

میری زندگی میری موت ہے، میری موت ہے میری زندگی
میرا جسم ظلمتِ ہند میں ، میری روح خاکِ حجاز میں

حیات شہید اسلام

از ولادت تا تحصیل علوم دینیہ:

ے ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ے مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

ولادت:-

جیسا کہ اوّل باب میں ذکر کیا گیا کہ حضرت مولانا محمد عبداللہ شہید رحمہ اللہ ضلع راجن پور کی تحصیل روجھان کے ایک چھوٹے سے غیر معروف قصبے میں پیدا ہوئے جو اس وقت ''بستی عبداللہ شہیدؒ '' کے نام سے موسوم ہے، بزرگان دین اور سلف صالحین کی سوانح دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی کے تمام حالات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں مگر عہدِ طفولیت کے احوال کے بارے میں یا تو سکوت اختیار کیا گیا ہے یا پھر اجمالی جائزے پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی آدمی آگے چل کر خواہ کتنا ہی بڑا اور صاحب فضل وکمال کیوں نہ بن جائے لیکن اس کے بچپن کے زمانے میں کسی کو کیا علم ہوتا ہے کہ اس گوہر نایاب کا فیض آگے چل کر کہاں کہاں تک پھیل جائے گا اور کیا مقام پائے گا۔

حضرت شہیدؒ کی تاریخ پیدائش اور دن کے بارے میں بھی بسیار کوشش کے باوجود کوئی صحیح اور تحقیقی بات معلوم نہیں ہوسکی اور نہ ہی آپ کے بچپن کے حالات تفصیل سے معلوم ہو سکے البتہ علاقے کے موجودہ بزرگوں کے قول کے مطابق حضرت شہیدؒ کی ولادت حضرت مولانا غازی محمد بلوچ رحمہ اللہ کے ہاں ۱۹۳۵ء میں ہوئی اور عہد طفولیت بھی گاؤں کی کھلی فضاء اور صاف ستھری آب وہوا میں ہی گذرا، طبیعت میں سلامتی تھی، شرارت اور غیر تربیت یافتہ بچوں کی عادتیں ان میں نہ تھیں، بچپن سے ہی اپنے بیگانے، خاندان اور عزیز

واقارب سب ہی کے محبوب رہے، کھیل کود سے اکثر پرہیز کرتے تھے ابتداء ہی سے فطری صلاحیتیں چہرے سے ہویدا تھیں۔گاؤں کے بزرگ حضرات بتاتے ہیں کہ جب حضرت شہیدؒ بولنے کے قابل ہوئے تو ان کے والد نے اسی زمانے سے ہی بلوچی زبان میں تقریر کرنا سکھادی تھی۔

آغاز تعلیم:۔

حضرت شہیدؒ کے والد ماجد چونکہ اس بات کا مصمم ارادہ کر چکے تھے اور منّت بھی مانی تھی کہ وہ اپنے پہلے بیٹے کوانشاءاللہ عالم دین بنائیں گے اس کے پیش نظرابتداء ہی سے انہوں نے اپنے اس گوہر نایاب کی تربیت کا خاص خیال رکھا اور جب آپ اپنی عمر کے ساتویں سال کو پہنچے تو گاؤں سے کچھ فاصلے پر''بستی بُھنگ'' ضلع رحیم یار خان میں واقع مدرسہ خدام القرآن میں آپ کوداخل کرادیا گیا، جہاں فاضل دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد عثمان صاحب رحمہ اللہ نے الف، باسے آپ کی تعلیم کا آغاز کردیا، حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے فیض یاب ہوکر اپنے علاقے میں تشریف لائے تھے اور درس وتدریس اور وعظ وتلقین کا مقدس فریضہ انجام دے رہے تھے ولی اللہ اور بہت بڑے عالم دین تھے، حضرت مدنی کا خاص رنگ ان میں پایا جاتا تھا، چنانچہ قرآن کریم اور درس نظامی کی ابتدائی اکثر کتابیں آپ نے ان کی نگرانی میں پڑھیں، آپ کے ساتھ آپ کے پھوپھی زاد بھائی حاجی محمد بلوچ کو بھی اس مدرسہ میں داخل کرایا گیا تھا، جوعمر میں آپ سے تقریباً چھ ماہ بڑے تھے بعد میں وہ آپ کے بہنوئی بھی بنے ۔حضرت مولانا عثمان صاحبؒ آپ پرخصوصی توجہ اور شفقت فرماتے اور ہر طرح سے آپ کا خیال رکھتے تھے، مدرسہ خدام القرآن میں قرآن کریم حفظ کر لینے کے بعد درس نظامی کی ابتدائی کتب بھی اسی مدرسے میں شروع کیں، اورانتہائی محنت اور جذبہ کے ساتھ دینی علوم حاصل کرنے میں مشغول رہے، چار پانچ سال تک درس نظامی کی ابتدائی کتب کے ساتھ شرح جامی، شرح وقایہ، نورالانوار، حسامی، شرح تہذیب، قطبی وغیرہ اور دیگر تمام کتابیں

حضرت مولانا محمد عثمان رحمہ اللہ اور حضرت مولانا عبدالغفور صاحب اور دیگر ماہر اساتذہ کرام کی نگرانی میں پڑھیں۔ چونکہ مدرسہ خدام القرآن اور آپ کے گاؤں کے درمیان دریائے سندھ حائل تھا۔ اس لئے حضرت شہیدؒ کے والد ماجد کو جب کبھی آپ کے پاس مدرسہ میں جانا ہوتا تو تیراکی کر کے دریا پار کرنا پڑتا اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنے پاس چمڑے کا ایک مشکیزہ بھی رکھا ہوا تھا جس میں ہوا بھر کر تیراکی میں استعمال کیا کرتے۔

ایک دفعہ مدرسہ خدام القرآن میں محدثِ عصر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تشریف لائے، ان کے سامنے حضرت شہیدؒ نے اردو زبان میں فی البدیہہ تقریر کی۔ واضح رہے کہ حضرت شہیدؒ کی مادری زبان بلوچی تھی اور اس وقت وہ نوعمر تھے، تقریر سن کر حضرت بنوری رحمہ اللہ نے انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا اور حضرت مولانا عثمان رحمہ اللہ سے فرمایا کہ:

''جب یہ بچہ بڑا ہو جائے تو ہماری جامعہ میں بھیج دینا انشاء اللہ یہ اپنے وقت کا عظیم خطیب بنے گا''

زمانۂ طالب علمی کا ایک واقعہ:

یہ واقعہ حضرت شہیدؒ خود ہی سنایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں تنہا اپنے گھر سے مدرسہ جا رہا تھا۔ صبح کا وقت تھا جب میں دریائے سندھ کے قریب پہنچا تو بیاباں میں ایک آدمی ملا۔ مجھے تنہا دیکھ کر اس نے مجھ سے میرے جوتے چھین لئے اور بھاگ گیا۔ میں نے بھی اس کے پیچھے بھاگنے کی کوشش کی لیکن وہ بہت دور نکل چکا تھا۔ مجھے بڑا افسوس ہوا مدرسہ میں آ کر میں نے استاد محترم کو سارا واقعہ سنایا کہ کس طرح ایک آدمی میرے جوتے چھین کر فرار ہو گیا۔ استاد محترم مجھے تسلی دیتے ہوئے فرمانے لگے کہ بیٹے! اس نے تیرے جوتے تو چھین لئے لیکن تیرے سینے سے قرآن کریم کی دولت نہ چھین سکا۔ یہ کسی کے بس میں نہیں ہے سب سے بڑی دولت تو یہی ہے پھر فرمایا کہ علم ایک ایسی عظیم دولت ہے جو کوئی بھی نہیں چھین سکتا اور نہ کوئی اسے چُرا سکتا ہے نہ خرید سکتا ہے، علم ہمیشہ ہمیشہ باقی رہتا ہے جتنا خرچ

کیا جائے اتنا ہی بڑھتا جاتا ہے۔

جامعہ قاسم العلوم میں داخلہ:-

قرآن کریم حفظ کرنے اور درس نظامی کے ابتدائی درجات تک تعلیم مدرسہ خدام القرآن میں حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے حصول کے لئے اپنے استاد محترم کے مشورے سے آپ ملتان چلے گئے اور وہاں جامعہ قاسم العلوم میں داخلہ لیا۔جامعہ قاسم العلوم اس وقت ملک کے بڑے اور ممتاز مدارس میں شمار ہوتا تھا اور وہاں عالم ربانی حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کے درس وتدریس اور علم وفن کا ڈنکا بج رہا تھا چنانچہ آپ جامعہ قاسم العلوم میں تقریباً ایک سال تک حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کی نگرانی میں تعلیم وتربیت حاصل کرتے رہے۔

حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ سے کسب فیض:-

جامعہ قاسم العلوم میں عالمِ ربّانی ، ولی کامل حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کی نگرانی،صحبت اور حلقۂ درس وتدریس میں بیٹھ کر علم وعمل میں مزید رنگ چڑھتا گیا۔حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ آپ پر خصوصی توجہ اور شفقت فرماتے تھے۔یہ تعلق اور شفقت آخر دم تک قائم رکھا۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ جب بھی اسلام آباد تشریف لاتے تو حضرت کو ضرور اطلاع کر دیتے اسی طرح اگر مفتی صاحب اسلام آباد میں موجود ہوتے تو جمعہ کا خطبہ اکثر مرکزی جامع مسجد (لال مسجد) ہی میں دیتے۔اس سے حضرت مفتی صاحب کے ساتھ حضرت شہید رحمہ اللہ کے تعلق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

؎ اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

محدث عصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی خدمت میں حاضری:

جامعہ قاسم العلوم ملتان سے علوم ظاہریہ اور علوم باطنیہ سے فیض یاب ہوکر درس

نظامی کی دیگر کتب اورصحاحِ ستہ پڑھنے کے لئے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں محدث عصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری دی۔ حضرت بنوری رحمہ اللہ کی صحبت اور تربیت نے سونے پرسہاگہ کا کام کیا۔انہوں نے اپنی فراست سے اس گوھر نایاب کو بھانپ لیا تھا تقریباً تین سال تک جامعہ بنوری ٹاؤن میں حضرت کی خدمت میں رہے اپنی خداداد صلاحیت اور قابلیت کی بناء پر اپنے تمام اساتذہ خاص طور پر حضرت علامہ بنوری رحمہ اللہ کے منظور نظر رہے۔حضرت آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور اکثر اوقات حضرت شہیدؒ کی تعریف وتوصیف بھی فرماتے اوراپنے خاص شاگردوں میں شمار کرتے ،وجہ اس کی یہ تھی کہ قابلیت اورخداداد صلاحیت کے علاوہ حضرت کی زندگی میں شروع ہی سے تقویٰ،تدیّن ،سنن نبوی کا اہتمام،انتہائی درجہ کی عاجزی وانکساری ،قناعت وسخاوت ، دین اسلام کی سربلندی کے لئے محنت اور جوش وجذبہ موجود تھا،حضرت بنوری رحمہ اللہ کی صحبت اور تربیت نے ان اوصاف کومزید جلا بخشی ، چنانچہ حضرت شہید کو شریعت وطریقت کےاس بحر بیکراں کی خدمت اورصحبت سے خوب فیض نصیب ہوا۔اوران کی خصوصی توجہ اورشفقت سے تقویٰ وطہارت اور طاعت وعبادت میں خاص کیفیت پیدا ہوگئی،بقول شاعر

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

حضرت کی قناعت:

حضرت شہیدؒ شروع ہی سے بڑے جفاکش،غیور اورمجاہدانہ زندگی گزارنے کے عادی تھے،گھر میں آپ کا بچپن اورنوعمری کا زمانہ بھی مالی وسعت اورفراخی کا نہ تھا۔تحصیل علم کے لئے نکلنے کے بعد آپ کا طالب علمی کا دور بھی نسبتاً زیادہ تنگی اورعسرت ہی میں گزرا ہے۔غربت کے دن تھے،آزمائشیں بے شمار تھیں لیکن حضرت شہیدؒ نے ہمت نہیں ہاری۔ بہادری سے حالات کا مقابلہ کرتے رہے۔ایسے کٹھن اورصبرآزما حالات کے باوجود آپ اپنی تعلیم

میں لگے رہتے۔حضرت خود ہی فرماتے تھے کہ طالب علمی کے ابتدائی زمانے میں مجھے ایک مسجد میں امامت اور خطابت ملی تھی مسجد والے مجھے روزانہ ایک وقت کا کھانا دیا کرتے تھے۔

؎ تیرا مقام امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

بہر کیف حضرت شہیدؒ کا صبر وقناعت اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ظاہری سامان معیشت کے نہ ہونے کے باوجود آپ کو کوئی پریشانی یا غم نہ ہوتا۔اسلام آباد آنے کے بعد کا دور قدرے فراخی اور وسعت کا تھا،اگرچہ حکومت کی طرف سے تنخواہ کی صورت میں کچھ آپ کی خدمت ہوتی تھی مگر مہمانوں کی خاطر مدارات،رشتہ داروں،فقراء ومساکین کی خبر گیری اور دیگر ضرورتمندوں کے تکفل کی وجہ سے مصارف اس قدر بڑھ جاتے کہ قرضہ لینے کی نوبت آجاتی۔اس کے علاوہ کوئی معتد بہ ذریعہ معاش بھی نہیں تھا۔کہیں سے کچھ تحفہ یا ہدیہ وغیرہ مل جاتا تو وہ بھی اکثر اپنی ذات پر خرچ نہ کرتے۔جامعہ فریدیہ کے اخراجات لاکھوں تک پہنچ جاتے قرض خواہوں کے مطالبے آجاتے لیکن کبھی کنایۃً یا اشارۃً کسی کے سامنے پریشانی کا اظہار نہ کرتے اور نہ آپ کے چہرے پر غم اور پریشانی کے آثار نظر آتے۔ ؎

دارا و اسکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسداللّٰہی

حضرت شہیدؒ کی شادی اور اس موقع پر سادگی:

حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ کی شادی اس زمانے میں ہوئی ہے جب آپ طالب علم تھے۔ایک سال تک جامعہ قاسم العلوم ملتان میں پڑھنے کے بعد حضرت شہیدؒ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے کراچی حضرت بنوری رحمہ اللہ کی خدمت میں جانا چاہتے تھے لیکن قبل اس کے کہ آپ کراچی چلے جاتے والدین نے حضرت کی شادی کا بندوبست کر دیا اور اتنی سادگی سے شادی عمل میں آئی کہ کم از کم آج کے دور میں شاید لوگ اسکا تصور بھی نہ کر سکیں۔حضرت شہیدؒ خود ہی فرمایا کرتے تھے کہ میری عمر اس وقت تقریباً پندرہ یا سولہ سال کی

تھی مجھے اپنی شادی کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ نہ نئے کپڑے بنائے گئے نہ جوتے خریدے گئے البتہ میرے پرانے کپڑے دھودیئے گئے اور عین وقت پر مجھے بتلا دیا گیا کہ تمہاری شادی کی تیاری مکمل ہوچکی ہے، اب تمہیں شادی میں لے کر جانا ہے۔فرمان بردار بیٹے نے والدین کے حکم کے سامنے سرِتسلیم خم کرلیا اوراپنے دُھلے ہوئے کپڑے زیب تن کر لئے۔ چچا کے گھر گئے اورایک مختصرسی تقریب میں تمام رسوم ورواج سے ہٹ کر چچازاد بہن سے شادی کرادی گئی۔اس طرح اللہ رب العزت نے اپنے ایک نیک بندے کے لئے ایک نیک خاتون کاانتخاب فرمالیا۔

حضرت کی اہلیہ کی عمر اِس وقت پینسٹھ (۶۵) سال کے لگ بھگ ہے، انتہائی دیندار، صالحہ اورتقویٰ والی خاتون ہیں۔حضرت کی شہادت پران کوطبعی طور بڑا صدمہ ہوا، حضرت کی مفارقت کا صدمہ کوئی معمولی رنج نہ تھا۔ایسے واقعات پرحزن وملال ایک طبعی امر ہے۔مگر اللہ تعالیٰ کی اس فرمان بردار بندی نے یہ سب کچھ دل ہی میں سہہ لیا۔ وہ اب بھی بقیدحیات ہیں۔ بڑی باہمت خاتون ہیں دنیا میں جتنے لوگوں نے بڑے بڑے کام سرانجام دیئے ان کے پیچھےان کی باہمت خواتین کا تعاون ہوتا ہے،اسی طرح یہاں بھی حضرت شہیدؒ کی خدمات کے پیچھےان کی اہلیہ محترمہ کا تعاون کارفرما ہے، چنانچہ مولانا شہیدؒ اغوابھی ہوئے ،جیلوں میں بھی گئے ،طرح طرح مصائب آئے ،مولانا کے ساتھ ان کی باہمت بیوی نے بھی مکمل تعاون کیا،مولانا کی شہادت کے بعد ایک قریبی عزیز نے مولانا کی اہلیہ سے کہا کہ آپ مولانا عبدالعزیز کو سمجھائیں یہ بھی اسی طرح کی سخت تقریریں کر رہے ہیں،ان کی زندگی کوبھی خطرہ ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ تقریریں اور دین کا کام کرنے دو،موت اپنے وقت پر ہی آئے گی۔اللہ رب العزت ان کا سایۂ رحمت اپنی اولاد پر قائم ودائم رکھے، حضرت شہیدؒ کے چھوٹے فرزند محترم علامہ عبدالرشید غازی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت کی شہادت کے بعد گورنمنٹ کی طرف سے جو وظیفہ حضرت کے نام پر والدہ ماجدہ کوملتا ہے وہ اس کوجمع کرتی رہتی ہیں۔ پھراس رقم سے اپنی اولاد میں سے کسی کوحج بیت اللہ کے لئے بھیج

دیتی ہیں۔

تحصیلِ علوم سے فراغت:

حضرت شہید رحمہ اللہ سن ۱۹۵۷ء میں دورۂ حدیث مکمل کر کے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے فارغ التحصیل ہوگئے تھے۔اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۱۹ یا ۲۰ سال تھی ۔آپ نے درس نظامی کے صرف آخری تین سال بنوری ٹاؤن میں پڑھے تھے۔فراغت کے بعد حضرت بنوری رحمہ اللہ ہی کے مشورے سے آپ اپنے علاقے میں آ گئے اور درس وتدریس اور وعظ وتلقین کے ذریعے دین الٰہی کی نشر واشاعت میں مشغول ہو گئے۔

طب یونانی:

علمی اور دینی خدمات کا کو بلا معاوضہ انجام دینے اور کسب معاش اپنانے کے لئے آپ نے کراچی میں طب یونانی کی مکمل تعلیم بھی حاصل کی تھی کچھ عرصے تک آپ نے دینی خدمات کے ساتھ ساتھ اپنے گاؤں میں اس فن کو بھی جاری رکھا اور اس کو مستقل وقت دیا کرتے تھے، گاؤں کے اکثر لوگ غریب ہوتے ہیں اس لئے اکثر لوگوں کا علاج معالجہ بھی مفت کیا کرتے تھے، چونکہ یہ فن مستقل وقت مانگتا تھا،اس لئے حضرت کا یہ شوق پوری کوشش کے باوجود پورا نہ ہوسکا کہ علم دین کی خدمت بغیر کسی معاوضہ کے انجام دی جائے۔

طب یونانی چھوڑنے کی وجہ:

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب نے اپنی والدہ کی وساطت سے یہ بیان کیا کہ مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ ابتداء میں زیادہ وقت حکمت ہی میں صرف کرتے تھے،ایک دفعہ گاؤں میں اپنے مطب میں کوئی دوائی کوٹ رہے تھے،حضرت کی والدہ بھی ساتھ بیٹھی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں ان کو حضرت کا یہ عمل پسند نہ آیا تو فرمانے لگیں بیٹے! کیا آپ نے علم دین اس لیے حاصل کیا تھا کہ بیٹھ کر دوائیاں کوٹیں گے۔والدہ ماجدہ کی یہ بات حضرت شہیدؒ کے دل کو

لگی اور حکمت کا کام چھوڑ کر دین متین کی درس وتدریس اور تبلیغ واشاعت میں مشغول ہو گئے، اور کچھ ہی عرصہ بعد کراچی چلے گئے۔

امامت وخطابت کا سفر:

طب یونانی چھوڑنے کے کچھ عرصہ بعد سیدھے حضرت بنوری رحمہ اللہ کی خدمت میں کراچی تشریف لے گئے اور حضرت ہی کے مشورے سے ملیر ٹنکی کی جامع مسجد رشیدیہ میں امامت وخطابت کا باقاعدہ آغاز کر دیا استاذ المحدثین شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''شہید اسلام حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب مرحوم خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد و مہتمم جامعہ فریدیہ اسلام آباد کے ساتھ احقر کا تعارف اس وقت سے ہے جب وہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں دورۂ حدیث کے طالب علم تھے اور احقر دار العلوم کراچی میں مدرس تھا، مولانا کبھی کبھی دار العلوم تشریف لاتے تھے اور محبت کے ساتھ احقر سے ملاقات کیا کرتے تھے۔ حضرت بنوریؒ نے ان کو ملیر ٹنکی کی جامع مسجد میں خطیب مقرر کر دیا، تو کئی مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ جب وہ وطن جاتے تھے تو احقر سے جمعہ پڑھانے کے لئے فرمایا کرتے تھے، احقر ان کی نیابت میں وہاں جا کر جمعہ پڑھاتا تھا، کبھی کبھی وہ اپنے گھریلو حالات کا بھی تفصیل سے ذکر فرمایا کرتے تھے''

کچھ عرصے کے بعد حضرت بنوری رحمہ اللہ کے ہی حکم سے آپ تین ہٹی کراچی کی جامع مسجد ''مبارک'' کے خطیب اور امام مقرر ہوئے، اس کے بعد اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد (لال مسجد) میں ایک ماہر خطیب اور امام کی ضرورت پڑی تو آپ کو بزرگوں نے

مرکزی جامع مسجد اسلام آباد کے لئے برائے امامت وخطابت بھیج دیا۔اس طرح حضرت شہیدؒ نے امامت وخطابت کا آغاز ملیر ٹنکی جامع مسجد رشیدیہ اور تین ہٹی کراچی کی مرکزی جامع مسجد مبارک سے کیا۔حضرت شہیدؒ کے ہم عصر اور رفیق خاص حضرت مولا مہر محمد میانوالی مدظلہ اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں ان دنوں ہم طلباء ایک عالم دین کا ذکر خیر بار بار سنتے تھے کہ تین ہٹی کراچی کی مرکزی جامع مسجد کے خطیب ومقرر حضرت مولانا محمد عبداللہ ڈیرہ غازی خانی ہیں جن کو حضرت بنوری رحمہ اللہ نے مرکزی جامع مسجد اسلام آباد کے لئے برائے خطابت وامامت بھیج دیا ہے، ہم سوچ رہے تھے کہ جس شخص پر حضرت بنوریؒ اعتماد کر کے اسلام آباد بھیج رہے ہیں وہ نوجوان قابل دید ہوگا اور ہمارے دل میں غائبانہ طور پر آپ کی عظمت وعقیدت قائم ہوگئی تھی کہ وہ حضرت بنوری رحمہ اللہ کے اتنے منظور نظر اور بااعتماد مقرر شعلہ بیان ہیں کہ کراچی شہر دار الحکومت سے کیا محروم ہوئی کہ اپنا حق شعار خطیب بھی اسلام آباد شہر کو دے بیٹھی ، دل میں خیال ومحبت جم گئی کہ اس نوجوان عالم ذیشان کی اللہ تعالیٰ کبھی تو زیارت کرائے گا''

حضرت شہید کے اساتذہ کرام:

حضرت شہیدؒ کو اللہ تعالیٰ نے اساتذہ کرام بھی ایسے عطا فرمائے تھے کہ سب کے سب اولیاء اللہ اور اپنے دور کے غزالی اور رازی تھے۔ان میں سے زیادہ معروف ہستی محدث عصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی تھی۔جو ہر فن میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے صاحب باطن، شیخ کامل بھی تھے۔حضرت شہیدؒ نے حضرت ممدوح کی خدمت

میں رہ کر بڑے فیوض و برکات حاصل کئے اور زیادہ تر علوم ظاہر یہ و باطنیہ انہیں سے حاصل کئے ،کبھی کبھار حضرت شہیدؒ ان کے اقوال واحوال لطف لے لے کر بیان فرماتے تھے ، حضرت شہیدؒ کے دیگر اساتذہ بھی جن سے آپ نے استفادہ کیا یگانہ ٔروزگار تھے ، ہر ایک اپنے فن میں نہایت جیداور ماہر تھا ،آپ کے اساتذہ کرام میں درج ذیل ہستیاں قابل ذکر ہیں ،جن کا شاگرد ہونے پر کوئی بھی شخص بجا طور پر فخر محسوس کرسکتا ہے اوران کے ساتھ ایک ساعت صحبت بھی انسان کے اندران گنت خوبیوں کے نقوش چھوڑ جاتی ہیں ،کسی عارف کا قول ہے: ؎

یک زمانے صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء

(۱) محدث عصر حضرت علامہ مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ جن کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے ۔

(۲) شیخ الکل حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہی رحمہ اللہ ۔

(۳) استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ سابق وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد وامیر جمعیت علمائے اسلام ۔

(۴) حضرت مولانا سید مصباح اللہ شاہ صاحب رحمہ اللہ استاد جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۔

(۵) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ مہتمم جامعہ قاسم العلوم ملتان ۔

(۶) حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب رحمہ اللہ کراچی ۔

(۷) حضرت مولانا محمد عثمان صاحب رحمہ اللہ فاضل دارالعلوم دیوبند، جامعہ خدام القرآن رحیم یارخان (یہ حضرت کے ابتدائی اساتذہ میں سے تھے)

(۸) حضرت مولانا عبدالغفور صاحب جامعہ خدام القرآن رحیم یارخان ۔

(۹) حضرت مولانا لطف اللہ صاحب رحمہ اللہ ۔

(۱۰) حضرت مولانا نور محمد صاحب رحمہ اللہ ۔

(۱۱) حضرت مولانا فضل محمد صاحب سواتی جو جامعہ مظہر العلوم مینگورہ سوات صوبہ سرحد کے مہتمم، جلیل القدر عالم دین اور پاکستان میں جانی پہچانی شخصیت ہیں، اور جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی کے سابق ممتاز اساتذہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا، عربی لغت میں خصوصی مہارت رکھتے تھے اور فی البدیہہ اشعار کہتے تھے، ان کو حضرت شہیدؒ سے بڑی محبت تھی ۔حضرت خود ہی فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ میری تعریف وتوصیف میں انہوں نے عربی زبان میں ایک قصیدہ لکھا اور بذریعہ خط میری طرف بھیجا، میں نے جواب میں عرض کیا کہ حضرت! میں اس قابل کہاں ہوں کہ میری اس طرح تعریف کی جائے تو اس کے جواب میں حضرت نے ایک اور پُر درد قصیدہ لکھ کر بھیجا جس میں میری تعریف ہی تعریف تھی، پھر حضرت شہیدؒ نے فرمایا کہ میں اس لائق تو نہیں ہوں البتہ میرے اساتذہ کا میرے بارے میں اتنا حسن ظن میرے لئے نیک شگون ہے۔

حضرت شہید کا اپنے اساتذہ کے ساتھ تعلق عشق اور جنون کی حد تک تھا۔اسی تعلق اور عشق کا اثر تھا کہ حضرت شہید رحمہ اللہ نے امامت وخطابت، درس وتدریس اور حق گوئی میں ان کا نام روشن کیا اور آخر دم تک ان کے نقش قدم پر چلتے رہے حضرت شہیدؒ پر بھی ان کی توجہ اور عنایات اس قدر تھیں کہ شاید ہی کسی اور شاگرد کے حصے میں آئی ہوں۔فراست، ذہانت، مردم شناسی اور ضبط وتحمل جیسے اوصاف اللہ تعالیٰ نے جیسے اساتذہ کو عطا فرمائے تھے، انہیں کے قریب قریب حضرت شہید رحمہ اللہ کے اندر بھی موجود تھے۔

باب سوم

دینی، مذہبی اور سماجی خدمات

؎ تلخابۂ غم کے چکھنے والے کم ہیں
اپنی جرأت پرکھنے والے کم ہیں
پھولوں کیلیئے ہاتھ بڑھاتے ہیں سبھی
کانٹوں پر پاؤں رکھنے والے کم ہیں

دینی، مذہبی اور سماجی خدمات

ے اے خدا ایں سلسلہ قائم بدار
فیض او جاری بود لیل ونہار

اسلام آباد آمد:

جب پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد کو ابھی آباد کیا جا رہا تھا، اسلام آباد کے سیکٹر جی سکس فور میں اس وقت اسلام آباد کی سب سے بڑی مرکزی جامع مسجد کی بنیاد رکھی جا رہی تھی۔ یہ سیکٹر راولپنڈی اور اسلام آباد دونوں شہروں کے لئے ہر لحاظ سے مناسب اور ایک مرکزی جگہ پر واقع تھا اور مرکزی جامع مسجد کے لئے انتہائی موزوں تھا ،اس کے آس پاس تقریباً ہر نوع کا طبقہ آباد تھا، دنیا کے اس اہم شہر کی مرکزی جامع مسجد میں حق وصداقت کی ترجمانی، نمائندگی اور دین عالی کی تعلیم وتعلم ،دعوت وتبلیغ اور نشر واشاعت کا فریضہ انجام دینے کے لئے ایک مرد جری کی ضرورت تھی۔اس اہم کام کے لئے ادارہ عالیہ تنظیم المساجد جس کو علاقے کے بزرگوں نے مساجد اور مدارس کے قیام کے لئے عمل میں لایا تھا اس ادارے کے بزرگوں نے خاص طور پر حضرت حاجی اختر حسن صاحب دامت برکاتہم ،حضرت حافظ محمد یونس صاحب رحمہ اللہ (جو حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب دامت برکاتہم کے سسر بھی تھے) اور دیگر بزرگوں نے نابغۂ روزگار محدث حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی خدمت میں عریضہ لکھا اور ان کے سامنے یہ تقاضا رکھا کہ ہمیں اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد کے لئے ایک جید عالم دین جو اعلیٰ درجے کا خطیب بھی ہو، درکار ہے ان کی اس گزارش پر حضرت بنوری رحمہ اللہ نے حامی بھرلی اور اس منصب کے لئے کسی موزوں عالم دین کی تلاش شروع کردی بالآخر ان کی نظر اپنے اس لائق شاگرد رشید اور مردِ درویش پر آ ٹھہری، حسن انتخاب عجیب تھا ان کی دور اندیشی اور دور بینی لاجواب تھی ان کا اندازہ درست تھا، حضرت شہید رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کا نور پھیلانے اور اپنے دین

کی نشر واشاعت کے لئے قبول فرمالیا تھا جس کا اندازہ ان کی زندگی سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس میں دین متین کا ہر ہر پہلو روز روشن کی طرح عیاں تھا، اس زمانے میں حضرت شہیدؒ تین ہٹی کراچی کی ایک مسجد میں امام اور خطیب کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے تھے، محدث عصر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے ان کو بلا کر اسلام آباد جانے کا حکم دیا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

''اسلام آباد کا نیا شہر تعمیر ہو رہا تھا اور دارالحکومت کو کراچی سے وہاں منتقل کیا جا رہا تھا۔ اسلام آباد کے اس نئے شہر میں اس وقت جو سب سے بڑی مسجد تعمیر ہوئی اس کا نام ''مرکزی جامع مسجد'' تھا۔ حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب شہید رحمہ اللہ اپنے اساتذہ کرام کے مشورے سے اس مسجد کے امام وخطیب مقرر ہوئے اور یہ مسجد ان کے فیض رسانی کا مرکز قرار پائی''

چنانچہ ان اکابرین کے حکم سے آپ نے اپنی مختصر سی فیملی کے ساتھ اسلام آباد کی طرف ہجرت کی ۱۹۶۶ء میں جب آپ اسلام آباد پہنچے تو سب سے پہلے علاقے کی معروف دینی شخصیت حضرت اختر حسن صاحب دامت برکاتہم کے پاس آ کر ٹھہرے جس کے بعد آپ کو اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد کی امامت وخطابت کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ حضرت شہیدؒ کے پرانے ساتھی، ممتاز عالم دین اور تاریخ مدینہ کے مصنف حضرت مولانا محمد عبدالمعبود صاحب مدظلہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ:

''جب حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے اپنے معتمدِ خاص اور شاگرد رشید حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ کو امامت اور خطابت کیلئے کراچی سے اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد بھیج دیا تو جامعہ فرقانیہ راولپنڈی کے مہتمم حضرت مولانا عبدالحکیم

صاحبؒ نے جامعہ فرقانیہ میں حضرت شہیدؒ کے بارے میں ایک تعارفی تقریب کا اہتمام کیا جس میں راولپنڈی اور اسلام آباد کے تقریباً جید علماء کرام کو مدعو کیا گیا اور حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ نے مہمان خصوصی کے طور پر قدم رنجہ فرمایا۔ علماء کرام کا مجمع تھا۔ خالص علماء کرام کے مجمع کے سامنے خطاب کرنا کارِے دارد، لیکن حضرت مولانا محمد عبداللہ شہید نے بڑی متانت اور سلاست سے تقریر کی؟ ہر بات بات پر قرآن واحادیث سے استشہاد واستدلال، مولانا پورے مجمع پر چھا گئے اور احادیث شریفہ کی خوشبو کی مہک نے محفل کو زعفران زار بنادیا اور تمام علماء کرام نے زبردست خراج تحسین پیش کیا اس طرح حضرت مولانا کی علمی دھاک علماء کرام کے دلوں میں بیٹھ گئی اور وہ ہر دلعزیز خطیب قرار پائے۔ راولپنڈی اور اسلام آباد کی اکثر مساجد میں درس قرآن اور تقاریر کیلئے حضرت مولانا کو بڑے اہتمام کے ساتھ بلایا جانے لگا پھر دنیا نے وہ وقت دیکھا کہ اسلام آباد میں مرکزی جامع مسجد (لال مسجد) اور راولپنڈی میں تعلیم القرآن ہر ایک تحریک کا مرکز بن گئے اور پورے ملک میں تحاریک کی کمان کرنے لگے"

اللہ تعالیٰ نے حضرت شہید رحمہ اللہ کے لئے ایسی جگہ کا انتخاب فرمایا جو ہر لحاظ سے حضرت کے لئے موزوں تھی آپ کے جذبۂ محنت اور جذبۂ خدمت انسانیت کے مطابق قدرت کی طرف سے ایک وسیع میدان میسر آ گیا تھا، اللہ تعالیٰ کی مدد اور برگزیدہ ہستیوں کی دعاء، توجہ اور نظر التفات بھی شامل حال تھی یہاں آ کر آپ نے دعوت وتبلیغ اور اصلاح خلق

کا عظیم کارنامہ انجام دیا یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے اس پاکباز بندے سے رشد وہدایت کا وہ عظیم کام لیا جس کا صرف تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔ یوں امامت وخطابت کا یہ سفر جامع مسجد تین ہٹی کراچی سے شروع ہو کر اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد پر آ کر اختتام کو پہنچا۔

جامعہ فریدیہ کی ابتداء:

اسلام آباد میں چونکہ ملک کے کونے کونے سے لوگ آ کر مسلسل آباد ہو رہے تھے یہاں آ کر بسنے والے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے ادارہ عالیہ تنظیم المساجد کے بزرگوں خاص طور پر حاجی اختر حسن صاحب، حضرت مولانا محمد عبداللہ شہید رحمہ اللہ اور دیگر احباب نے اس طرف بھرپور توجہ دی چونکہ اسلام آباد ایک نئے طرز کا شہر تھا ملک کے اطراف واکناف سے آنے والے اپنے اپنے رواج ورسومات کے ساتھ مختلف مزاج کے لوگ تھے ایسے حالات میں کسی دینی مرکز کا قیام انتہائی ضروری تھا اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان بزرگوں نے ۱۹۶۶ء میں اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد میں ایک دینی مدرسہ کا اجراء کر دیا جس میں اس وقت طلباء کی تعداد تقریباً ۲۰ سے ۲۵ تک تھی، ظاہری اسباب کی کم یابی کے باوجود اس ادارے نے انتہائی تیز رفتاری سے ترقی کی منازل طے کرنا شروع کر دیں اور کچھ ہی عرصے کے بعد جب طلباء کی کثرت ہوئی اور مرکزی جامع مسجد اور اس کے حجروں میں درس وتدریس اور طلباء کے قیام کی گنجائش دشوار ہوگئی تو طلباء کے قیام اور دوسری ضروریات کے پیش نظر سیکٹر ایف سکس، ٹو اسلام آباد میں ایک کشادہ فلیٹ حکومت سے حاصل کر لیا اور اکثر طلباء کو وہاں پر منتقل کر دیا گیا، وہاں پر درجۂ حفظ کی کلاسوں کے ساتھ ساتھ درس نظامی کا ابتدائی شعبہ بھی قائم کر کے اس مدرسہ کو ''مدرسہ عربیہ اسلامیہ'' کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد یہاں پر بھی جگہ کی تنگی کی وجہ سے کافی مشکلات پیش آنے لگیں تو ادارہ عالیہ تنظیم المساجد کے بزرگوں ہی کی کوششوں اور تعاون سے مارگلہ کی پہاڑیوں کے دامن میں سیکٹر ای سیون کے بالکل متصل درختوں کے جھنڈ میں ایک وسیع جگہ حاصل کی گئی جس کا پرفضا، صاف ستھرا اور خاموش ماحول مدرسہ کی تعلیم اور مطالعہ وغیرہ کے

لئے انتہائی موزوں تھا، اس جگہ ایک پرانی مسجد بھی تھی چنانچہ محدث عصر حضرت بنوری رحمہ اللہ کی دعا اور افتتاح سے اس مسجد کے متصل ہی مدرسہ کی تعمیر کا کام شروع کیا گیا اور کام بڑی تیز رفتاری سے ماہر کاریگروں کی نگرانی میں نقشہ کے مطابق مسلسل جاری رہا یہاں تک کہ ۱۹۸۴ء میں موجودہ سبزہ زاروالے بالائی احاطے میں چاروں اطراف سے ایک ایک منزل کا کام مکمل ہو گیا اور یوں دامنِ کوہ کے قریب ہرے بھرے درختوں کے جھنڈ میں ایک عظیم الشان خوبصورت اور دلکش عمارت تیار ہو گئی جو کشادہ کمروں، بڑی مسجد، خوبصورت سبزہ زار اور باغیچوں پر مشتمل تھی جب بقدرِ ضرورت جدید عمارت مکمل ہو گئی تو پورے مدرسے کو یہاں منتقل کر دیا گیا اور مدرسہ کو ''جامعۃ العلوم الاسلامیہ الفریدیہ'' کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ بزرگوں کی دعائیں اور بانیوں کے بے پناہ اخلاص اور حسن نیت کا نتیجہ ہے کہ زمانے کے نشیب وفراز سے گزرتے ہوئے یہ مختصر سا مدرسہ آج عظیم الشان ادارے کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ ملک کے اطراف واکناف سے طلباء کرام علوم دین حاصل کرنے کیلئے جوق در جوق اس طرف آنا شروع ہوئے اور آج نو ہزار سے زیادہ طلباء اور طالبات علوم دین سے سیراب ہو رہے ہیں جس گلشن کی آبیاری انہوں نے اپنے جگر کا خون دیکر کی تھی آج وہ ایک مثالی اور مشہور ومعروف ادارہ بن کر دنیائے اسلام کے بڑے دینی اداروں کی صف میں شامل ہو چکا ہے۔ اللہ کرے حضرت شہید رحمہ اللہ کے لگائے ہوئے یہ گلشن شاد وآباد رہیں اور طالبان علوم دین کے قافلے اس کا رخ کرتے رہیں اور مخیّر حضرات اور دیگر محبین اس ادارے کے ساتھ دامے، درمے قدمے سخنے ہر طرح سے تعاون وتعلق بڑھاتے رہیں۔ (آمین)

جامعہ میں جدید تعلیم:

اس وقت جامعہ میں درس نظامی کے علاوہ طلباء کو جدید تعلیم سے روشناس کرانے اور اس میں مہارت پیدا کرنے کے لئے کمپیوٹر کی تعلیم بھی دی جاتی ہے جس کے لئے باقاعدہ نظام الاوقات مقرر ہے۔ حضرت شہید کے چھوٹے فرزند علامہ عبدالرشید غازی صاحب اس شعبہ

کے انچارج ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی صلاحیتیں دی ہیں۔انہوں نے قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے فرسٹ ڈویژن میں ایم،اے تک تعلیم بھی حاصل کی ہے کمپیوٹر کی تعلیم میں خوب مہارت رکھتے ہیں اور انتہائی مشفقانہ انداز میں طلباء کرام کو کمپیوٹر کی تعلیم دیتے ہیں مستقبل میں اس شعبہ کو مزید وسعت دینے کا پروگرام بھی جامعہ کے مقاصد میں شامل ہے اللہ تعالیٰ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اسباب مہیا فرمائے۔(آمین)

جامعہ کا ماہانہ خرچہ:

واضح رہے کہ جامعہ اور اس کے تمام ذیلی اداروں میں طلباء اور طالبات سے کسی قسم کی کوئی فیس نہیں لی جاتی۔تمام طلباء اور طالبات کو مفت تعلیم دی جاتی ہے ان سب کا قیام وطعام اور دیگر ضروریات جامعہ ہی کی طرف سے مہیا کی جاتی ہیں اس لئے جامعہ کا ماہانہ خرچہ اس وقت ایک محتاط اندازے کے مطابق ایک کروڑ روپے تک ہے، جبکہ جامعہ کا کوئی مستقل ذریعہ آمدنی بھی نہیں یہ تمام خرچے محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اور پھر مخیّر حضرات کے تعاون سے پورے کئے جاتے ہیں۔

جامعہ کی شاخیں:

اس وقت جامعہ کی سرپرستی میں متعدد ادارے مختلف شہروں اور قصبات میں قائم ہیں جو شب وروز دینی خدمات میں مشغول ہیں ان میں سے چند بڑے ادارے درج ذیل ہیں۔

جامعہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا للبنات اور جامعہ کی دیگر شاخیں

جامعہ سیدہ حفصہؓ للبنات مرکزی جامع مسجد اسلام آباد سے متصل حضرت شہید رحمہ اللہ کے دور ہی میں قائم ہوا تھا اس زمانے میں تین یا چار کمروں پر مشتمل ایک مختصر سی عمارت تھی جس میں صرف غیر رہائشی طالبات زیر تعلیم تھیں جن کی تعداد سو سے زائد نہ تھی جب کہ اس وقت جامعہ حفصہؓ میں تقریباً ساڑھے تین ہزار اور دیگر شاخوں سمیت تقریباً پانچ

ہزار سے زائد طالبات زیرتعلیم ہیں، پورے عالم اسلام میں بچیوں کا شاید ہی ایسا کوئی مدرسہ ہو جس میں اتنی کثیر تعداد میں رہائشی بچیاں زیرتعلیم ہوں، یہ سب حضرت شہید رحمہ اللہ کی حسن نیت اوراخلاص کی برکت ہے،تقریباً ۲۲ کنال اراضی میں پچاس سے زائد کمروں پر مشتمل ایک عظیم الشان وسیع عمارت بن چکی ہے۔تعمیر کا کام اب تک مسلسل جاری ہے مکمل ہو جانے کے بعد تقریباً آٹھ ہزار سے زائد رہائشی طالبات کی گنجائش ہوسکتی ہے اس کے علاوہ اس وقت جامعہ کی متعدد شاخیں ہیں جن میں سینکڑوں طلباء اور طالبات زیرتعلیم ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور بانی کے بے پناہ اخلاص کی برکت سے روز افزوں ترقی اور کامیابی کی شاہراہ پر مسلسل گامزن ہیں !اس وقت درج ذیل شاخیں جامعہ کی زیرنگرانی میں مصروف عمل ہیں۔

(۱)جامعہ سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا الفلاح مسجد اسلام آباد (۲)مدرسہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھارا کہواسلام آباد (۳)مدرسہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بھارا کہو اسلام آباد (۴)مدرسہ سیدہ فاطمۃ الزہراءرضی اللہ عنہا آئی نائن اسلام آباد(۵)مدرسہ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا چک شہزاد اسلام آباد(۶)مدرسہ سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ بھارا کہواسلام آباد (۷)مدرسہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مرکزی مسجد اسلام آباد(۸)مدرسہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نبی گالہ اسلام آباد(۹)مدرسہ سیدنا عثمانؓ دیر بالا صوبہ سرحد(۱۰)مدرسہ عبداللہ بن غازیؒ روجھان ضلع راجن پور(۱۱) مدرسہ رحمۃ للعالمین ﷺ پی ڈبلیوڈی کالونی، اسلام آباد۔(۱۲) مدرسہ سیدنا علی المرتضیٰؓ، روجھان، راجن پور۔ (۱۳)مدرسہ سیدنا عمرؓ ایف الیون اسلام آباد۔

اسلام آباد کی دیگر مساجد اور مدارس:

اسلام آباد چونکہ صدر ایوب خان کے دورصدارت میں آباد ہونا شروع ہوا تھا، اور روز بروز اس کی آبادی بڑھتی جا رہی تھی اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے نئے سیکٹر آباد ہو رہے ہیں، دنیا کا یہ خوبصورت شہر شروع ہی سے ایک منصوبے اور نقشے کے تحت بنتا آ رہا ہے شہر کی سڑکیں، مارکیٹیں، دفاتر اور مساجد حکومت کی طرف سے باقاعدہ ایک منظور شدہ نقشے

کے مطابق بنائے جاتے ہیں ہر سیکٹر میں تقریباً تین سے چار تک مساجد کیلئے جگہ متعین کی جاتی ہے جن میں سے ایک اس سیکٹر کی مرکزی جامع مسجد ہوتی ہے جس کے لئے ایک وسیع رقبہ مختص ہوتا ہے ان تمام مساجد میں صحیح العقیدہ باعمل اور اسلام سے لگاؤ رکھنے والے علماء کرام کا تعین کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے، تاکہ وہ مسلمانوں کو زندگی گزارنے کے صحیح اسلامی طرز سے آشنا کرا سکیں اور ان مساجد میں ایسے علماء کرام کو امامت وخطابت کے فرائض سونپ دئے جائیں جو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں کی صحیح راہنمائی کر سکیں، دین اسلام اور مسلمانوں کے درمیان جو علمی اور عملی دوری پیدا ہو چکی ہے اس کو دور کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہوں اس مقصد کے لئے آپ نے جو لائحہ عمل تیار کیا تھا اس پر عمل کرنے کی وجہ سے آج اسلام آباد کی اکثر مساجد میں ایسے ہی صحیح العقیدہ باعمل علماء دین موجود ہیں جو دین عالی کی نشر واشاعت میں مگن ہیں چنانچہ اس نئے آباد ہونے والے شہر میں اسلام کی جڑوں کو مضبوط کرنے کے لئے یہ انتہائی ضروری کام حضرت شہید رحمہ اللہ کی دن رات کی کوششوں اور ایک مضبوط وکامیاب لائحہ عمل کا نتیجہ ہے، بقول شاعر ؎

یہ انہی کی رات دن کی محنتوں کا ہے صلہ
آج بھی قائم ہے دین الٰہی کا یہ سلسلہ

حضرت شہید رحمہ اللہ اپنے اس مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ''تنظیم المساجد'' میں شامل ہو گئے۔ جو آپ کے اسلام آباد میں تشریف لانے سے پہلے علاقے کے چند بزرگوں کی کاوشوں سے قائم ہو چکی تھی۔ اس تنظیم میں حضرت کی شمولیت کے بعد اسلام آباد اور راولپنڈی کے جید علمائے کرام بھی اس میں شامل ہو گئے۔ جو تنظیم کے ماتحت کام کرتے تھے۔ جیسے ہی حضرت کے علم میں یہ بات آتی کہ فلاں سیکٹر میں مسجد کے لئے جگہ متعین کی گئی ہے حضرت شہیدؒ کسی باعمل عالم دین کو اس جگہ متعین فرما دیتے تھے اور فرماتے کہ محنت کر کے خود ہی لوگوں سے مل جل کر اس مسجد کو تعمیر کرنا تمہارے ذمّہ ہے۔ ساتھ ہی ساتھ تنظیم المساجد بھی اس کام سے تعاون کرتی، اور بقدر استطاعت مالی تعاون بھی، اور ایک

عرصہ تک اس کی تنخواہ وغیرہ کا انتظام بھی کر دیتی تھی۔

ایک محنت کش کسان جب خون پسینہ ایک کر کے اپنی بنجر زمین کو آباد کر دیتا ہے اور اس میں کھیتی لگا دیتا ہے تو وہ وقت اس کیلئے انتہائی مسرت اور خوشی کا ہوتا ہے۔ جب وہ اپنی کھیتی کو لہلہاتے ہوئے دیکھتا ہے۔ حضرت شہیدؒ بھی اسلام آباد کی اس بنجر زمین کو آباد کر کے اپنی آنکھوں سے اس لہلہاتے ہوئے اسلامی چمن کو دیکھ کر کس قدر خوش ہوتے ہوں گے؟ واقعی اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے اسی طرح اس بنجر دنیا کو اپنے لئے آخرت کی کھیتی بنا لیتے ہیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ کا یہی مطلب ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" الدنیا مزرعة الآخرة "

یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ جو چیز بھی یہاں بوئی جائے گی اسی کے مطابق آخرت میں پھل ملے گا۔

حضرت شہیدؒ ہی کی محنت کا ثمرہ ہے کہ آج اسلام آباد میں اکثر مساجد میں صحیح العقیدہ باعمل علمائے کرام امام ہیں جو لوگوں کو توحید ورسالت کا درس دینے، اتفاق واتحاد، یکجہتی، رواداری اور دین متین کی نشر واشاعت میں مشغول ہیں۔ آج بھی آپ اسلام آباد کے کسی بھی سیکٹر میں چلے جائیں صحیح العقیدہ امام اور خطیب ضرور ملے گا۔

بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
رنگِ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

مساجد کے علاوہ آپ نے متعدد دینی مدارس کی بنیادیں بھی رکھیں جن میں جامعہ فریدیہ، جامعہ محمدیہ اور جامعہ سیدہ حفصہؓ سرفہرست ہیں، جو اسلام آباد اور راولپنڈی ہی نہیں بلکہ پورے ملک کے بڑے مدارس کی صف میں شمار ہوتے ہیں۔

ایک مسجد سے سینکڑوں مسجدیں:

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ حصرت مولانا شہیدؒ جب اسلام آباد تشریف لائے تو

اسلام آباد میں ادارہ عالیہ تنظیم المساجد کے نام سے ایک تنظیم قائم تھی جس میں جناب اختر حسن صاحب دامت برکاتہ اور حافظ یونس صاحب رحمہ اللہ پیش پیش تھے، یہاں آ کر آپ بھی اس تنظیم میں شامل ہوگئے، اس زمانہ میں اسلام آباد میں مرکزی جامع مسجد کے علاوہ باقاعدہ طور پر کوئی بڑی مسجد نہیں تھی چونکہ اسلام آباد ابھی تعمیر ہو رہا تھا اور منصوبے کے تحت ہر سیکٹر میں تین سے چار تک مساجد کی جگہ متعین تھی ان مساجد میں ایسے علماء کرام کا تقرر کرنا جو مسلک اہلسنت والجماعت سے لوگوں کو متعارف کرا سکیں تنظیم کے مقاصد میں شامل تھا۔ الحمدللہ! آج اسلام آباد میں سینکڑوں مسجدیں ہیں اور ان میں صحیح العقیدہ ائمہ اور خطباء متعین ہیں، یہ سب حضرت شہیدؒ اور تنظیم المساجد کے دوسرے بزرگوں کے اخلاص، للّٰہیت اور کاوشوں کا نتیجہ ہے اس مقصد کے لئے مرکزی جامع مسجد اور دیگر مساجد میں ادارہ عالیہ تنظیم المساجد کے اجلاس باقاعدگی کے ساتھ ہوتے تھے۔ سیاسی اور مذہبی خدمات کے علاوہ حضرت شہیدؒ کی ان منظّم کوششوں پر آج اسلام آباد اور راولپنڈی کا چپہ چپہ گواہی دے رہا ہے، مشتے از خروارے۔

(۱)...... جامعہ محمد یہ ایف سکس فور جائنہ چوک اسلام آباد کے مہتمم حضرت مولانا ظہور احمد علوی صاحب دامت برکاتہ نے احقر مؤلف سے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ ۱۹۸۸ء میں سیکٹر ایف سکس فور میں جامع مسجد امدادیہ کی موجودہ جگہ پر کوشش بسیار کے بعد جامع مسجد امدادیہ کے نام سے مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس زمانہ میں جامعہ فریدیہ اپنے ابتدائی دور سے گزر رہی تھی، حسب سابق مذکورہ سال بھی جامعہ فریدیہ میں طلباء کے داخلے ہوئے لیکن بعد میں جب طلباء کو درس گاہ میں بٹھانے کا وقت آیا تو معلوم ہوا کہ طلباء گنجائش سے زیادہ داخل کئے گئے ہیں، اب داخل کئے گئے طلباء کو جامعہ سے خارج کرنا بھی مناسب نہیں تھا، اس لئے حضرت مولانا شہید رحمہ اللہ اس سلسلے میں میرے پاس آ گئے اور فرمایا کہ اس سال جامعہ فریدیہ میں طلباء کی تعداد حد سے زیادہ ہوگئی ہے اس لئے مناسب ہوگا کہ کچھ طلباء جامع مسجد امدادیہ میں منتقل کر دیئے جائیں جن کا خورد ونوش، نگرانی اور اساتذہ کی تنخواہوں کا

انتظام جامعہ فریدیہ کی طرف سے ہوگا۔اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ چونکہ مسجد کے ساتھ دو کمرے موجود تھے اس لئے اس پر میں نے خوشی کا اظہار کیا چنانچہ درجہ حفظ کی دو کلاسیں جامعہ فریدیہ سے جامع مسجد امدادیہ منتقل کر دی گئیں۔

چند مہینے بعد جامعہ فریدیہ سے کچھ طلباء مدرسہ چھوڑ کر چلے گئے جیسا کہ مدارس دینیہ میں ہوتا ہے عام طور پر بقرہ عید کے بعد کچھ طلباء چلے جاتے ہیں اس طرح جب جامعہ فریدیہ میں رہائش کی گنجائش نکل آئی تو ایک دفعہ حضرت شہید رحمہ اللہ پھر میرے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ اس وقت چونکہ جامعہ میں رہائش کی گنجائش نکل آئی ہے اس لئے اب میری رائے یہ ہے کہ یہ طلباء بھی وہاں منتقل کر دے جائیں کیونکہ جامع مسجد امدادیہ میں طلباء کی نگرانی اور ان کے لئے روزانہ خورد ونوش کا انتظام کرنا ہمارے لئے قدرے مشکل ہورہا ہے لیکن میں نے عرض کیا اور بار باراس خواہش کا اظہار کیا کہ حضرت ہماری مسجد کے ساتھ بھی قرآن پاک کی صدائیں گونجنا شروع ہوگئی ہیں جو ہمارے لئے باعث برکت ورحمت اور باعث رونق ہیں طلباء کے واپس چلے جانے سے ہم اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہوجائیں گے اس پر حضرت نے فرمایا کہ آپ خود ہی یہاں ایک مدرسہ قائم کر دیں اور اس کا نظام بھی خود ہی سنبھال لیں۔ہم ان طلبہ کو یہیں رہنے دیتے ہیں اور آپ سے بھرپور تعاون بھی کرینگے آپ فکر نہ کریں مدارس کو تو اللہ تعالیٰ خود ہی چلاتے ہیں۔میں نے یہ عذر پیش کیا کہ حضرت آپ کے ساتھ میرا گہرا تعلق ہے اگر مدرسہ قائم کرینگے تو شاید اس کے نتیجے میں یہ تأثر جنم لے کہ ان کا آپس میں اختلاف ہوگیا ہے جس کی وجہ سے جامعہ فریدیہ کے ہوتے ہوئے ان کو ایک اور مدرسہ قائم کرنے کی ضرورت پیش آگئی جواب میں حضرت نے فرمایا کہ چلو میں خود ہی آپ کی مسجد میں مدرسے کے قیام کا اعلان کرتا ہوں اور اس خدشہ کو بھی ختم کر دیتا ہوں۔چنانچہ حضرت نے کسی نماز کے بعد مسجد میں نمازیوں سے مخاطب ہوکر فرمایا ''کہ مدارس دینیہ کی ہر جگہ ضرورت ہے اس لئے گلی گلی مدارس ہونے چاہئیں۔اس مسجد میں بھی ایک دینی مدرسے کا قیام نہایت ضروری ہے لیکن حضرت مولانا

ظہور احمد علوی صاحب کو یہ عذر ہے کہ اسباب کی کمی ہے۔اس کے لئے فی الحال مدرسہ قائم کرنے کی گنجائش نہیں ہے اس سلسلے میں آپ حضرات کی خدمت میں میری گذارش ہے کہ آپ ان سے بھرپور تعاون فرمائیں''اس طرح جامعہ فریدیہ سے عارضی طور پر آئے ہوئے ساٹھ ستر طلباء بھی جامع مسجد امدادیہ میں مستقل طور پر رہائش پذیر ہوگئے اور جامعہ محمدیہ کی بنیاد اور داغ بیل بھی حضرت شہید رحمہ اللہ کے ہاتھوں اس طرح ہوئی جو ان کے کمال اخلاص اور قبولیت کی واضح دلیل ہے ۔حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ کسی مدرسہ کے مہتمم کے اخلاص اور کام کی قبولیت کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی اور مدرسہ قرب وجوار میں قائم ہوجائے تو اس مدرسہ کے مہتمم صاحب کو دوسرے مدرسہ کے قیام پر بھی خوشی ہو آج جامعہ محمدیہ اور اس کی ذیلی سات شاخوں میں ہزاروں طلباء وطالبات زیر تعلیم ہیں یہ سب حضرت شہید رحمہ اللہ کی بے پناہ اخلاص، تدین اور للّٰہیت کا نتیجہ ہے اور ان کے لئے بہترین صدقہ جاریہ بھی ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

(۲)...... حضرت مولانا ظہور احمد علوی صاحب دامت برکاتہم بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت شہیدؒ ایک گاڑی میں بیٹھ کر نیول کالونی اسلام آباد سے گزر رہے تھے میں بھی ساتھ تھا ہمیں وہاں سڑک کے قریب صف کا ایک ٹکڑا بچھا ہوا نظر آیا، جس پر ایک قاری صاحب چند بچوں کو قرآن کریم پڑھا رہے تھے حضرت مولانا نے دیکھ کر گاڑی رکوادی اور قاری صاحب سے پوچھا کہ یہ جگہ مسجد کے لئے مختص ہے یا ویسے عارضی طور پر صفیں بچھا دی گئی ہیں؟ انہوں نے کہا کہ باقاعدہ مسجد کے لئے خاص نہیں عارضی طور پر لوگ نمازیں پڑھتے ہیں، اتنے میں نیول کالونی کے کچھ ملازمین بھی حضرت کے اردگرد جمع ہوگئے ۔ حضرت نے ان سے پوچھا کہ آپ حضرات نمازیں کہاں پڑھتے ہیں وہ کہنے لگے کہ فیصل مسجد میں پڑھتے ہیں لیکن وہ دور ہے اس لئے اکثر نمازیں اپنے گھروں ہی میں پڑھ لیتے ہیں، چنانچہ حضرت نے اسی وقت لوگوں کے ساتھ مشورہ کرکے چیف آف نیول اسٹاف کے

نام ایک درخواست لکھوائی اور فرمایا کہ آپ حضرات اس درخواست پر اپنے اپنے دستخط کر کے چیف آف نیول اسٹاف کے دفتر تک پہنچا دیں۔ آگے کارروائی میں کروں گا، چند دنوں کے بعد حضرت شہیدؒ اس وقت کے چیف آف نیول اسٹاف ایڈمرل محمد شریف صاحب کے دفتر میں گئے تو دیکھا کہ ان لوگوں کی درخواست ان کے سامنے میز کے اوپر رکھی ہوئی ہے۔ چنانچہ ان سے مسجد کے متعلق بات چیت کر کے اسی وقت وہ درخواست منظور کروالی، اور نیول کالونی اسلام آباد میں جامع مسجد سیدنا امیر حمزہؓ کے نام سے ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کروادی۔

(۳)...... حضرت مولانا ظہور احمد علویؔ صاحب مدظلہٗ بیان فرماتے ہیں کہ سن ۱۹۷۵ء میں جب اسلام آباد پوری طرح آباد نہیں ہوا تھا صرف مرکزی مسجد کے ارد گرد تھوڑی سی آبادی تھی، ایف ایٹ ٹو اسلام آباد کی جامع مسجد مجددیہ میں میرا تقرر ہوا، مسجد کے ساتھ بانیاں نام کا ایک گاؤں آباد تھا، مسجد بھی تھی جو کہیں کہیں سے شکستہ تھی، حضرت مولانا شہید نے مجھے ایک میگافون دیا تھا جو میں جمعہ کی تقریر میں استعمال کرتا تھا، حضرت شہیدؒ ہفتہ میں ایک بار پیدل چل کر میرے پاس تشریف لاتے میری خبر گیری کرتے اور لوگوں سے میرے اور مسجد کا حال احوال پوچھتے، اس طرح میری حوصلہ افزائی ہو جاتی اور مسجد کی تعمیر کے سلسلے میں بھی بھرپور تعاون فرماتے۔ چنانچہ حضرت ہی کی کوششوں سے ایف ایٹ ٹو اسلام آباد میں جامع مسجد مجددیہ کے نام سے آج ایک عظیم الشان مسجد قائم ہے۔

(۴)...... پولی کلینک ہسپتال کے قریب سڑک کے کنارے پر ایک چبوترہ سا بنا کر لوگ پنجگانہ نمازیں پڑھا کرتے تھے، کوئی مستقل امام تھا اور نہ باقاعدہ کوئی مسجد جب بارش ہو جاتی تو نمازیں بھی نہ ہوتیں جب حضرت شہیدؒ کو معلوم ہوا تو ہسپتال کے ایم ایس اور دیگر ڈاکٹروں سے مسجد کی تعمیر کے سلسلے میں بات کی تو انہوں نے خوشی کا اظہار فرمایا، چنانچہ حضرت شہید نے اس زمانے کے مذہبی امور اور سی ڈی اے کے متعلقہ حکام سے بات کر کے اس جگہ کو مسجد کے لئے منظور کروالیا، پھر وزیر صحت سے بات کر کے مسجد کے لئے فنڈ بھی منظور کروالیا، آج پولی کلینک ہسپتال سے متصل جامع مسجد الکوثر کے نام سے ایک مسجد

موجود ہے، یہ تو نمونہ کے طور پر چند مثالیں ہیں ورنہ اسلام آباد کی اکثر مساجد میں بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت شہیدؒ کی کاوشیں کسی نہ کسی طرح ضرور شامل ہیں جو حضرت شہید کیلئے بلاشبہ ایک بہت بڑا صدقہ جاریہ ہے۔

جامع مسجد عبداللہ شہیدؒ:

راقم الحروف نے راولپنڈی میں ''مسجد عبداللہ شہیدؒ '' نام سے ایک مسجد بنائی ہے تعمیر شروع کرنے سے پہلے ہمیں چندہ جمع کرنے کیلئے رسید بک چھاپنے کی ضرورت پڑی مگر مسجد کیلئے کسی موزوں نام پر اتفاق نہ ہوسکا اگلے دن مسجد تعمیر کرانے والے ایک ذمہ دار ساتھی قاضی محمد حنیف صاحب جو ہماری مسجد کمیٹی کے صدر بھی ہیں میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آج رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ مسجد کے سارے ذمہ دار ساتھی مل بیٹھے ہیں اور مسجد کیلئے کسی نام کے انتخاب پر آپس میں مشورہ کررہے ہیں اسی دوران آپ (راقم الحروف) کھڑے ہوگئے اور یہ مشورہ دیا کہ اس مسجد کا نام میرے استاد کے نام پر رکھیں ہم نے آپ سے پوچھا کہ ان کا نام کیا تھا تو آپ نے بتایا کہ ''عبداللہ شہیدؒ'' اور خواب کے اندر ہی ہم سب نے اس نام پر اتفاق کرلیا۔ چنانچہ یہ خواب سن کر تمام ساتھیوں نے مسجد کا نام ''عبداللہ شہید'' رکھنے پر اتفاق کرلیا۔

مدارس کے طلباء کے لئے کرایوں میں رعایت:

حضرت مولانا ظہور احمد علوی صاحب دامت برکاتہ نے احقر کو یہ واقعہ سنایا کہ ریل گاڑی کے کرایوں میں جس طرح اسکول اور کالج کے طلباء کے لئے رعایت ہے۔ شروع شروع میں دینی مدارس کے طلباء کے لئے یہ رعایت نہیں تھی اس وقت دینی مدارس کے طلباء کیلئے جو رعایت حاصل ہے یہ حضرت شہید رحمہ اللہ کی کوششوں کی وجہ سے ملی ہے۔ ہوا یوں کہ ایک دفعہ حضرت شہید رحمہ اللہ ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کے لئے چنیوٹ جارہے تھے۔ کانفرنس میں شرکت کرنے کے لئے پہلے حضرت شہید رحمہ اللہ فیصل آباد کے

قریب ایک گاؤں سالا روالا ریلوے اسٹیشن میں پیر صوفی برکت علی لدھیانوی صاحب آف سالا روالے سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔میں بھی ساتھ تھا اس زمانے میں ریلوے کے وزیر جناب حفیظ اللہ چیمہ ہوا کرتے تھے جو پیر صاحب کے خاص مریدوں میں سے تھے، چنانچہ ہم وہاں پہنچے اور پیر صاحب سے ملاقات ہوئی ملاقات کے دوران حضرت نے پیر صاحب کو درمندانہ طریقے سے سمجھایا اور فرمایا کہ آپ وزیر موصوف سے بات کر کے دینی مدارس کے طلباء کے لئے بھی ریل کے کرایوں میں رعایت کروادیں، میں چاہتا ہوں کہ اس کارخیر میں آپ بھی حصہ ڈالیں پیر صاحب نے مولانا کی بات بڑی توجہ سے سنی اور وعدہ کیا کہ میں ضرور وزیر موصوف سے بات کروں گا۔

اسلام آباد میں آ کر خود بھی وزیر ریلوے کے دفتر میں جا کر اس سلسلے میں بات کی چنانچہ اس کوشش کے نتیجے میں کچھ ہی عرصے کے بعد حکومت پاکستان کی طرف سے دینی مدارس کے طلباء کے لئے یہ رعایت مل گئی اور الحمدللہ آج تک مل رہی ہے لیکن بہت کم لوگوں کو اس بات کا علم ہے کہ یہ صرف حضرت مولانا عبداللہ شہید رحمہ اللہ کی کوششوں سے ممکن ہوا ہے۔

بلوچستان کے غریب چرواہوں کی رہائی:

یہ واقعہ حضرت مولانا ظہور احمد علوی دامت برکاتہم نے احقر مؤلف کو سنایا یہ ۱۹۸۰ء کا واقعہ ہے بلوچستان کے کچھ چرواہے اپنی بھیڑ بکریاں بیچ کر مع اہل وعیال حج کرنے کے لئے پیدل چل پڑے۔جب یہ لوگ شمالی یمن پہنچے تو وہاں کی حکومت نے انہیں گرفتار کر کے بچوں سمیت جیل میں بند کر دیا۔جب یہ لوگ حج کے بعد واپس نہیں آئے اور حج کر کے واپس آنے والے لوگوں نے بھی ان کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا تو ان کے رشتہ داروں کو تشویش ہوئی جوں جوں عرصہ گزرتا گیا ان کی تشویش میں اضافہ ہوتا رہا، اس طرح تقریباً چار سال کا عرصہ گزر گیا لیکن معلومات کرنے کے باوجود اس پورے عرصے میں یہ تک معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کہاں ہیں اور کس حالت میں ہیں زندہ بھی ہیں یا نہیں؟ ایک

عرصے کے بعد یمن میں مقید رشتہ داروں میں سے کوئی کسی طرح بذریعہ خط اپنے گھر تک خبر پہنچانے میں کامیاب ہوگیا، اور اپنے اوپر بیتے ہوئے مظالم کی داستان بھی خط میں لکھ بھیجی خط پڑھ کر ان کے رشتہ دار اسلام آباد آئے اور وزارت خارجہ سے ان کی رہائی کے سلسلے میں بات کی۔لیکن وزارت خارجہ کی طرف سے ان کو کوئی تسلی بخش جواب نہ مل سکا، وزارت خارجہ میں متعین کسی سمجھدار ملازم نے انہیں مشورہ دیا کہ تم مرکزی مسجد میں حضرت مولانا عبداللہ صاحب کے پاس چلے جاؤ اور ان سے بات کرو اس طرح شاید تمہارا مسئلہ حل ہو سکے، چنانچہ وہ سیدھے مرکزی جامع مسجد میں آپ کے پاس آئے اور پوری داستان بیان کی، یمن میں قید رشتہ داروں کا خط بھی دکھایا، حضرت شہیدؒ نے کمال مہربانی سے ان کی ساری داستان سنی، قیدیوں کے حالات پڑھے اور ان پر ڈھائے جانے والے مظالم کی داستان سن کر تو تڑپ گئے۔ان لوگوں نے تیرہ ہزار روپے بھی دیکر کہا کہ ہم غریب لوگ ہیں اس سے زیادہ رقم دینے سے قاصر ہیں، حضرت شہیدؒ نے ان کے پیسے لے لئے نیشنل بینک آف پاکستان میلوڈی برانچ اسلام آباد میں جمع کرادیئے اور ان مظلوم لوگوں کی رہائی کے لئے کوششیں شروع کردیں، سب سے پہلے وزارت خارجہ سے اس سلسلے میں بات کی۔لیکن جب ان کی طرف سے کوئی خاطرخواہ جواب نہ ملا تو آپ نے مصر میں متعین پاکستان کے سفیر جناب احمد سعید کرمانی صاحب سے رابطہ کیا کہ ان دنوں یمن میں پاکستان کا کوئی مستقل سفیر نہیں تھا، مصر کے علاوہ یمن کی سفارت کاری بھی احمد سعید کرمانی صاحب کے ذمہ تھی، اور یہاں اسلام آباد میں یمن کے سفیر سے بھی اس سلسلے میں بات چیت شروع کی اور انہیں باور کرایا کہ ملک یمن نے ان غیر ملکی مسافروں کے ساتھ زیادتی کی ہے اب تک جیل میں کئی مرد وخواتین بیمار ہو چکے ہیں اور کئی بچوں کی ولادتیں ہوئی ہیں، لیکن آپ نے اس سلسلے میں حکومت پاکستان کو آگاہ تک نہیں کیا اور ساتھ ساتھ حقوق انسانی کی کسی غیر ملکی تنظیم سے بھی رابطہ قائم کر کے حکومت پاکستان اور حکومت یمن پر مسلسل دباؤ ڈالا حتیٰ کہ ایک سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد حکومت یمن ان مظلوم مسلمانوں کو رہا کرنے پر راضی ہوگئی، لیکن

واپسی کے لئے ان سب کا کرایہ ادا کرنے سے اس نے معذرت کر لی، چنانچہ واپسی کے ٹکٹ کے لئے جب حضرت نے حکومت پاکستان کے متعلقہ ذمہ داروں سے رابطہ کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر جان چھڑا لی کہ یہ لوگ غیر قانونی طور پر یمن میں داخل ہوئے تھے، اس لئے ان کے ٹکٹ کا انتظام کرنا حکومت پاکستان کے ذمہ نہیں ہے، ادھر سے مایوس ہو کر حضرت شہیدؒ نے پھر مذکورہ حقوق انسانی کی تنظیم کے ذمہ داران سے رابطہ کیا۔ انہوں نے جب حکومت یمن سے اس سلسلے میں بات کی تو حکومت یمن ان سب کے ٹکٹ کا انتظام کرنے پر بھی راضی ہوگئی اور ان سب کے ٹکٹوں کا بندوبست کر کے مذکورہ تنظیم کے ذمہ داران کو اطلاع کر دی۔ انہوں نے حضرت شہیدؒ سے رابطہ کر کے بلوچستان میں ان کے رشتہ داروں تک پیغام پہنچایا کہ فلاں دن تمہارے قیدی رشتہ دار پہنچ رہے ہیں ان کو لینے کے لئے تم اسلام آباد پہنچ جاؤ، چنانچہ وہ لوگ مقررہ تاریخ کو اسلام آباد پہنچے اور کئی سالوں سے بچھڑے ہوئے رشتہ داروں کا انہوں نے استقبال کیا اور جو رقم حضرت نے بینک میں جمع کروائی تھی وہ بھی ان کو واپس دیدی۔ وہ لوگ اس بات پر مُصِر تھے کہ یہ رقم ہم نے آپ کو دی ہے ہم واپس نہیں لیں گے، لیکن حضرت کسی طرح لینے پر راضی نہیں ہوئے، اس طرح بلوچستان تک پہنچنے کے لئے ان کے کرایے کا بندوبست بھی ہوگیا، یوں حضرت شہیدؒ کی مسلسل جدوجہد سے اُن بچھڑے ہوئے رشتہ داروں کو آپس میں تقریباً پانچ سال بعد ملاقات نصیب ہوئی اور ان مظلوم لوگوں کو قید سے رہائی مل گئی۔

خدا کا بندہ بلا کر خود بھول گیا:

ایک دفعہ جلال پور جٹاں ضلع گجرات کے رہنے والے ایک شخص نے جلال پور جٹاں کی مسجد میں وعظ کے لئے حضرت شہیدؒ سے وقت لیا، مقررتاریخ کو جب حضرت جانے کی تیاری کر رہے تھے تو اتفاق سے میری (حضرت مولانا ظہور احمد علوی صاحب) حضرت کے ساتھ ملاقات ہوئی اور میں بھی حضرت کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوگیا، پروگرام کے مطابق جب ہم اس مسجد میں پہنچے تو عشاء کی نماز کا وقت تھا، اور صرف دس پندرہ آدمی مسجد میں موجود تھے، نماز کے بعد حضرت نے ایک آدمی سے پوچھا کہ فلاں مسجد یہی ہے تو اس

آدمی نے اثبات میں جواب دیا، پھر دعوت دینے والے صاحب کے بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ وہ اسی محلے میں رہتا ہے۔ان کے گھر سے معلوم کروایا گیا تو وہ موجود نہیں تھا۔اس پر حضرت نے فرمایا کہ چلو ہم تو تبلیغ کیلئے آئے ہیں جو پانچ دس نمازی موجود ہیں انہیں کے سامنے بیان کر لیتے ہیں۔جب حضرت کی آمد کی اطلاع علاقے کے ایک ممتاز عالم دین حضرت مولانا قاضی عبدالرزاق صاحب کو ہوئی تو وہ بھی حضرت کی خدمت میں پہنچ گئے ، اور کہنے لگے کہ حضرت! آپ جیسی عظیم شخصیت کا چند افراد کے سامنے بیان کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ ہم آئندہ آپ کی تقریر کے لئے اپنی مسجد میں شایان شان بندوبست کریں گے، پھر آپ کو بیان کیلئے بلا لینگے۔وہ مسجد بھی بڑی ہے اور اس طرح لوگ بھی زیادہ اکٹھے ہو جائینگے۔جواب میں حضرت فرمانے لگے کہ وعظ وتلقین کے لئے سامعین کی تعداد یا مسجد کا شاندار ہونا تو مقصود ہی نہیں ،اگر میری کسی بات سے کسی ایک آدمی کو ہدایت مل جائے تو میری نجات کیلئے اتنا ہی کافی ہے یہ کہہ کر آپ نے کھڑے ہو کر ان چند لوگوں میں اعلان کیا کہ میں مرکزی جامع مسجد اسلام آباد سے آیا ہوں، یہاں کسی دوست نے مجھ سے اس وقت بیان کرنے کے لئے وقت لیا تھا،شاید وہ بھول گئے ہوں گے یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے انسان بھول بھی جاتا ہے۔قلت وکثرت یا دعوت دینے والے کا موجود ہونا دینی بیانات کے لئے ضروری بھی نہیں ہے،اس لئے آپ حضرات میرا تھوڑا سا بیان سن کر جائیں ۔اس کے بعد کافی دیر تک حضرت کا بیان ہوا۔ پھر لوگوں کے اصرار پر ہم نے وہاں رات گزاری،اس دوران لوگ اس دعوت دینے والے دوست کا نام لے لے کر ان کی غیر ذمہ داری پر ناپسندیدگی کا بار بار اظہار کر رہے تھے،لیکن حضرت شہیدؒ نے لوگوں کو سختی سے منع فرمادیا کہ بھائی ان کے بارے میں کچھ مت کہو۔ میں جب اس کے بارے میں سوچتا ہوں تو آج بھی حیران ہو جاتا ہوں کہ سفر کی بے پناہ صعوبتوں اور مشقتوں کے باوجود اس وقت اور بعد میں بھی کبھی حضرت شہیدؒ نے اس شخص کی غیر ذمہ داری کا تذکرہ تو کجا کبھی ناپسندیدگی کا ہلکا سا کوئی جملہ بھی زبان سے نہیں نکالا اور نہ کبھی کسی قسم کی ناگواری کا اظہار

فرمایا۔ہم جیسے لوگوں کے لئے یہ ایک قابل تقلید مثال ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس طرح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

بیس بگلہ آزاد کشمیر کا سفر:

جامعہ محمدیہ اسلام آباد کے مہتمم اور ممتاز بزرگ عالم دین حضرت مولانا ظہور احمد علوی صاحب دامت برکاتہ حضرت شہیدؒ کے قدیم ساتھیوں میں سے ہیں،سفر وحضر میں اکثر حضرت شہید کے ساتھ ہوا کرتے تھے،حضرت کے ساتھ ان کا خصوصی تعلق تھا،اور حضرت بھی ان سے شفقت ومحبت فرماتے تھے حضرت مولانا صاحب حضرت شہیدؒ کے واقعات جھوم جھوم کر سناتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت کے بارے میں اتنے زیادہ واقعات یاد ہیں کہ اگر سارے واقعات لکھنا شروع کروں تو ایک مکمل کتاب مرتب ہوسکتی ہے،بیس بگلہ کا واقعہ بھی احقر نے انہی کی زبانی سنا ہے:

بیس بگلہ نام سے یہ بستی آزاد کشمیر میں مقبوضہ کشمیر کی بالکل سرحد پر واقع ہے،اس میں ایک بہت پرانی دینی درسگاہ بھی ہے جسے وہاں کے ایک بزرگ عالم دین حضرت مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ نے قائم فرمایا تھا جو دارالعلوم دیوبند کے قدیم فضلاء میں سے تھے، حضرت مولانا شہیدؒ کو اس مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں ہر سال مدعو کیا جاتا تھا،اور آپ نہایت ہی اہتمام کے ساتھ وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ایک دفعہ جب آپ ان کی دعوت پر وہاں تشریف لے جارہے تھے تو میں بھی حضرت کے ساتھ تھا اور راولپنڈی کے ایک قاری صاحب جو ماشاءاللہ اچھے نعت خواں بھی ہیں حضرت نے ان کو بھی مدعو کیا۔تاکہ پروگرام میں تلاوت قرآن کریم کے ساتھ وہ نعت بھی پڑھیں،بیس بگلہ گاؤں سے پہلے رنگلہ نامی ایک گاؤں آتا ہے،یہاں سے بیس بگلہ تک کا راستہ انتہائی دشوارگزار اور خطرناک ہے،اس زمانے میں وہاں گاڑیاں بھی نہیں چلتی تھیں،تقریباً پانچ چھ کلومیٹر کا راستہ پیدل طے کرنا پڑتا تھا۔گزارہم یہ دشوارگزار راستہ عبور کر کے بیس بگلہ پہنچ گئے،اور بروقت پروگرام میں شرکت کی۔اور واپس آ گئے،دوسرے سال جب اس مدرسہ کے ذمہ داروں نے ہمیں پروگرام میں

شرکت کی دعوت دی تو حضرت شہیدؒ نے اس نعت خواں قاری صاحب سے پھر رابطہ کیا اور ساتھ جانے کے لئے کہا، لیکن انہوں نے عجیب روکھا سا جواب دیا، انہوں نے پوچھا کہ کیا اسی بستی میں جانا ہے جہاں ہم گزشتہ سال گئے تھے تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں اسی بستی میں جانا ہے، جواب میں قاری صاحب کہنے لگے کہ ایسی تبلیغ اور دین کی خدمت آپ ہی کو مبارک ہو جہاں آنے جانے کا کرایہ بھی اپنی جیب سے دینا پڑے اور اپنی جان کو بھی خطرے سے دوچار کرنا پڑے۔

بہر کیف! ہم بیس بگلہ روانہ ہوگئے، جب ہم رنگلہ گاؤں پہنچے تو مغرب کی نماز ادا کی اور اندھیرا چھا گیا۔ اور حضرت شہیدؒ کو کمر کی سخت تکلیف شروع تھی، اب ہمیں اس حالت میں اور رات کے اندھیرے میں رنگلہ سے بیس بگلہ کا سفر بظاہر ممکن نظر نہیں آرہا تھا، ایک تو راستہ ٹیڑھا میڑھا دشوار گزار اور پھسلن والا تھا، انتہائی تنگ پگڈنڈیوں سے گذرنا پڑتا تھا، اگر پاؤں پھسل جاتا تو بچنے کی امید کم تھی، لیکن حضرت رحمہ اللہ کا اصرار تھا کہ ہم نے ہر صورت میں وہاں پہنچنا ہے اور وعدہ کے مطابق پروگرام میں بروقت شریک ہونا ہے۔ چنانچہ ہم نے گاؤں والوں سے اپنا تعارف کرا کر ایک لالٹین حاصل کی اور حضرت رحمہ اللہ کے لئے ایک لاٹھی بھی منگوائی چنانچہ حضرت نے رومال سے اپنی کمر کو کس کر باندھ لیا اور لاٹھی ہاتھ میں لے کر چلنا شروع کر دیا۔ اسی طرح رات کو پیدل چل کر ہم نے وہ دشوار گزار راستہ عبور کیا اور رات ہی کو وہاں پہنچ کر جلسے میں شرکت کی۔ مجھے اس بات پر بڑا تعجب ہوا کہ کمر کی سخت تکلیف کے باوجود حضرت نے نہ تو کسی ناگواری کا اظہار فرمایا اور نہ ہی وہاں پہنچ کر کسی کے سامنے اپنی اس تکلیف کے بارے میں ذکر کیا اور ان کو محسوس ہونے بھی نہ دیا، نہایت ہی بشاشت کے ساتھ لوگوں ملتے رہے اور ان کی خیر و عافیت دریافت کرتے رہے حالانکہ حضرت کو اس وقت کمر کی تکلیف تھی جس کو میں صاف محسوس کر رہا تھا، پروگرام میں شرکت کے بعد اگلے دن ہم واپس آ گئے اور راستے میں دھیر کوٹ نامی گاؤں میں ایک مسجد کا افتتاح بھی کیا اور اس میں حضرت نے چار سو روپے چندہ بھی دیا۔

علماء اور صلحاء کی خدمت میں حاضری:

حضرت شہیدؒ کی طبیعت میں عاجزی وانکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، جب بھی کسی علاقے میں چلے جاتے تو بغیر کسی دعوت کے وہاں کے قرب وجوار کے علماء کرام اور صلحاء کی خدمت میں ضرور تشریف لے جاتے اس طرح چھوٹوں کی حوصلہ افزائی ہوجاتی اور بڑوں کی خدمت کا موقع ملتا ان سے عقیدت کا اظہار ہوجاتا اور دعا کی بھی درخواست ہوجاتی۔

جب چکوال کی طرف نکل جاتے تو شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے خلیفہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں ضرور تشریف لے جاتے باوجودیکہ حضرت شہیدؒ کی شخصیت کے متعلق بعض لوگوں نے ان کے ذہن میں کوئی غلط فہمی بھی پیدا کردی تھی۔

مدرسہ دارالہدیٰ راولپنڈی کے مہتمم مولانا عبدالرشید کوثر صاحب سناتے ہیں کہ شہادت کے دن صبح تقریباً دس بجے حضرت شہیدؒ نے مجھے فون کیا اور فرمایا کہ میں نے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب سے جیل میں جاکر ملاقات کرنی ہے۔ یہ کام مشکل ہے۔ میں نے سنا ہے کہ حضرت مولانا پیر عزیز الرحمٰن صاحب دامت برکاتہ العالیہ نے ان کے ساتھ جیل میں جاکر ملاقات کی ہے آپ ان سے معلومات حاصل کرلیں کہ انہوں نے ملاقات کیلئے کیا طریقۂ کار اختیار کیا ہے۔ تاکہ ملاقات کیلئے میں بھی وہ طریقہ اپناؤں۔

میں عبدالرشید کوثر نے جب معلومات حاصل کرلیں تو معلوم ہوا کہ انہوں نے وکیل کے ذریعہ ملاقات کی ہے۔ یہ معلوم کرکے میں حضرت شہیدؒ کو فون کرنے ہی والا تھا کہ اتنے میں مدرسہ کے ایک طالب علم محمد عمران سلیمان نے حضرت کی شہادت کی المناک خبر سنائی حضرت شہیدؒ کا جب چکوال سے آگے جانا ہوتا تو ضلع چکوال کے موضع میانی میں حضرت مولانا غازی احمد کی خدمت میں ضرور تشریف لے جاتے، حضرت مولانا غازی احمد صاحب مشہور کتاب ''من الظلمات الی النور'' کے مصنف ہیں۔ انہوں نے اسلامی تعلیمات سے متأثر ہوکر امام المفسرین حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ واں بھچراں کے

شاگرد خاص حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب رحمہ اللہ کی راہنمائی میں اسلام قبول کیا تھا۔ جب وہ اپنی روئیداد سناتے تو ہم لوگ سن کر محظوظ ہوتے۔ایک دفعہ انہوں نے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ جب میں نے اسلام قبول کیا اور ہجرت کر کے یہاں آیا تو میرا سارا خاندان انبالہ میں تھا، میری خالہ نے ایک کلو سونا میرے پاس امانت کے طور پر رکھا تھا۔ جب میں نے وہ امانت ان کو واپس کردی تو وہ کہنے لگی کہ ہندو کا بیٹا تھا نا اس لئے دیانت کا مظاہرہ کیا۔ میں نے کہا خالہ جی! یہ بات نہیں بلکہ میں تو اسلامی تعلیمات سے متأثر ہوکر اس دیانت کا مظاہرہ کرر ہا ہوں۔حضرت شہیدؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے ان سے پوچھا: ہم نے سنا ہے کہ حج کے دوران ایک عالم دین نے خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ''کہ غازی احمد کو میرا سلام کہنا وہ تو درود وسلام کی بارش کر دیتا ہے'' پھر مولانا شہیدؒ نے ان سے پوچھا کہ وہ کونسا درود ہے جو آپ پڑھتے ہیں جواب میں پروفیسر صاحب نے یہ دورد بتلایا:

''اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی نَبِیِّ الرَّحْمَةِ''

اسی طرح اگر کبھی گوجرانوالہ جانا ہوتا تو وہاں پر امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر دامت برکاتہ العالیہ اور نصرۃ العلوم کے مہتمم حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ کی خدمت میں ضرور تشریف لے جاتے۔خلاصہ یہ کہ اپنے سے بڑے اور چھوٹے تمام علماء کرام اور بزرگان دین کی قدر کرتے اور ان کی ملاقات کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے واقعی یہ حضرت شہیدؒ کی تواضع اور انکساری کی واضح نشانی تھی نیز اگر کوئی بزرگ اسلام آباد تشریف لے آتے تو جامعہ فریدیہ کے اساتذہ وطلباء کے سامنے بیان کروانے کی حتی المقدور کوشش فرماتے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل اعتماد:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

مذکورہ شعر آپ پر پورا پورا صادق آتا تھا، حضرت شہیدؒ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر کامل اعتماد وتوکل کی صفت بھی عطاء فرمائی تھی۔ اسی لئے آپ ہر جگہ آتے جاتے کوئی محافظ ساتھ رکھتے نہ کوئی اور انتظام حفاظت کا کرتے، جامعہ کے اساتذہ کرام اوقات آپ سے کہتے رہتے کہ حضرت آپ کوئی محافظ ساتھ رکھ لیں، آپ کے بے شمار مخالفین موجود ہیں کہیں آپ کو زک نہ پہنچا ئیں، جواب میں آپ فرما دیتے کہ:

''جورات قبر میں گزرنی ہے وہ قبر ہی میں گذرے گی ہم
اپنے ساتھ لاکھ محافظ رکھیں وہ ہمیں کبھی نہیں بچا سکتے''

یہی وجہ تھی کہ آپ ہر مشکل کام میں محض اللہ تعالیٰ کے بھروسے توکل پر کر گزرتے تھے۔ جن کا ہونا بظاہر دشوار نظر آتا تھا بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کر کے خطرات میں کود پڑے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ اس سلسلے میں متعدد واقعات ہیں جن سے آپ کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل اعتماد و یقین اور آپ کی جرأت و بہادری کا اظہار ہوتا ہے۔

جلسہ بھی ہوا اور فساد بھی نہ ہوا:

راہِ حق میں قربانی دینے کا جذبہ انتہائی درجے کا تھا دعوت وتبلیغ کے حوالے سے رات دن محنت میں لگے رہتے تھے، حصرت مولانا عبدالعزیز صاحب نے حضرت شہیدؒ کا یہ واقعہ احقر کو سنایا کہ ایک مرتبہ اندرون پنجاب کے کسی گاؤں کے ایک شخص نے حضرت والد صاحب سے وعظ کے لئے وقت لیا۔ دن اور تاریخ بھی مقرر ہوئی کہ فلاں دن اور تاریخ پر گاؤں کی مسجد میں آپ کا بیان ہوگا۔ چند دنوں کے بعد جبکہ والد صاحب مقررہ تاریخ کو جانے کی تیاری کر رہی رہے تھے تو وقت لینے والے ساتھی پہنچ گئے اور کہنے لگے وہاں تقریر کرنا اب بہت مشکل ہے اور اب میں بھی آپ کے ساتھ نہیں جا سکتا کیوں کہ وہاں کے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ آس پاس کے علاقوں میں بدعتی اور جاہل لوگ اکثریت میں ہیں۔ آپ کے آنے کی خبر سن کر سارے لوگ مشتعل ہیں اور آپ کے آنے کی صورت میں لڑائی

جھگڑے کا پروگرام بنا رکھا ہے، چونکہ وہ لوگ انتہائی مضبوط اور بااثر قسم کے ہیں اس لئے آپ کی جان کو بھی شدید خطرہ ہے لہٰذا آپ ہرگز تشریف نہ لے جائیں یہاں تک کہ پیغام لانے والا شخص بھی خوف کی وجہ سے اس وقت آپ کے ساتھ جانے کے لئے تیار نہ ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ اگر میں وہاں کسی طرح سے چلا جاؤں تو میری بات سننے کے لئے کچھ لوگ جمع ہوں گے یا نہیں؟ اس نے کہا کہ اگر آپ پہنچ گئے تو کچھ لوگ ضرور جمع ہوں گے، لیکن لوگوں کو آپ کے بارے میں تشویش ہے کہ کہیں آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے؟ آپ فرمانے لگے کہ اگر یہی بات ہے تو پھر میں اکیلا ہی چلا جاؤں گا، اللہ تعالیٰ خیر فرمائے گا وہ ہمارے ساتھ ہے، چنانچہ حضرت والد صاحب حسب وعدہ گاؤں پہنچے اور حضرت کا بیان بھی ہوا، اور لوگ اکٹھے بھی ہو گئے علاقے کے کچھ شر پسندوں نے گڑ بڑ کر کے لڑائی جھگڑا کرنے کی کوشش کی تو علاقے کے ایس ایچ او نے ان میں سے چند لوگوں کو تھانے میں بلا کر سمجھایا کہ خبردار! جس نے فساد پھیلانے کی کوشش کی تو میں اس کی خبر لوں گا۔ وہ ہمارے بزرگ ہیں، علاقے کا تھانیدار اسلام آباد آبپارہ تھانہ میں پولیس آفیسر رہ چکا تھا اور حضرت کا بڑا معتقد تھا حالانکہ حضرت شہیدؒ کو مطلق علم نہ تھا کہ علاقے کا تھانیدار میرا جاننے والا اور معتقد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے اپنے راہ میں نکلے ہوئے ایک مخلص بندے کو فتنہ وفساد اور ان لوگوں کے شر سے بچا لیا اس طرح حضرت شہیدؒ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر بخیر و عافیت واپس اسلام آباد پہنچ گئے۔

ے کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

محترم ومکرم حافظ عبدالرحمٰن صاحب مدظلہ جو مرکزی جامع مسجد کمیٹی کے چیئرمین بھی رہے ہیں، فرشتہ صفت انسان ہیں۔ حضرت شہیدؒ کے دیرینہ رفیق خاص ہیں ان کے بیٹے بھائی عطاءالرحمٰن صاحب جن کو حضرت شہید کے ساتھ انتہائی درجے کا تعلق تھا، بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ محکمۂ اوقاف کی کسی میٹنگ میں حضرت شہیدؒ جامع مسجد اہل حدیث کے

خطیب مولانا عبدالعزیز حنیف صاحب اور جی سکس ٹو میں واقع مرکزی امام باڑہ کے خطیب ریاض حسین نقوی تینوں شریک تھے۔ واپسی پر مولانا عبدالعزیز حنیف صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ حضرت میری گاڑی میں بیٹھ کر جائیں۔ جبکہ ریاض حسین نقوی کا اصرار تھا کہ میری گاڑی میں بیٹھ جائیں۔ حضرت شہیدؒ ریاض حسین نقوی کی گاڑی میں بیٹھ گئے کہیں وہ یہ نہ سمجھے کہ مولانا صاحب ڈر کی وجہ سے میرے ساتھ نہیں بیٹھتے کیوں کہ اس زمانے میں شیعہ سنی تنازعہ عروج پر تھا۔ اس زمانے میں ریاض حسین نقوی، حضرت شہید کے پڑوس میں رہتے تھے جبکہ مولانا عبدالعزیز حنیف کی رہائش گاہ کافی فاصلے پر تھی۔

حضرت شہیدؒ کا ایک خاص کمال:

حضرت مولانا ظہور احمد علوی مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت شہیدؒ کے اندر یہ بہت بڑا کمال تھا کہ وہ سخت سے سخت تنازعات بھی چٹکیوں میں حل کر دیتے تھے۔ محترم قاری ایاز احمد عباسی صاحب نے اس سلسلے میں ایک واقعہ بھی سنایا کہ:

مری کے ایک عالم دین تھے جو اب فوت ہو چکے ہیں دینی کاموں کے علاوہ وہ رفاہی کاموں میں بھی حصہ لیتے تھے۔ ان کے بعض دوستوں کو شکایت تھی کہ مولانا صاحب سودی کاروبار کرتے ہیں۔ جبکہ حقیقت میں ایسی بات نہیں تھی۔ محض اپنے حسد کی آگ کو ٹھنڈی کرنے کیلئے یہ پروپیگنڈہ کیا گیا تھا۔ بہرحال جب بات حد سے آگے بڑھ گئی اور ان کے دینی اور رفاہی کاموں میں رکاوٹ پیش آنے لگی تو معاملہ کو رفع دفع کرنے کیلئے وہاں کے کچھ ذمہ دار لوگوں نے فیصلہ کیلئے حضرت شہیدؒ کو مدعو کیا اور فریقین نے آپ کو فیصلہ کا پورا اختیار دیدیا۔ چنانچہ حضرت شہیدؒ اس سلسلے میں سب سے پہلے مذکورہ عالم دین کے پاس گئے اور ان سے گزارش کی کہ حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، لیکن بظاہر یہ آپ پر الزام ہے اس لئے آپس کی ناراضگیاں ختم کرنے کیلئے میری آپ سے ایک عرض ہے کہ آپ ایک دفعہ ان لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر یہ کہہ دیں کہ الحمدللہ میں نے آج تک سودی کاروبار نہیں کیا ، اگر کبھی نادانستہ طور پر یا آپ حضرات کے خیال کے مطابق کبھی سودی کاروبار کیا بھی ہے تو

آج آپ تمام حضرات کے سامنے میں اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ واستغفار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمادیں اور آئندہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس طرح کا کوئی کاروبار نہیں کروں گا۔

لیکن وہ عالم دین اس طرح اعلان کرنے پر تیار نہیں تھے اور فرماتے تھے کہ جب میں نے اس طرح کا ناجائز کاروبار کیا ہی نہیں تو لوگوں کے سامنے اعلان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن حضرت کا اصرار تھا کہ ان لوگوں کا آپ پر اعتماد بحال کرنے نیز خواہ مخواہ کے شکوک وشبہات کوسرے سے ختم کرنے کی یہ بہتر صورت ہے۔ بلکہ اس سے آپکی عزت کم ہونے کی بجائے بھی عوام میں بڑھ جائیگی۔ اس پر حضرت شہیدؒ نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا وہ واقعہ بھی سنایا کہ جب کسی مخالف آدمی نے بھری محفل میں نعوذ باللہ اشتعال دلانے کیلئے آپ کے نسب پر الزام لگایا تھا تو جواب میں حضرت حکیم الامتؒ نہ تو ناراض ہوئے اور نہ طیش میں آکر اس آدمی کو مجلس سے نکالا اور نہ ہی ان پر غصہ ہوئے بلکہ انتہائی صبر وتحمل سے فرمایا کہ ایک آدمی نے میرے بارے میں اس طرح کی بات کی ہے۔ ان کے اطمینان کیلئے عرض ہے کہ وہ لوگ اب بھی موجود ہیں جو میرے والد اور والدہ کے نکاح کے گواہ تھے اگر کسی کو شک ہے تو وہ ان سے پوچھ سکتے ہیں۔ وہ گواہی دینگے۔ حضرت حکیم الامتؒ کے اس انداز سے وہ آدمی انتہائی شرمندہ اور نادم ہوگیا۔

اس واقعہ کی روشنی میں جب حضرت شہیدؒ نے مذکورہ عالم دین کو سمجھایا کہ یہ تو بڑے لوگوں کا کام ہے، اس سے آپ کی عزت بڑھ جائیگی۔ حضرت شہیدؒ کے اس طرح سمجھانے پر وہ مان گئے اور لوگوں کے سامنے آکر انہوں نے اسی طرح اعلان کیا۔

اس اعلان کے بعد حضرت شہیدؒ خود ہی کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ مولانا صاحب کا فرمانا ہے کہ میں نے ایسا کوئی سودی معاملہ نہیں کیا ہے لیکن اگر اس طرح کی کوئی غلطی ان سے ہوئی بھی ہے تو توبہ کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا بلکہ قیامت تک کھلا رہیگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے آنحضور ﷺ نے فرمایا ''التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ'' یعنی گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہ ہوا ہو۔ آج مولانا صاحب ہم

سب کے سامنے علی الاعلان توبہ تائب ہوئے ہیں آج کے بعد اگر کسی آدمی نے ان پر انگلی اٹھائی اور سودی لین دین کا الزام لگایا تو یہ ان پر بہت بڑا بہتان ہوگا۔ وہ آدمی جھوٹا ہوگا اور اللہ تعالٰی کے نزدیک بھی مجرم شمار ہوگا۔

اس طرح حضرت شہیدؒ کی کوششوں سے مذکورہ پیچیدہ مسئلہ رفع دفع ہوگیا اور ایک عالم دین کو بدنام کرنے کا غلط پروپیگنڈہ بھی الحمدللہ ختم ہوگیا۔ چنانچہ وہاں پر موجود تمام لوگوں نے حضرت کی حکمت عملی پر خوشی کا اظہار کیا اور داد دئے بغیر نہ رہ سکے۔

حضرت مولانا محمد عبدالمعبود صاحب مدظلہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ مولانا ممدوح کو معاملہ فہمی اور الجھے ہوئے معاملات سلجھانے کا خاص ملکہ حاصل تھا۔ راولپنڈی اسلام آباد کے علاوہ مختلف مقامات پر مساجد، مدارس اور دیگر متنازعہ امور میں علماء کرام کی مشاورت اور معاونت سے تصفیہ کرتے تھے۔ شہید اسلام موقع شناسی اور دور اندیشی کے خوگر تھے اور وقت کی نزاکتوں سے آگاہ رہتے تھے۔ امام کعبہ الشیخ عبداللہ بن سبیل دام فضلہ کا جب پہلی مرتبہ پاکستان میں ورودِ مسعود ہوا تو شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خاں صاحبؒ نے ان کی نصرت میں بھرپور کردار ادا کیا اور شہید اسلام حضرت مولانا عبداللہ بھی ان کے شانہ بشانہ ہر پروگرام میں شریک رہے۔ اسی دوران ایک شام فضیلۃ الشیخ امام کعبہ کی ''شکر پڑیاں'' دعوت کا اہتمام تھا۔ دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث علماء سب مدعو تھے۔ جب نماز مغرب کا وقت ہوا تو شیخ القرآن نے امام کعبہ کو نماز پڑھانے کی پیش کش کی موصوف نے حرم کی منظر کشی کرتے ہوئے نماز مغرب پڑھائی۔ شیخ القرآن نے شہید اسلام سے کہا کہ جماعت میں بریلوی علماء شامل ہیں اور امام صاحب نماز کے بعد دعا نہیں کرینگے اس طرح بریلوی حضرات کو اعتراض کا ایک موقع مل جائے گا۔ کوئی ایسی تدبیر کرو کہ امام کعبہ دعا کریں۔ مولانا عبداللہؒ نے عرض کیا یہ معمولی سی بات ہے آپ اطمینان رکھیں دعا ہو جائے گی۔

شیخ القرآن اور مولانا عبداللہ شہیدؒ امام صاحب کے پیچھے میں پہلی صف میں کھڑے تھے۔ امام صاحب نے جیسے ہی سلام پھیرا مولانا عبداللہ صاحب قریب ہو کر عرض

گزارہوئے۔یاشیخ ادع لی. (شیخ میرے لئے دعا کریں)امام صاحب نے فوراًہاتھ اٹھا کر دعا فرمادی۔اس بات سے شیخ القرآن مولانا شہیدؒ سے اس قدر خوش ہوئے جس کی کوئی انتہانہیں۔بار بار مرحبا،مرحبا فرمارہے تھے۔

قربانی کا بےمثال جذبہ:

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی گاؤں میں تقریر کا پروگرام تھا، میں والدصاحب کے ساتھ تھا جب ہم اسلام آباد سے چلنے لگےتو بارش کے آثارنمایاں تھے آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے جب ہم اسلام آباد سے باہر نکلے تو بارش شروع ہوچکی تھی اور دھیرے دھیرے بارش تیز ہوتی جارہی تھی۔یہاں تک کہ اس بستی میں پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں موسلا دھار بارش شروع ہوگئی اور تمام راستے بند ہوگئے،اب بظاہر بستی تک پہنچناممکن نہ تھا۔گاؤں تک پہنچنے کے لئے تمام صورتیں معدوم نظر آئیں تو میں نے والدصاحب رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ اباجی!میں نے تو شروع ہی میں عرض کیا تھا کہ موسم ٹھیک نہیں ہے ہم گاؤں تک نہیں پہنچ سکیں گے جواب میں والدصاحب رحمہ اللہ فرمانے لگے کہ بیٹا بات یہ ہے کہ جہاں تک ہم پہنچ سکتے تھے وہاں تک پہنچ گئے ہمارے ذمہ اتنا تھااور ہم اتنے ہی کے مکلّف تھے آگے سفر جاری رکھنا اس وقت ہمارے بس میں نہیں ہے انشاءاللہ اس کے دوفائدے ہوں گےایک تو ہم نے ان کی دعوت قبول کی تھی ان کے ساتھ کیا ہواوعدہ پورا ہوگیا دوسرا یہ کہ جب ان لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ہم آئے تھےاور قریب پہنچ کر راستہ بند ہوجانے کی وجہ سے واپس چلے گئے ہیں تو انشاءاللہ اس کے علاقے کے لوگوں پر اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔

پنڈی گھیب ہی کے ایک اور ساتھی جناب حافظ محبوب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے علاقے کے ایک گاؤں میں لوگوں نے کوئی پروگرام رکھا۔جس میں انہوں نے حضرت شہید کو مہمان خصوصی کے طور پر مدعو کیا چنانچہ آپ حسب وعدہ اس گاؤں کے اڈے پر پہنچ گئے دیہاتی علاقہ تھا اس لئے اڈے سے گاؤں تک پہنچنے کیلئے کوئی گاڑی نہ مل سکی اور نہ

ہی پروگرام کے ذمہ داروں نے اس کا کوئی انتظام کیا تھا۔ آپ انتظار کرتے رہے کافی دیر بعد ایک ٹریکٹر آیا تو حضرت شہیدؒ اس کی ٹرالی میں سوار ہو کر گاؤں پہنچ گئے۔ لوگوں نے آپ کو ٹریکٹر ٹرالی میں بیٹھ کر آتے ہوئے دیکھا تو بہت شرمندہ ہوئے اور معذرت کرنے لگے اس پر حضرت فرمانے لگے کہ اس میں معذرت کرنے کی کونسی بات ہے ٹریکٹر ٹرالی بھی تو ایک سواری ہے۔ الحمدللہ اس پر سوار ہو کر میں پہنچ گیا۔

حضرت شہید کے چھوٹے فرزند علامہ عبدالرشید غازی صاحب بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ والد صاحب کو پنجاب کے کسی علاقے میں اصلاحی بیان کیلئے مدعو کیا گیا جب آپ وہاں جانے کیلئے عازم سفر ہوئے تو میں بھی ساتھ ہو لیا ہم ریل گاڑی میں پہنچے تو تمام سیٹیں پر ہو چکی تھیں، کوئی سیٹ خالی نہیں تھی میں نے عرض کیا کہ ابو جان! سب نشستیں پرُ ہو چکی ہیں، ہم واپس گھر چلے چلتے ہیں، فرمانے لگے بیٹے! ہم تو وعدہ کر چکے ہیں اس لئے وقت پر وہاں پہنچنا ضروری ہے، میں اس زمانے میں بچہ تھا ایک آدمی نے مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیا، لیکن والد صاحب کیلئے کوشش کے باوجود کوئی جگہ نہ مل سکی۔

چنانچہ آپ عام راستے سے ہٹ کر ایک جگہ فرش پر ہی بیٹھ گئے اور بعد میں جب نیند آئی تو اسی فرش پر ہی لیٹ گئے اور کچھ ہی دیر میں گہری نیند کی آغوش میں چلے گئے، اس دوران اگر کبھی رش زیادہ ہو جاتا تو آپ کو مسافروں کے پاؤں کی ٹھوکریں لگ جاتیں، اور کبھی آپ کے اوپر آنے جانے والوں کے پاؤں بھی آجاتے لیکن آپ نے اس کی مطلقاً مطلق کوئی پرواہ نہ کی، اور نہ ہی کسی ناگواری کا اظہار فرمایا اس طرح آپ نے اپنی نیند پوری کر لی اور الحمدللہ حسب وعدہ ہم ٹھیک وقت پر منزل مقصود پر پہنچ گئے، اور بیان کر کے واپس آگئے۔

اِحقاق حق اور اِبطال باطل:

اِحقاق حق اور اِبطال باطل کے سلسلے میں حضرت شہید رحمہ اللہ نے جو کوششیں اور تگ و دو کی ہے وہ کسی چشم بینا سے مخفی نہیں ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلک حق کی صحیح ترجمانی اور باطل کی بیخ کنی کے لئے آپ کو اس علاقے کے لئے خاص طور پر منتخب

فرمایا تھا چنانچہ آپ نے اس سلسلے میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جنہیں دیکھ کر عقل محو حیرت ہو جاتی ہے اس پُر خار وادی میں آپ کو انتہائی نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا دور دراز کے سفر کر کے لوگوں کی ذہن سازی بھی کی، تھانے کچہریوں اور جیلوں میں جانا پڑا اپنوں اور بیگانوں کے طعنے بھی سننے پڑے لیکن ان تمام مشکل حالات اور مخالفت کے باوجود لوگوں کی ہدایت اور آنے والی نسلوں کی بہتری کی امید پر احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ انجام دیتے رہے اور بزبان حال یوں کہتے رہے۔

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
اس قدر ہو گی ترنم آفریں بادبہار
نکہتِ خوابیدہ غنچے کی نوا ہوجائے گی
آ ملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
بزمِ گل کی ہم نفس بادِ صبا ہوجائے گی
شبنم افشانی میری پیدا کرے گی سوزوساز
اس چمن کی ہر کلی دردآشنا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

اسلام آباد میں مقیم ایک دوست محترم محمد انیس فاروقی صاحب جو حضرت شہیدؒ کے خاص متعلقین میں سے ہیں بتاتے ہیں کہ یہ ستر کی دہائی کی بات ہے کہ حضرت شہیدؒ

نے محسوس کیا کہ مسلمانوں میں اسلام کے سب سے اہم رکن نماز کی طرف سے زیادہ غفلت برتی جاتی ہے چنانچہ اس سلسلے میں لوگوں کو متنبہ کرنے کیلئے حضرت نے ایک منظّم تحریک شروع کی۔ایک چھوٹا سا بیٹری والا لاؤڈ سپیکر لیکر ہر روز اسلام آباد کے کسی سیکٹر میں چلے جاتے اور اقامت صلوٰۃ کی اہمیت پر درس دیتے جس میں نماز نہ پڑھنے والوں کیلئے قرآن وحدیث کی روشنی میں وعیدیں اور پڑھنے والوں کیلئے انعام واکرام اور فضائل بیان فرماتے۔اسی طرح عورتوں کیلئے کبھی کبھی ہفتہ وار درس کا اہتمام کرتے اور فرماتے کہ عورتوں تک علم دین پہنچانا بہت ضروری ہے۔بحیثیت ماں بہن اور بیٹی اپنی اولاد کی تربیت اور گھریلو انتظام کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے۔جب عورت کو دین کا علم ہوگا۔تو آنے والی نسلیں اس سے فیضیاب ہوسکیں گی۔

بہار ہو کہ خزاں:

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب نے احقر مؤلف کو یہ واقعہ سنایا کہ صدر ضیاء الحق مرحوم بھی حضرت شہیدؒ کی بہت عزت وتکریم کیا کرتے تھے ایک دفعہ کسی بڑے اجلاس میں صدر ضیاء الحق کے سامنے جبکہ ملک کے بڑے بڑے علماء کرام بھی موجود تھے دینی مدارس کا تذکرہ چل پڑا تو وہاں پر موجود بعض علمائے کرام نے صدر صاحب کے سامنے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ حکومت کا دینی مدارس کو اپنی تحویل میں لانے کا پروگرام ہے، جواب میں صدر ضیاء الحق مرحوم مولانا عبداللہ شہیدؒ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ازراہِ تفنن کہنے لگے کہ اسلام آباد میں مولانا عبداللہ صاحب ہمارے قابو میں نہیں آتے تو ملک کے تمام دینی مدارس کو کیا قابو کرلیں گے،غرض یہ کہ صدر ضیاء الحق مرحوم کے ساتھ اچھے تعلقات اور مراسم کے باوجود آپ کی حق گوئی اور بیباکی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ؎

یہ نغمہ فصل گل ولالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لاالہ الا اللہ

حضرت شہید رحمہ اللہ کا سیاسی مسلک:

۱۹۷۰ء کے انتخابات میں حضرت شہید رحمہ اللہ نے حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ کی جماعت جمعیت علمائے اسلام سے بھرپور تعاون کیا ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں اور ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ میں شریک ہوئے اور بھرپور آواز اٹھائی جنوری ۱۹۹۱ء میں جب امریکہ نے اٹھائیس ممالک کا اتحاد بنا کر عراق پر حملہ کر دیا تو حضرت شہید رحمہ اللہ نے جرأت کے ساتھ عراق کی حمایت کی اس سلسلے میں آپ کا موقف یہ تھا کہ امریکہ اس طرح عراق پر حملہ کر کے مسلمانوں کی طاقت کو پارہ پارہ کرنا اور جزیرۃ العرب پر اپنا مستقل قبضہ جمانا چاہتا ہے چنانچہ اب وقت نے ثابت کر دیا کہ اس مردِ درویش کا موقف سوفی صد درست تھا، اس سلسلے میں آپ نے مرکزی جامع مسجد سے بھرپور آواز اٹھائی جلسے اور جلوس منعقد کئے تاہم آپ باقاعدہ طور پر کسی سیاسی جماعت کے ساتھ منسلک نہیں تھے مسلک علماء دیوبند کی تمام جماعتوں کے ساتھ بزرگانہ شفقت سے پیش آتے تھے ملک میں شرعی نظام کے نفاذ کے لئے شب و روز کوششیں اور جدوجہد کرتے اور ہر وقت اس کے لئے دعا گو رہتے تھے۔ آپ کی مرکزی جامع مسجد تمام دینی جماعتوں کے تمام اکابرین، علماء، طلباء اور دیگر کارکنان کی آماجگاہ تھی، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ، حضرت مفتی محمود صاحبؒ، حضرت مولانا عبداللہ درخواستی صاحبؒ، حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا حق نواز جھنگوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبدالستار تونسوی صاحب اور حضرت مولانا محمد اعظم طارق صاحب رحمہ اللہ وغیرہ بڑے بڑے قائدین علماء کرام کی آمد و رفت اکثر رہتی تھی، تمام جماعتوں کے کارکنان آپ سے محبت اور عقیدت رکھتے تھے، لیکن باقاعدہ طور پر کسی ایک جماعت میں شمولیت سے آپ نے ہمیشہ گریز کیا۔

آپ کے قابل تقلید دو کام:

بعض معروف شخصیات جب تک زندہ رہتی ہیں عام طور پر لوگوں کو معلوم تک نہیں ہوتا ہے کہ انہوں نے کون سے کارنامے سرانجام دیئے ہیں لیکن ان کے فوت ہونے کے بعد ان کے کارنامے منظرِ عام آنا شروع ہو جاتے ہیں اور ان شخصیات کی قدر بڑھ جاتی ہے ان کی زندگی کا ہر ہر پہلو اور دیگر خدمات نمایاں ہو کر لوگوں کے سامنے آجاتی ہیں ان کے بے پناہ اخلاص اور للّٰہیت کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ حضرت شہید رحمہ اللہ نے بھی دعوت و تبلیغ اور احیاء

مدارس یعنی فروغ علم دین کے دونوں شعبوں کی ضرورت محسوس کی اور ان کی طرف بھرپور توجہ دی۔شہر شہر اور قریہ قریہ دعوت وتبلیغ کے ساتھ ساتھ دینی مدارس بھی قائم کئے جہاں بچوں اور بچیوں کے لئے مفت تعلیم اور درس وتدریس کا بندوبست کیا دینی ادارے قائم کرنے والوں کا دل کھول کر دامے درہمے قدمے سخنے ہرطرح سے تعاون فرمایا۔دینی تعلیم اور دعوت وتبلیغ دونوں ہی ایسے شعبے ہیں جن کی طرف حکومت بالکل توجہ نہیں دیتی، جب کہ یہی دو چیزیں انسان کی دنیا وآخرت دونوں کو سنوارتی ہیں، بلا شبہ حضرت شہید رحمہ اللہ کے یہ دونوں کام قابل تقلید بھی ہیں اور قابل رشک بھی۔حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ ''دنیا کی سب سے بڑی غریبی کم علمی اور بے عقلی ہے''۔

اصول مروت کا ایک واقعہ:

جامع مسجد کمپلیکس ہسپتال کے خطیب مولانا عبدالواحد صاحب نے حضرت مولانا محمد عبدالعزیز صاحب مدظلہ کے سامنے یہ واقعہ بیان فرمایا۔ایک دفعہ میں نے حضرت شہید رحمہ اللہ کو اپنے علاقے میں وعظ وتبلیغ کے سلسلے میں مدعو کیا اور مقررہ تاریخ کو میں نے حضرت کو لیا اور اپنی پرانی گاڑی میں گاؤں کی طرف روانہ ہوگئے۔تقریباً آدھا راستہ طے کرنے کے بعد ہماری گاڑی خراب ہوگئی ہم گاڑی سے نیچے اترے اور میں گاڑی ٹھیک کرنے میں لگ گیا۔اسی دوران ایسے کئی لوگ حضرت سے ملے جو حضرت کو نہ صرف جانتے تھے بلکہ حضرت کے معتقد بھی تھے وہ حضرت کو دیکھ کر اپنی گاڑی روک لیتے اور ساتھ چلنے پر اصرار کرتے اور منزل مقصود تک پہنچانے کی خواہش کا اظہار کرتے، لیکن حضرت ہر ایک سے یہ کہہ کر معذرت کر لیتے کہ بھائی میں تو ان کے ساتھ آیا ہوں ان کو گاڑی کے ساتھ تنہا نہیں چھوڑ سکتا، چنانچہ آخر تک حضرت شہید رحمہ اللہ ہمارے ساتھ ہی رہے اور گاؤں پہنچنے تک ہماری گاڑی کئی مرتبہ کھڑی ہوگئی اس پر مجھے ندامت بھی ہوئی، پھر یہ کہ گاڑی کو دھکا دینے کی ضرورت پڑتی تو حضرت بھی لوگوں کے ساتھ شریک ہوجاتے۔بہرکیف! گاؤں پہنچنے تک ہم نے کافی مشقت اٹھائی لیکن حضرت شہید رحمہ اللہ نے نہ اس وقت کسی ناگواری کا اظہار فرمایا اور نہ اس کے بعد بھی کوثر وتسلیم میں دھلی ہوئی زبان سے کوئی حرف شکایت تو کجا اس کا تذکرہ تک سننے کی نوبت نہیں آئی۔

خدارحمت کندآں عاشقان پاک طینت را

حضرت شہید رحمہ اللہ کی دعاؤں کا اثر:

حضرت مولانا عبدالواحد صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ جب ہم گاؤں پہنچے تو نماز کا وقت قریب تھا، وضوء کرنے کے لئے پانی میسر نہیں تھا، پورے گاؤں میں چند ہی کنویں تھے جن میں پانی بہت ہی کم ہوتا تھا لوگ مشکل سے گزارہ کرتے تھے، کنوؤں پر ہر وقت مردوں اور عورتوں کی قطاریں لگی رہتی تھیں چنانچہ یہ قطاریں دیکھ کر حضرت نے مجھ سے پوچھا کہ مولانا صاحب یہ کیا ماجرا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت! اس پورے گاؤں میں پانی کی بہت قلت ہے کنویں اکثر خشک رہتے ہیں اس لئے کنووں پر لوگوں کا تانتا بندھا رہتا ہے، اور یہ پریشانی صرف ایک دن کی نہیں ہے روزانہ یہی صورتحال ہوتی ہے اس پر حضرت مسجد سے باہر نکل گئے اور ہاتھ اٹھا کر خوب نہایت ہی الحاح وزاری کے ساتھ پراثر اور پرکشش دعاء کی، چنانچہ حضرت اقدس کی دعاء اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور اس کے بعد سے ہمارے گاؤں میں پانی کی قلت دور ہوگئی ہے۔ الحمدللہ پانی کے سلسلے میں اب ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہے، ہر وقت کنویں پانی سے لبریز رہتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب صرف حضرت اقدس کی دعاؤں کی برکت اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور فضل کی وجہ سے ہوا۔

حضرت شہید کی دعاؤں سے ویزہ مل گیا:

قاضی محمد حنیف صاحب جو ہماری مسجد اور تبلیغی مرکز راولپنڈی کے بھی ذمہ دار ساتھیوں میں سے ہیں وہ بتاتے ہیں کہ ۱۹۹۲ء میں رائے ونڈ مرکز والوں نے ہماری تشکیل سات مہینے کیلئے شام اور لبنان کر دی۔ ویزہ کے حصول کے سلسلے میں ہم کئی دن اسلام آباد شہر میں کام کرتے رہے اور ساتھ ساتھ ویزہ کیلئے کوششیں بھی جاری رکھے ہوئے تھے۔ لیکن کامیابی نہ ہوتی۔ اس زمانے میں شام کے سفارتخانے والوں نے ویزہ دینے کیلئے کم از کم پچیس سال عمر کی شرط لگا رکھی تھی جبکہ ہماری جماعت میں عبدالحفیظ نامی ایک ساتھی کی عمر اس سے کافی کم تھی۔ جس کی وجہ سے وہ زیادہ پریشان نظر آتا تھا۔ ہم سب اللہ تعالیٰ سے دعائیں

بھی مانگتے تھے۔ایک دفعہ ہم گشت کرنے کیلئے جامع مسجد دارالسلام اسلام آباد سے باہر نکلے تو دیکھا کہ سامنے سے گاڑی میں بیٹھ کر مولانا عبداللہ صاحبؒ تشریف لا رہے ہیں۔ جماعت والوں کو دیکھ کر انہوں نے اپنی گاڑی رکوائی اور ہماری خیریت دریافت کر کے جب واپس جانے لگے تو ہم نے عرض کیا کہ حضرت ہمارے لئے خصوصی دعا فرمائیں ہمارے ویزے کا مسئلہ حل نہیں ہورہا اور ہمارے یہ ساتھی عبدالحفیظ پریشان بھی ہیں کیونکہ ان کی عمر شرط کے مطابق کم ہے۔

حضرت نے اسی وقت دعا فرمائی اور فرمایا کہ فکر نہ کریں انشاء اللہ تمہارا ویزہ لگ جائے گا۔ دوسرے دن ہم نے معلومات کیلئے ایک ساتھی کو سفارتخانے بھیجا وہ خوشی خوشی واپس آیا اور خوشخبری سنائی کہ عبدالحفیظ سمیت تمام ساتھیوں کا ویزہ لگ گیا ہے اور پاسپورٹ بھی ساتھ ہی لیکر آیا ہم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور بہت خوش ہوئے اور یہی سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کی سن لی ورنہ ہم کئی دنوں سے چکر لگا لگا کر تھک چکے تھے۔

الحمدللہ شام میں ہم نے خوب کام کیا اور وہاں سے لبنان کیلئے بھی بآسانی ہمارا ویزہ لگ گیا، جبکہ ہمیں کہا یہ گیا تھا کہ لبنان کے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔اس کیلئے ویزہ ملنا بہت ہی مشکل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ سے خوب دعا مانگیں۔

ایک دیندار بچی کا خواب:

علامہ عبدالرشید غازی صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت والد صاحب نے خود ہی ایک دفعہ یہ واقعہ مجھے سنایا کہ ٹیکسلا جاتے ہوئے راستے میں سڑک کے بائیں طرف ایک بستی آتی ہے۔اس بستی میں ایک نیک اور صالح آدمی رہتا ہے۔ان کی تین بچیاں تھیں جو نہایت پرہیزگار اور دیندار تھیں۔جن میں سے دو بڑی بچیوں کا نکاح انہوں نے مجھ سے پڑھوایا تھا۔تیسری اور سب سے چھوٹی بچی کا نکاح پڑھوانے کیلئے وہ بزرگ خود اپنی گاڑی لیکر میرے پاس آئے اور مجھے اپنے گاوں لے جانے پر اصرار کیا لیکن میں نے معذرت کر لی ، کیونکہ اگلے روز جس دن نکاح کا پروگرام تھا اسی دن میں نے کشمیر میں ایک پروگرام میں

جانے کیلئے وعدہ کررکھا تھا۔ایک ہی دن میں دونوں کام نہیں ہوسکتے تھے،اس لئے میں نے معذرت کرلی۔اگلے دن جب کشمیر جانے کیلئے میں نے تیاری کرلی تو اتنے میں وہاں سے فون آیا کہ آپ آج کشمیر تشریف نہ لائیں۔ہمارا پروگرام ملتوی ہوگیا ہے۔جس دن بھی پروگرام ہوگا ہم آپ کو اطلاع کردینگے۔جب یہ پروگرام کینسل ہوگیا تو یاد آیا کہ مجھے تو گذشتہ روز فلاں صاحب اپنی بیٹی کے نکاح کے لئے لینے آئے تھے اور بہت ہی اصرار بھی کررہے تھے چنانچہ میں نے ٹیکسلا کی طرف نکلنے کا ارادہ کرلیا اور ایک گاڑی بک کراکے روانہ ہوگیا تاکہ بروقت وہاں پہنچ سکوں،جب میں وہاں پہنچا تو وہ بزرگ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمیں تو پورا یقین تھا کہ آپ ضرور تشریف لائیں گے۔میں نے حیرت سے پوچھا کہ آپ کو تو معلوم تھا کہ میں نے کشمیر کی طرف جانا ہے،پھر آپ کو کیسے یقین ہوگیا،وہ کہنے لگے کہ بات دراصل یہ ہے کہ میری بچی کو جب معلوم ہوا کہ مولانا عبداللہ صاحب نے میرا نکاح پڑھانے سے معذرت کرلی ہے،تو وہ بہت زیادہ روئی کیونکہ میری دوسری دو بچیوں کا نکاح بھی آپ ہی نے پڑھایا تھا اور اس بچی کی بھی خواہش یہی تھی کہ میرا نکاح بھی مولانا عبداللہ صاحب ہی پڑھائیں۔چنانچہ وہ روتے روتے سوگئی رات کو خواب میں اس کو سرکار دوعالم کی زیارت ہوئی۔آپ نے بچی سے پوچھا کہ بیٹی!کیوں رو رہی ہو؟بچی نے کہا کہ حضور!مولانا عبداللہ صاحب نے میرا نکاح پڑھانے سے معذرت کرلی ہے۔اس پر آنحضور نے فرمایا کہ بیٹی مت روؤ تمہارا نکاح عبداللہ ہی پڑھائیں گے۔صبح بچی نے جب یہ خواب ہمیں سنایا تو ہم نے یقین کرلیا کہ اب اس بچی کا نکاح آپ کے علاوہ کوئی نہیں پڑھا سکتا۔کیونکہ میرے آقا کا فرمان کبھی غلط نہیں ہوسکتا۔

ایک عالم دین پر قاتلانہ حملہ:

قاری ایاز احمد عباسی صاحب سناتے ہیں کہ حضرت شہیدؒ ہفتے میں ایک دفعہ ضرور ہمارے مدرسہ میں تشریف لاتے تھے ایک دفعہ جب آئے تو فرمانے لگے کہ قاری صاحب آج رات میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے،اس لئے آئندہ آپ

ذرا احتیاط کریں۔اس زمانے میں ہماری مسجد کےقریب اہل تشیع کی اکثریت تھی۔اہلسنت والجماعت بہت کم تعداد میں تھے۔ میں نے حضرت کی بات کوسنجیدگی سےنہیں لیااورسن کر ٹال دیا۔اس کے بعد غالباً تیسرے یاچوتھے دن میں اپنے گھر سےمسجد کی طرف جارہاتھا کہ راستے میں مخالف فرقے کے چندلوگوں نے مجھ پرچھریوں سے قاتلانہ حملہ کردیااور مجھے پکڑ کر نیچے گرادیا۔ایک گھر کی چھت کےاوپر سے ان کی عورتوں نے مجھ پر اینٹوں کی بارش کردی۔لیکن جسے اللہ رکھےاسے کون چکھے۔قبل اس کے کہ وہ مجھ پرچھریوں سے وار کرتے اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ ساری اینٹیں انہیں پرآگریں جو میرےاوپر تھے۔میں تو نیچےگرا ہواتھا۔جس سے وہ لوگ زخمی ہوکرخون میں لت پت ہوگئے اورالحمدللہ ان کے اندر مجھ پر مزیدوار کرنے کی سکت ہی نہ رہی۔اسی دوران میں بھاگنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ خبر راولپنڈی اسلام آباد میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی چنانچہ کچھ ہی دیر میں پولیس والوں کی ایک بڑی ٹیم آفیسروں سمیت پہنچ گئی اور ہزاروں کی تعداد میں محلے کےلوگ بھی جمع ہوگئے۔حضرت شہیدؒ کو جب یہ خبر ملی تو وہ بھی اسی وقت بہارہ کہوپہنچ گئے،اگر پولیس والے بر وقت نہ پہنچ جاتے تو شاید بڑا تصادم ہوجاتا۔بہر حال اس وقت پولیس والوں اور مخالف فرقے والےلوگوں کے مقابلے میں حضرت شہیدؒ کی جرأت، بہادری، دلیری اور جوجلالی کیفیت میں نے دیکھی وہ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔جلالی انداز میں بار باران سے ایک ہی سوال کرتے کہ تم مجھے صرف اس سوال کا جواب دو کہ میرے بیٹے پرتم نے قاتلانہ حملہ کس وجہ سے کیا ہے؟ اس نے کیا جرم کیا ہے؟ ورنہ حالات قابو سے باہر ہوجائینگے اور ساری ذمہ داری حکومت اوران شرپسندعناصر پر عائد ہوگی،جواس واقعہ کے ذمہ دار ہیں۔ سارے آفیسر حضرات اوردوسرےلوگ حضرت شہیدؒ کے پاؤں پڑ گئے اور بار باراپنی غلطی پر سخت ندامت کا اظہار بھی کرتے اور آئندہ کوئی واقعہ رونما نہ ہونے کی یقین دہانیاں بھی کراتے،لیکن حضرت ان سے وہی سوال دہراتے،بالآخر میرے اصرار پرحضرت شہیدؒ ان کے ساتھ صلح کرنے پر آمادہ ہوگئے اور ان کے ساتھ صلح صفائی ہوگئی۔اس کے بعد سے

الحمدللہ آج تک ایسا کوئی معمولی سا واقعہ بھی پیش نہیں آیا۔

مظلوم کی بروقت مدد:

جامع مسجد غفوریہ اور جامعہ اسلامیہ انوارالقرآن جی الیون ٹو اسلام آباد کے مہتمم مفتی محمد عبداللہ مدظلہ نے یہ واقعہ احقر مؤلف کو سنایا کہ ہمارے علاقے اسکردو کا ایک آدمی ملازمت کے سلسلے میں اسلام آباد میں رہتا تھا۔ایک دفعہ محلے کے چند اوباش نوجوانوں نے ان کی خوبصورت اور خوب سیرت لڑکی کو اغواء کرنے کی سازش تیار کر لی۔ محلے کے ایک شریف آدمی کو کسی طرح سے اس سازش کے بارے میں کچھ شدبد ہوگئی جس پرانہوں نے بروقت لڑکی کے والد کو مطلع کر دیا کہ اس طرح کی حرکت ہونے والی ہے۔ ظاہر ہے یہ سن کر لڑکی کے والد نے پریشان ہونا ہی تھا۔ابھی وہ اسی پریشانی میں تھے کہ ان اوباش لڑکوں کو کس طرح روکا جائے، کسی نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ تم مرکزی مسجد لال مسجد کے مولانا عبد اللہ صاحب کے پاس چلے جاؤ اور ان کو ساری بات بتلا دو۔ چنانچہ وہ فی الفور حضرت شہید رحمہ اللہ کے پاس پہنچ گئے اور ساری صورتحال واضح کر دی۔حضرت نے ان کو تسلی دی کہ آپ بےفکر ہو جائیں یہ سارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔اس کے بعد آپ نے فوراً اس علاقے کے تھانے والوں کے ساتھ فون پر رابطہ کیا اور سختی سے فرمایا کہ اس کا سدّ باب ہو جانا چاہئے بصورت دیگر ہم کوئی قدم اٹھانے پر مجبور ہو جائیں گے، پھر کیا تھا کہ پوری انتظامیہ حرکت میں آ گئی اور محلے کے ان اوباش نوجوانوں کو پکڑ کر تھانے میں بند کر کے ان کی سرزنش کی گئی، اس طرح سے جہاں ایک غریب آدمی کی بیٹی اغوا ہونے سے بچ گئی وہاں ان نوجوانوں کی اصلاح بھی ہوئی۔

انسانیت کی بےلوث خدمت کی چند مثالیں:

سرورکائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ "واللہ فــــی عون العبد ماکان العبد فی عون أخیه "(مشکوٰۃ ص۴۲۲ ج-۱)

ترجمہ:- جب تک بندہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد اور تعاون میں لگا رہتا ہے۔
اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد میں لگے رہتے ہیں''

مشکوٰۃ شریف کی ایک اور حدیث ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

''من نفَّسَ عن مومن كربة من كرب الدنيا نفَّسَ
الله عنه كربة من كرب يوم القيامة'' (ص ۳۲ ج-۱)

ترجمہ:- جو شخص کسی مومن سے دنیاوی تکالیف میں سے کوئی تکلیف دور کر دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے اس بندے کی تکالیف دور کر دیں گے۔ حضرت شہید رحمہ اللہ کی ذات میں یہ وصف بھی بڑا نمایاں تھا مشکل وقت میں اور مصیبت کے وقت دوسروں کے کام آنا آپ کا امتیازی وصف تھا، اور آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی کہ جو بھی اپنی ضرورت پوری کرنے یا مشکل حل کرنے کے لئے آپ سے رابطہ کرتا، چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم بلاتفریق تعاون کی بھرپور کوشش فرماتے یا کسی مفید مشورہ سے نوازتے۔ احقر مؤلف ذاتی طور پر ایسے متعدد واقعات سے واقف ہے، جو حضرت شہیدؒ کے لئے انشاء اللہ العزیز ذخیرہ آخرت ہوں گے۔ مدارس کا تعاون، مساجد کی تعمیر کرنا، باہمی اختلافات میں صلح صفائی، معاملہ رفع دفع کرنا، مساجد کی کمیٹیاں بنانا اور ان میں اتحاد کی فضاء قائم کرنے میں مدد کرنا الغرض اسلام آباد اور راولپنڈی کی اکثر مساجد اور مدارس اپنی مشکلات کے سلسلہ میں آپ سے رجوع کرتے مختصر قصہ یہ کہ انسانیت کی خدمت کا جذبہ آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ حضرت کی شہادت کے بعد معلوم ہوا کہ بہت سے گھر ایسے تھے جن کے ساتھ حضرت شہید رحمہ اللہ ماہانہ مالی تعاون فرمایا کرتے تھے اور ہفتہ واران کی خبر گیری کیا کرتے تھے یہاں تک کہ مسجد کا کوئی نمازی کچھ نمازوں میں نظر نہ آتا تو ان کے بارے میں معلومات حاصل کرتے کہ وہ کہاں ہیں اور مسجد میں کیوں نہیں آتے ان کی خیریت دریافت کرتے لوگوں کے کاموں کی اتنی فکر رہتی تھی کہ بعض اوقات ایک آدمی کوئی کام کہہ کر خود بھول جاتا تھا لیکن حضرت اس کام کو یاد رکھتے بعض اوقات کام کر کے اس کو اطلاع کر دیتے کہ تمہارا فلاں کام ہو

چکا ہے۔کسی بھی شخص کیلئے کسی تعارف یا کسی کی سفارش کی بھی ضرورت نہیں ہوتی تھی اگر کوئی آدمی سفارشی رقعہ یا خط لیکر آجاتا یا پہلے اپنا تعارف کرانے کی کوشش کرتا تو آپ فرماتے کہ آپ پہلے اپنا کام بتلادیں خط بعد میں پڑھ لیں گے اور تعارف بھی ہوجائے گا۔حضرت مولانا ظہور احمد علوی صاحب دامت برکاتہ العالیہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کوئی آدمی کسی کام کے سلسلے میں حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ کا رقعہ لے کر آ گیا،حضرت نے رقعہ پڑھا اور فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب تو میرے شفیق استاد اور میرے مربی ہیں لیکن یہ کام تو میں اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے کرتا ہوں اگر آپ میرے استاد محترم کا رقعہ نہ بھی لاتے تو میں آپ کا یہ کام اتنی ہی توجہ کے ساتھ کر دیتا اگر کوئی کہہ دیتا کہ حضرت فلاں دفتر یا آفیسر کے پاس کام ہے اور آپ کی سفارش چاہیئے اگر آپ سفارش کر دیں گے تو یہ کام ہوسکتا ہے اگر آپ مناسب سمجھتے تو ضرور سفارش کرتے اور رقعہ لکھ دیتے اگر اس سے کام نہ بنتا تو ان کے ساتھ متعلقہ دفتر تک بھی چلے جاتے اور بالمشافہ اس آفیسر سے بات کر لیتے۔کسی کو مایوس نہ کرتے۔

محترم علامہ عبدالرشید غازی صاحب بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک آدمی حضرت والد صاحب کے پاس آئے اور کسی محکمہ میں متعلقہ آفیسر سے سفارش کرنے کی درخواست کی اور والد صاحب کو اپنے ساتھ مذکورہ آفیسر کے پاس لے جانے کی خواہش ظاہر کی تاکہ آپ ان سے بالمشافہ بات کریں اور ان کا کام ہوجائے۔والد صاحب نے ان سے پوچھا کہ آپ کے پاس کوئی گاڑی ہے؟ وہ کہنے لگا کہ حضرت میں تو سائیکل پر آیا ہوں آپ کیلئے ٹیکسی کا انتظام کر لیتا ہوں۔یہ سن کر والد صاحب نے اسے منع کر دیا اور ان کے اصرار کے باوجود ٹیکسی پر جانے کیلئے تیار نہ ہوئے اور انہی کے ساتھ سائیکل پر بیٹھ کر مذکورہ آفیسر کے دفتر چلے گئے اور ان کے کام کے بارے میں بات کی۔

حضرت مولانا محمد عبدالمعبود صاحب مدظلہ اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا شہیدؒ جس طرح دین کی اشاعت وترویج،تبلیغ وتدریس کیلئے انتھک محنت فرماتے تھے اسی طرح ”خیر الناس من ینفع الناس “ بھی ان کا مقصود زندگی تھا۔اسلام آباد

جیسے مرکزی شہر میں اقامت پذیر ہونے کی وجہ سے ضرورت مند لوگ مولانا شہیدؒ کی خدمت میں اپنے مسائل لے کر حاضر ہوتے اور مولانا بلا امتیاز حتیٰ المقدور ہر ایک کی حوصلہ افزائی فرماتے ان کے ساتھ دفاتر میں جاتے اور ساتھ یہ بھی فرماتے کہ بھائی کام تو اللہ تعالیٰ نے ہی کرنا ہے۔لیکن مجھے جہاں کہو گے ساتھ چلوں گا خدمت خلق ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

ایک غریب آدمی کی سفارش:

حضرت شہید سے تعلق رکھنے والے ایک بزرگ بتاتے ہیں کہ حضرت کے پاس کراچی سے ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ یہ خط فلاں صاحب نے آپ کو دیا ہے اور سعودی سفارتخانے میں میرا ایک کام ہے آپ کی سفارش چاہئے۔حضرت فرمانے لگے کہ خط تو میں بعد میں پڑھ لوں گا آپ یہ بتائیں کہ وہاں پر آپ کا کیا کام ہے؟ وہ آدمی کہنے لگا کہ حضرت میں غریب آدمی ہوں اتنے میں حضرت نے فوراً فرمایا: بھئی میں تو غریبوں کا خادم ہوں آپ اپنا کام بتائیں وہ کہنے لگا حضرت میں نے عمرہ ادا کرنے کے لئے کچھ رقم جمع کی ہوئی ہے اور اب میں عمرہ کے لئے جانا چاہتا ہوں ویزہ لگنے کی تاریخ ختم ہو چکی ہے اگر اس سال عمرہ نہ ہوا تو میری رقم خرچ ہو جائیگی پھر معلوم نہیں حرمین شریفین کی زیارت بھی ہو سکے گی یا نہیں ،حضرت فرمانے لگے اللہ کے بندے ویزہ لگنے کی تاریخ تو کب کی ختم ہو چکی ہے آپ تو بہت دیر سے آئے ہیں اب ویزہ کیسے لگ سکتا ہے؟ یہ سن کر اس آدمی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔حضرت نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو فرمانے لگے کہ چلو سعودی سفارتخانہ چلے جاتے ہیں اور سفیر صاحب سے بات کر لیتے ہیں اللہ کرے وہ مان جائے چنانچہ حضرت اس آدمی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر چل دیئے سفارتخانہ پہنچ کر حضرت نے اپنا کارڈ اندر بھیجا تو اندر سے حکم آیا کہ مولانا صاحب کو فوراً اندر لے آؤ ہم لوگ باہر انتظار میں بیٹھ گئے۔جب حضرت واپس تشریف لائے تو راستے میں میں نے پوچھا کہ حضرت! اس آدمی کے کام کا کیا بنا فرمانے لگے الحمدللہ ان کا کام ہو گیا میں حیران ہو گیا کہ حضرت یہ کیسے؟ ویزہ کی آخری تاریخ تو بہت پہلے ختم ہو چکی تھی، تو حضرت مسکرائے اور فرمانے لگے کہ جب میں سفیر

صاحب کے پاس پہنچا تو وہ خوشگوار موڈ میں تھے مجھے دیکھ کر وہ خوش ہو گئے اور باتوں باتوں میں میں نے ان سے پوچھا کہ شیخ! آپ نے کتنی شادیاں کی ہیں، شادی کا نام سن کر وہ بہت ہنسا پھر ہاتھ کی چار انگلیوں سے اشارہ کر کے کہنے لگا چار، پھر ہنسا اور مجھ سے پوچھا کہ آپ نے کتنی شادیاں کی ہیں میں نے ان کو بتایا کہ میں نے تو ایک ہی پر اکتفا کیا ہے یہ سن کر وہ پھر ہنسا جب وہ خاموش ہو گیا تو میں نے اس آدمی کے بارے میں بات کی کہ ایک غریب آدمی ہے عمرہ ادا کرنا چاہتا ہے آپ اس پر مہربانی فرمائیں یہ کہہ کر میں نے اس کے کاغذات اس کے آگے رکھ دیئے اس نے فوراً کلرک کو بلایا اور کاغذات ان کو دے کر حکم دیا کہ ان کو فوراً تیار کر کے لاؤ۔ جب کلرک نے اپنا کام مکمل کر لیا تو سفیر صاحب نے اس پر دستخط کر دئے اور ویزہ جاری کر دیا۔

حضرت مولانا محمد عبدالمعبود صاحب اپنے ایک مضمون میں تحریر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ احقر کو بھی کسی کام سے شہید اسلام کی خدمت میں حاضر ہونا پڑا۔ ہمارے ایک پڑوسی کے دوست لاہور کے باشندے تھے ان کا اکلوتا بیٹا حادثہ میں فوت ہو گیا۔ اس کے ماں باپ غم واندوہ سے نڈھال ہو گئے۔ کسی طرح انہیں صبر نہیں آتا تھا۔ جواں سال بیٹے کی مرگ نے ان کا سکھ چین غارت کر دیا۔ کسی خیر خواہ نے انہیں مشورہ دیا کہ دونوں میاں بیوی حج پر چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو سکون عطا فرما دے گا۔ انہیں یہ مشورہ پسند آ گیا اور بیرون ملک سے ڈرافٹ منگوالیا لیکن اتفاق سے حج درخواستوں کی تاریخ ختم ہو جانے کے بعد ڈرافٹ ملا۔ جس سے ان کی پریشانی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ انہیں کسی نے کہا کہ تم راولپنڈی چلے جاؤ وہاں کسی کے ذریعے وزارت مذہبی امور میں کوشش کرو اللہ آسانی فرمائے گا۔

وہ دونوں راولپنڈی ہمارے پڑوسی کے ہاں آ گئے۔ پڑوسی ان کو ساتھ لے کر میرے پاس آ گیا کہ اسلام آباد میں مولانا محمد عبداللہ سے یہ کام کروانا ہے۔ ان کی دکھ بھری داستان سن کر میرے لئے انکار کی گنجائش نہ تھی۔ میں نے ان سے کہا مولانا محمد عبداللہ نماز

مغرب کے بعد درس قرآن دیتے ہیں اس وقت ان سے ملاقات آسانی سے ہو جائے گی۔

میرا پڑوسی، لاہور والے صاحب اور میں تینوں غروب آفتاب کے قریب لال مسجد پہنچ گئے دیکھا کہ مولانا مسجد ہی میں لوگوں کے ہجوم کے اندر تشریف فرما ہیں۔ نماز کا وقت قریب تھا مجھے فرمایا۔ میرے بہت دور سے مہمان آئے ہوئے ہیں نماز کے بعد ان کی بات سننی ہے۔ تم نماز کے بعد درس دو اور پھر تمہاری بات سنوں گا۔

اگر چہ میں اس قابل نہ تھا کہ حضرت کی مسند پر بیٹھ کر درس دیتا لیکن ''الامر فوق الادب'' چار و ناچار تکمیل ارشاد کرنا پڑی۔

درس کے بعد فرمایا اب بتائیں کیسے آنا ہوا۔ میں نے ساری تفصیل عرض کر دی۔ ارشاد فرمایا۔ بھائی کام تو اللہ نے کرنا ہے۔ میں تمہارے ساتھ ضرور چلوں گا۔ قومی اسمبلی کا اجلاس ہو رہا ہے۔ وہاں چلے چلیں گے۔ کوئی آدمی مل جائے تو اس سے کہہ دیں گے۔ اللہ کام کر دے گا۔ تم لوگ کل صبح آٹھ بجے یہاں پہنچ جانا۔

اگلے روز علی الصبح ہم تینوں لال مسجد پہنچ گئے۔ مولانا فوراً تیار ہو گئے۔ ٹیکسی لی اور اسمبلی ہال پہنچ گئے۔ حسن اتفاق سے ادھر ہم اسمبلی ہال کے گیٹ پر پہنچے ہی تھے کہ ادھر وزارت مذہبی امور کے سیکرٹری اپنی گاڑی سے اتر رہے تھے۔ مولانا نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً گویا ہوئے، شوکت صاحب آپ اجلاس میں بعد میں جانا پہلے اس آدمی کو ساتھ لے کر اپنے دفتر جائیں اور ان کا فارم بھر کر ڈرافٹ بینک میں جمع کرا کے رسید ان کے سپرد کر دیں۔

مولانا سیکرٹری مذہبی امور کو اس طرح حکم دے رہے تھے گویا آپ ہی وزارت مذہبی امور کے مسند نشین ہیں، اور سیکرٹری بھی بلا چوں و چراں حکم بجا لانے پر فوراً کمر بستہ ہو گیا۔ ہم یہ منظر دیکھ کر ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرد درویش کو کیسی شان عطا فرمائی ہے کہ اتنے بڑے بڑے لوگ ان کے سامنے سرنگوں ہیں۔ یوں بحمد اللہ وہ کام اسی وقت مکمل ہو گیا۔ **ذلک فضل الله یوتیه من یشاء**۔

ایک غریب اللہ والے کی دعوت:

اسلام آباد کے ایک رہائشی جن کا حضرت شہیدؒ کے ساتھ تعلق تھا سناتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم مسجد میں حضرت کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، کہ ایک مفلوک الحال غریب آدمی آیا اور حضرت کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ حضرت نے اپنی جیب سے پانچ سوروپے نکال کر اس کو دیئے جب وہ آدمی اٹھ کر جانے لگا تو حضرت نے اس کو پھر بلایا اور جیب سے تسبیح نکال کر وہ بھی اس کو دیدی اور فرمایا کہ اس پر اللہ کا ذکر کرو۔ پھر ان سے فرمانے لگے کہ کل پھر آ جانا دوسرے دن وہ آیا۔ معلوم نہیں حضرت نے ان کو کیا کچھ دیا، پھر حضرت کو اس نے اپنے گھر کھانے کی دعوت دی۔ حضرت نے فوراً اس کی دعوت قبول کر لی۔ میں نے کہا کہ حضرت! یہ نادار آدمی ہے اور دعوت بھی دے رہا ہے تو حضرت فرمانے لگے یہ مخلص اور مجذوب آدمی ہے مجذوب لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں دوسرے دن میں نے پوچھا کہ حضرت اس کی دعوت کیسی تھی تو حضرت فرمانے لگے کہ ایسا لطف آیا کہ کبھی زندگی میں ایسا مزہ نہیں آیا تھا۔ میں نے کہا کہ ایک غریب آدمی نے اتنی اچھی دعوت کی۔ تو حضرت نے فرمایا کہ یہ سب اس کے خلوص اور پرہیز گاری کی وجہ سے تھا۔

جامعہ کے ایک استاد کا بیان:

جامعہ کے استاد مولانا معظم علی صاحب نے احقر کو سنایا کہ ایک مرتبہ میرے دانت میں انتہائی شدید درد تھا، میں انتہائی بے چینی اور پریشانی کے عالم میں بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں حضرت تشریف لے آئے اور پوچھا کہ بیٹا کیا بات ہے؟ پریشان کیوں ہو؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت میرے دانت میں شدید تکلیف ہے۔ فرمانے لگے کہ بیٹا میرے ساتھ چلو اور ڈاکٹر سے دوائی لے لو، اسی وقت گاڑی میں بٹھا کر پولی کلینک ہسپتال لے آئے اور دانتوں کے سب سے بڑے ڈاکٹر کے پاس لے گئے اور ان سے فرمانے لگے کہ یہ میری جامعہ کے استاد ہیں چیک کر کے کوئی اچھی سی دوا دے دیں ان کو تکلیف زیادہ ہے، یہ کہہ کر چلے گئے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ڈاکٹر مرزائی تھے لیکن حضرت کے ساتھ اٹھ کر ملے اور اچھے انداز میں پیش آئے، الحمدللہ میرے لئے دوا بھی اچھی لکھ کر دی۔

اسی طرح شناختی کارڈ بنواتے وقت شناختی کارڈ کے دفتر والوں نے میرے (مولانا معظم علی صاحب) اور میرے گھر والوں کے شناختی کارڈ پر نام غلط درج کر دیئے میں نے حضرت سے عرض کیا کہ اس طرح ہمارے نام غلط لکھے گئے ہیں، حضرت نے اسی وقت شناختی کارڈ کے متعلقہ آفیسر کے نام رقعہ لکھا کہ ان کے ناموں کی تصحیح کر لی جائے، میں نے فارم بھر دیئے اور دوبارہ جمع کروا دیئے لیکن شناختی کارڈ والوں نے ان پر کچھ اعتراضات لگا کر واپس کر دیئے، اور اپنے علاقے سے تصدیق کرا کے لانے کے لئے لکھا، جب حضرت کو معلوم ہوا کہ رقعہ سے کام نہیں بنا ہے تو میرے ساتھ اس آفیسر کے پاس تشریف لے گئے اور فرمانے لگے کہ یہ ہماری جامعہ کے استاد ہیں ہمارے اساتذہ مصروف لوگ ہوتے ہیں ان کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا ہے، محترم آپ ان کا وقت ضائع نہ کریں کام کر کے دیں مہربانی ہوگی۔ اس پر اس آفیسر نے دستخط کر کے اسی وقت جمع کرا دیئے، اور تین یا چار دن کے بعد ہمیں اپنے تصحیح شدہ کارڈ مل گئے۔

ایک معصوم بچے کی سفارش:-

بھائی منظور حسین صاحب بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ مسجد میں ہم حضرت کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دس یا گیارہ سال کا ایک بچہ آیا اور کہنے لگا حضرت! فلاں آفیسر کے پاس میرا ایک ضروری کام ہے آپ میری سفارش کر دیں ہم حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے کہ ایک چھوٹے سے بچے کا کسی دفتر میں کیا کام ہو سکتا ہے؟ اس نے زیادہ اصرار کیا تو حضرت نے ان سے پوچھا کہ تم تو چھوٹے سے بچے ہو تمہارا اس دفتر میں کیا کام ہے، بچے نے اپنا کام بتا دیا تو حضرت مطمئن ہو گئے اور اس آفیسر کے نام ایک رقعہ لکھا اور بچے کے ہاتھ میں تھما کر آپ نے ان سے پوچھا کہ بیٹے! بتاؤ کہ تم اس سے کیا کہو گے؟ بچہ کہنے لگا کہ میں ان سے کہوں گا کہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب میرے دوست ہیں اس نے یہ رقعہ لکھ کر دیا ہے۔ اس پر حضرت مسکرائے اور بہت خوش ہوئے حاضرین مجلس بھی خوب ہنسے پھر اس کو سمجھایا کہ اگر وہ تمہارا کام نہ کرے تو پھر میرے پاس آ جانا میں آپ کے ساتھ اس کے

دفتر میں جاؤں گا،اور انشاءاللہ تمہارا کام ہو جائے گا تم تو میرے دوست ہو۔

ملک کے اطراف و اکناف سے اکثر علماء کرام اپنے متعلقین کو سفارش کے لئے حضرت کے پاس بھیج دیتے تھے، ہر نماز کے بعد محراب کے پاس ایک جمگھٹا لگا رہتا تھا، جس کو جو کام درپیش ہوتا عرض کر دیتا، اگر مناسب سمجھتے تو اپنے کارڈ کے اوپر سفارش لکھ کر دیتے اگر کسی دفتر میں جانے کی ضرورت پڑتی تو دفتر میں جا کر متعلقہ آفیسر سے بات کر لیتے کام ہونا یا نہ ہونا اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن آپ کسی کو مایوس نہ کرتے یہاں تک کہ اگر کوئی غیر مسلم بھی سفارش کے لئے کہہ دیتا تو اس کی بھی مدد اور تعاون ضرور فرماتے۔

بروقت سفارش:

حضرت مولانا مہر محمد صاحب (میانوالی) بتاتے ہیں کہ 1986ء کو میں کسی ضروری کام کیلئے دارالعلوم دیوبند جارہا تھا اور میرے ساتھ کچھ کتابیں بھی تھیں لاہور میں کسٹم کے ایک رافضی آفیسر نے سب کتابیں فرقہ وارانہ مواد قرار دیکر ضبط کر لیں اور مجھے انڈیا جانے سے روک دیا گیا۔اس سے پہلے کہ وہ مجھے گرفتار کروا کر اخبارات میں خبر چھپواتا، میں تیزی سے نکل آیا اور سیدھا اسلام آباد پہنچ کر حضرت شہیدؒ کو اطلاع کر دی۔آپ اسی وقت مجھے یہاں کے بڑے کسٹم آفیسر کے پاس لے گئے۔اور ان سے اس سلسلے میں بات کی انہوں نے لاہور کے متعلقہ بڑے آفیسر سے فون پر رابطہ کر کے ان کو تنبیہ کی چنانچہ میں دوسرے دن ریلوے کسٹم آفس لاہور سے وہ مال چھڑا لایا اور انڈیا کی گاڑی میں عازم سفر ہوا۔

ایک اجنبی مسافر کی دعائیں:

اس طرح کے واقعات سے حضرت کی زندگی بھری پڑی ہے، حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب نے ایک دفعہ احقر کو یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ گھر میں ایک آدمی آیا اور والد صاحب کے پاس آتے ہی رونا شروع کر دیا۔والد صاحب نے ان سے پوچھا کہ بھائی

کیوں رورہے ہوکوئی وجہ تو بتاؤ وہ کہنے لگا کہ میں موچی ہوں کئی سال مزدوری کر کے میں نے عمرہ ادا کرنے کے لئے کچھ رقم جمع کرلی تھی یہاں آیا پاسپورٹ سعودی سفارتخانہ میں جمع کروایا، بینک ڈرافٹ بھی بنوایا، اور جہاز کا ٹکٹ بھی خریدا، لیکن افسوس کہ میرے پاسپورٹ کی پرچی جو سعودی سفارت خانے نے جاری کی تھی، بینک ڈرافٹ اور ٹکٹ سب گم ہوگئے ہیں، میں غریب آدمی ہوں کیا کروں کہاں جاؤں؟ والد صاحب نے ان کو تسلی دی اور ان کو ساتھ لے کر سعودی سفارتخانہ پہنچے، ان سے کہا کہ اس سے پاسپورٹ جمع کرنے کی پرچی گم ہوگئی ہے مگر یہ خود تو موجود ہے اس لئے اس کی شکل وصورت دیکھ کر اس کو پاسپورٹ دیدو، پھر خود ٹکٹ والوں کے پاس گئے اور نیا ٹکٹ جاری کروایا۔ بنک ڈرافٹ بھی نیا بنوایا، اس طرح اس غریب آدمی کے سارے مسائل حل ہوگئے، اب تو اس آدمی کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی اور وہ والد صاحب کو دعاؤں پر دعائیں دے رہا تھا۔

آخرت کی فائل:

سرکاری ملازمین کی کارکردگی سے متعلق متعلقہ سرکاری دفتر میں ذاتی فائلیں بنائی جاتی ہیں، اس طرح کی ایک فائل حضرت شہیدؒ کے بارے میں بھی تیار کی گئی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ محکمۂ اوقاف کے ایک آفیسر حضرت شہیدؒ کے پاس آئے اور کہنے لگا کہ مولانا صاحب! آپ کی سرکاری ذاتی فائل بہت خراب ہے، آپ کے بارے میں منفی رپورٹیں آرہی ہیں، آپ حکومت کے خلاف بولتے ہیں اور دینی تحریکوں میں بھی حصہ لیتے رہتے ہیں، اگر آپ کی ذاتی فائل اسی طرح سے خراب ہوتی رہی تو مستقبل میں آپ کی ترقی وغیرہ سے متعلق مسائل پیش آئینگے۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ جناب! فائلیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک دنیاوی فائل جو آپ حضرات دفتر میں تیار کرتے ہیں اور دوسری اُخروی فائل جو اللہ تعالیٰ کے فرشتے تیار کرتے ہیں ہمیں تو اُخروی فائل کی فکر رہتی ہے کہ وہ صحیح ہو اس میں منفی رپورٹیں نہ ہوں اور مثبت رپورٹیں شامل ہوں، مجھے اپنے دفتر کی فائل کی کوئی فکر نہیں کہ اس میں کیا رپورٹیں شامل ہیں کیا نہیں ہیں؟ یہ سن کر وہ آفیسر صاحب خاموش ہوگئے اور چلے

گئے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے کیا ہی خوب فرمایا۔ ؎

؎ ہم ایسے رہے کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

شرابی نمازی بن گیا:-

کسی زمانے میں محکمۂ اوقاف کے ڈائریکٹر محترم جناب خواجہ حامد صاحب کے پاس محکمۂ اوقاف ہی کا کوئی آفیسر حضرت شہیدؒ کی شکایت لے کر پہنچ گیا اور فائل ان کے سامنے رکھ دی، خواجہ صاحب نے فائل دیکھی اور جواب میں فرمایا کہ اس آدمی کی عظمت اور دینداری کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میرا بھائی شرابی کبابی تھا، ان کی ایک تقریر سن کر وہ شراب پینے سے تائب ہو گیا، اور اب وہ پانچ وقت کی نمازیں باقاعدگی سے پڑھتا ہے۔ آئندہ کبھی ان کی کوئی شکایت لے کر میرے پاس نہیں آنا، چنانچہ وہ صاحب شرمندہ ہو کر واپس ہو گیا۔

کئی دفعہ ایسا ہوا کہ اوقاف کے متعلقہ ملازم نے آپ کے خلاف رپورٹ تیار کی اور کارروائی کیلئے متعلقہ بڑے آفیسر کے پاس پہنچے تو انہوں نے آپ کیخلاف کارروائی کرنے سے گریز کیا اور فائل کو وہیں نمٹا دیا۔ ایسے ہی ایک رپورٹ جب متعلقہ کسی آفیسر کے پاس پہنچی تو بھرپور تیاری کر کے وہ آفیسر متعلقہ بڑے آفیسر سے ملاقات کیلئے لاہور پہنچا۔ ملاقات کے بعد ابھی انہوں نے مولانا کیخلاف تیار کردہ فائل آگے نہیں رکھی تھی کہ اس بڑے آفیسر نے خود ہی بات شروع کرتے ہوئے کہا کہ یار اسلام آباد میں ایک بڑے خطیب ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں بات آگے بڑھا کر کہنے لگے کہ ہمارے ایک کزن فوت ہوئے ان کی نماز جنازہ انہوں نے پڑھائی جنازہ پڑھانے سے پہلے انہوں نے انتہائی رقت آمیز تقریر فرمائی موت وحیات قبر اور آخرت کی حقیقت بتائی اور مختصراً وہاں کے احوال بتائے۔ تقریر ایسی پر اثر تھی کہ ہمارے کئی جاننے والے تائب ہو کر ہدایت اور سیدھی راہ پر آگئے ہیں۔ آپ جب اسلام آباد پہنچ جائیں تو ان کو میرا اسلام پہنچا دینا اور دعاؤں کی درخواست

کرنا۔ وہ آفیسر تو یہ سوچ کر گیا تھا کہ حضرت شہیدؒ کے متعلق کوئی سخت فیصلہ کراؤں گا مگر ان کی باتیں سن کر اسے مایوس ہو کر واپس لوٹنا پڑا۔

حضرت شہیدؒ کی کیسٹیں:۔

جمعہ کے اجتماع میں حضرت کا بیان صرف آدھے گھنٹے کا ہوا کرتا تھا، حضرت کے سیکرٹری جناب بھائی عطاءالرحمٰن صاحب جمعہ کی تقاریر اپنے طور پر کیسٹ میں ریکارڈ کرتے رہتے تھے۔ اگر چہ بہت سارے بیانات کیسٹ میں محفوظ نہیں ہو سکے لیکن جو بیانات اب کیسٹوں میں محفوظ ہیں صرف ان کیسٹوں کی تعداد تین سو سے زائد ہے ان تمام تقاریر کو تحریری شکل میں لایا جائے تو کئی جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے، یہ تمام تقریریں اہل علم اور عوام الناس کی ہدایت کے لئے بڑی افادیت کی حامل اور سالکین کے لئے بیش بہا قیمتی سرمایہ ہیں، اگر کوئی نیک بخت ان بیانات کو تحریری طور پر مرتب کرنے کا کام سرانجام دیدے تو علماء، خطباء، واعظین اور عوام الناس کے لئے بہترین تحفہ ثابت ہو سکتی ہیں۔

حضرت شہیدؒ کا قرآن کریم پڑھنے کا انداز:۔

اللہ تعالٰی نے حضرت شہیدؒ کو دیگر کمالات کی طرح قرآن کریم پڑھنے کا انداز بھی عجیب دیا تھا، تلاوت قرآن میں سوز وگداز ایسا ہوتا تھا کہ سننے والا متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ خاص طور پر جمعہ اور فجر کی نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہو جاتے تو قرأت میں قدرے طوالت اختیار کرتے تلاوت کی آواز دِل کی گہرائیوں سے نکلتی اور سننے والے کے دل میں اتر جاتی، پڑھنے کا انداز اور طرز حقیقی ہوتا مصنوعی اور تکلف کا شائبہ تک نہ ہوتا۔

ہمارے کھوٹے اعمال:

حضرت شہیدؒ کے انداز بیان میں جو تڑپ اور گداز تھا وہ عام اکثر واعظین کے بیان میں نہیں ہوتی ہیں، آپ کی ہر بات دل سے نکلتی تھی اور سامعین کے دل پر اثر کرتی۔

؎ دل سے بات جو نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

پَر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

یہ کیفیت صرف اس شخص میں پیدا ہوسکتی ہے جس میں درد دل ہو، انسانوں کی ہدایت کی فکر اور تڑپ ہو، جامعہ فریدیہ کے استاد حضرت مولانا فخر الدین صاحب نے احقر کو حضرت کا ایک واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ حضرت شہیدؒ فیصل کالونی راولپنڈی میں واقع ہماری مسجد میں تشریف لائے۔اور حضرت کا ایک مختصر سا بیان ہوا جس میں حضرت نے فرمایا کہ ہمارے اعمال کی مثال تو کسی تاجر کے ان کھوٹے سکوں کی سی ہے جنکو وہ اپنے پاس جمع کر کے رکھا کرتا تھا۔لوگ اس کے پاس سودا سلف لینے کے لئے آجاتے اور اور سامان کے بدلے کھوٹے سکے دے کر چلے جاتے وہ تاجر ان کھوٹے سکوں کو بخوشی اپنے پاس رکھ لیتا اور کسی جگہ ان کو محفوظ کر لیتا۔قرائن سے جب اس کو یقین ہوگیا کہ اب میں مرنے والا ہوں تو اس نے اپنے تمام محفوظ کئے ہوئے کھوٹے سکے (جو کسی کام کے نہ تھے) ضائع کر دیئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور الحاح وزاری کرتے ہوئے التجاء کی کہ اے میرے مولا! مجھے تو تیرے بندے ساری زندگی کھوٹے سکے دیتے رہے اور میں بخوشی ان کو قبول کرتا رہا آج میرے کھوٹے اعمال بھی اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرما۔میرے ان کھوٹے اعمال کو نہ دیکھ، اپنے فضل وکرم کو دیکھ مجھے خالی ہاتھ نہ لوٹا، مولانا فخر الدین صاحب فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ بیان کر کے حضرت اتنے روئے کہ آنسوؤں سے آپ کا دامن تر ہوگیا اور تمام سامعین پر بھی رقت طاری ہوگئی۔اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو وہ تڑپ اور سوز نصیب فرماوے۔(آمین)

علامہ عبدالرشید غازی صاحب بتاتے ہیں کہ یہ واقعہ غالباً مجھے حضرت مولانا محمد مکی حجازی نے بتایا، یا کسی اور بزرگ سے میں نے سنا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت والد صاحبؒ جب بھی حرمین شریفین تشریف لاتے تو لوگوں کی دعوتوں اور ملاقاتوں سے حتیٰ المقدور بچنے کی کوشش کرتے تھے۔اور زیادہ وقت حرمین میں ہی ذکر واذکار اور عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ایک دفعہ میں (وہ بزرگ) ملتزم کے قریب مطاف میں بیٹھا ہوا تھا اچانک میری نظر ایک بزرگ پر پڑی جو ملتزم سے چمٹ کر خوب الحاح وزاری کرتے ہوئے انتہائی پراثر دعا مانگ رہے تھے اور ان پر عجیب کیفیت طاری تھی، میں ان کو دیکھ کر بڑا متاثر ہوا اور آگے

بڑھ کر ان کی دعاؤں میں شامل ہو گیا۔ دعا کے الفاظ بھی نہایت ہی پر درد تھے (دعا کے الفاظ بھی انہوں نے مجھے بتلائے تھے لیکن اس وقت یاد نہیں ہیں) جب وہ بزرگ دعا سے فارغ ہوئے تو میں نے دیکھا کہ وہ تو حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب ہیں۔

جامعہ کے استاد مفتی محمد اسامہ مغفور صاحب کے بقول حضرت الشیخ محترم جناب نواب عشرت علی قیصر صاحب دامت برکاتہ العالیہ نے اپنی مجلس میں حضرت شہیدؒ کے توکل کی تعریف فرمائی۔ پھر فرمایا میں نے بیت اللہ شریف میں ملتزم کے پاس مولانا عبداللہ صاحب کو اللہ تعالیٰ کے حضور گڑ گڑا کر دعا مانگتے ہوئے دیکھا تو بڑا رشک آیا۔ وہ نہایت ہی الحاح وزاری کے ساتھ دینی مدارس اور امت مسلمہ کے لئے دعا مانگ رہے تھے۔

اس زمانے میں جامعہ فریدیہ کافی مقروض ہو چکی تھی پاکستان واپسی پر جب مولانا سے ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے الحمدللہ میرے پاکستان پہنچنے سے پہلے ہی وہ سارا قرضہ ادا ہو چکا تھا۔ اور یہ صرف ایک سال کی بات نہیں ہے بلکہ تقریباً ہر سال ہی جامعہ لاکھوں روپے کی مقروض ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ قرضہ ادا بھی ہو جاتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب حضرت شہیدؒ کے توکل، اخلاص اور ان کی پُرخلوص دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

احیاء مدارس کے لئے حضرت کی کوششیں:-

حضرت شہیدؒ کو اکابر علمائے دیوبند کے ساتھ والہانہ تعلق اور ان پر غیر متزلزل اعتماد کی وجہ سے ان کے مسلک اعتدال کی نشر واشاعت اور ان کی تعلیمات کو عام کرنے کی جنون کی حد تک فکر تھی، اس سلسلے میں آپ نے کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ دامے درہمے سخنے قدمے ہر طرح سے دعوت وتبلیغ کی کوششوں اور انتھک محنت کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ دینی مراکز کا قیام، ان کی وسعت، ان کے اہتمام وانتظام کے لئے مخلص بندوں کا چناؤ، اور پھر ان کی راہنمائی پر بھی بھر پور توجہ دیتے تھے، یہی وجہ تھی کہ حضرت کی زیر سرپرستی سینکڑوں مدارس دینیہ ملک کے اطراف واکناف میں دینی خدمات انجام دینے میں مشغول تھے، چونکہ مدارس کے منتظمین اور مہتمم حضرات احیاء مدارس میں بنیادی کردار ادا

کرتے ہیں اس لئے ایسے حضرات کی راہنمائی، حوصلہ افزائی اور ترغیب وتحریص میں حضرت شہیدؒ بہت زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔

فرقہ بندی سے اجتناب:-

پیکر اخلاص حضرت مولانا شہیدؒ کے اندر ایک خاص صفت یہ تھی کہ ہر مسلک ومشرب کے آدمی کے ساتھ تعاون اور مہربانی کا سلوک فرماتے تھے، مسلم ہو یا غیر مسلم کسی کا بھی دل نہیں دکھاتے تھے، اور نہ ہی گفتگو اور بحث ومباحثہ میں کسی کی تنقیص کی عادت تھی، ہر انسان خواہ وہ بچہ ہو بوڑھا یا نوجوان ہر ایک کے ساتھ شفقت اور نرمی کا معاملہ فرماتے۔

حضرت مولانا عبدالغفور صاحب چانڈیو نے احقر کو اپنا ایک واقعہ سنایا کہ کمپلیکس ہسپتال کا ایک سنئیر ڈاکٹر جو مسلک کے اعتبار سے اہلِ تشیع سے تعلق رکھتا تھا، اہل بیت سے متعلق بحث کرنے کے لئے میرے پاس پہنچ گئے میں نے ان کو دلائل سے سمجھانے کی بڑی کوشش کی لیکن ان کی کسی طرح تشفی نہ ہوئی' آخر کار میں ان کو حضرت شہیدؒ کے پاس لے کر گیا، حضرت نے ان کے سوال پر کوئی اختلافی مسئلہ بیان نہیں فرمایا بلکہ اہلِ بیت کے ایسے ایسے واقعات اور فضائل بیان کئے کہ وہ آدمی حیرت میں ڈوب گیا اور کچھ ہی دنوں کے بعد وہ رافضیت سے تائب ہو کر مسلک اہل سنت والجماعت میں داخل ہو گیا، اور حضرت کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھا۔

جامع مسجد جمعیت اہل حدیث جی سکس ٹو کے مؤذن قاری عبداللطیف جب کبھی مرکزی جامع مسجد آئے اور حضرت اسے دیکھ لیتے تو نماز پڑھانے کیلئے آگے کر دیتے۔ قاری صاحب قرآن کریم بہت اچھے انداز میں پڑھتے تھے۔

علامہ عبدالرشید غازی صاحب بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ یمن کے سفیر نے حضرت والد صاحب کو افطاری کیلئے مدعو کیا۔ تو میں بھی ساتھ گیا۔ افطاری کے بعد حضرت والد صاحب نے سفیر سے اجازت لی کہ ہم قریب کسی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کر آجاتے ہیں سفیر صاحب کہنے لگے کہ قریب والی مسجد بریلوی مسلک والوں کی ہے۔

جواب میں والد صاحب فرمانے لگےکوئی حرج نہیں۔ہم نے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنی ہے ہو ہی جائے گی۔ چنانچہ ہم مسجد میں گئے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔نماز کے بعد جب امام صاحب نے والد صاحب کو دیکھا تو فوراً والد صاحب کے پاس پہنچ گئے اور بہت خوشی کا اظہار فرمایا کہ آپ نے ہماری مسجد میں نماز ادا کر کے ہم پر مہربانی کی ہے۔

تعصب چھوڑ ناداں دہر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری! جن کو سمجھا ہے برا تو نے

حضرت شہیدؒ کی ایک تمنا:-

حضرت شہیدؒ پوری زندگی شہادت کی آرزو لئے پھرتے رہے، کبھی کبھار طلباء سے فرمایا کرتے تھے کہ میری بڑی چاہت ہے کہ میں جا کر جہاد کے میدانوں میں دشمنوں کے ساتھ جہاد کروں لیکن کیا کروں میں اب بوڑھا ہوگیا ہوں کمزور اور ناتواں ہوں، افغانستان، کشمیر اور چیچنیا تو نہیں جا سکتا، تم میرے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی شہادت جیسی نعمت عظمٰی سے نوازے، شہادت کا تاج ہر کسی کو نہیں ملتا۔

جامعہ کے استاد مولانا محمد علی صاحب نے احقر کو اس سلسلے میں بتایا کہ جس دن حضرت علامہ شعیب ندیم صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب شہید کر دیئے گئے، اور ان دونوں کے جسد خاکی مرکزی جامع مسجد میں رکھے ہوئے تھے، حضرت شہیدؒ ان کے قریب کھڑے تھے، تو محلے کے ایک آدمی نے حضرت شہیدؒ سے عرض کیا کہ حضرت آپ ایسے ہی بغیر محافظ کے یہاں چلتے پھرتے ہیں، آپ ذرا احتیاط فرمائیں ایسا نہ ہو کہ کہیں دشمن آپ کو بھی اس طرح نقصان پہنچائے، اس پر آپ مسکرائے اور فرمایا کہ ایسی شہادت کی موت تو ہم اللہ سے مانگتے ہیں، ایسی موت ہر کسی کے نصیب میں کہاں ہے؟

بالآخر اللہ تعالیٰ نے حضرت شہیدؒ کی یہ دیرینہ آرزو بھی پوری کر دی اور مرکزی جامع مسجد اسلام آباد کے صحن میں دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کر کے آپ نے یہ ثابت کر دیا کہ میں دین حق کی بقاء کے لئے جان تو دے سکتا ہوں لیکن اپنے مشن سے

ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔

آپ کی جہاد کے ساتھ براہِ راست وابستگی:-

دشمنوں کے خلاف جہاد کرنے کی آرزو اور تمنا اپنی جگہ محمود ورنہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شہیدؒ کو درس وتدریس، دعوت وتبلیغ، دکھی انسانیت کی خدمت اور افضل الجہاد یعنی جابر بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنے کے لئے قبول فرمالیا تھا۔ مگر اس کے باوجود جہاد اور مجاہدین کے ساتھ وابستگی اور تعلق میں بھی سرِ مو کمی نہیں آئی، کئی جہادی تنظیمیں آپ سے وابستہ تھیں، مرکزی جامع مسجد میں علی الاعلان طالبان کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے لوگوں کو ترغیب دیتے تھے جو جہاد کے ساتھ براہِ راست وابستگی کی واضح دلیل ہے بارہا اس سلسلے میں آپ افغانستان بھی تشریف لے گئے، اسامہ بن لادن، ملا عمر سمیت طالبان کے سرکردہ راہنماؤں سے ملاقاتیں کیں اور ان کو مفید مشورے دیئے، ہر آڑے وقت میں ان کی بھرپور حمایت اور برسرِ منبران کے ساتھ اپنے تعلق کا اظہار کیا۔ یہاں تک کہ جمعہ کی تقریر میں اسامہ بن لادن اور ملا عمر کے ساتھ اپنی ملاقات کے بارے میں تفصیلات بتلائیں۔ جبکہ ان کا نام لینا بھی جرم سمجھا جاتا ہے۔

جہاد افغانستان اور جہاد کشمیر ہی نہیں بلکہ جہاں جہاں جہاد کے لئے کوششیں ہورہی ہیں ان سب کے ساتھ اعلانیہ طور پر تعاون اور مدد فرماتے تھے۔ جہاد اور مجاہدین خاص طور پر جہاد افغانستان کے حوالے سے آپ کی بیّن خدمات ہیں۔ زندگی کے آخری چند سالوں میں تو ان کا دل بس جہاد اور مجاہدین کے لئے دھڑکتا تھا باتیں جہاد کی ہوتیں تقریباً ہر تقریر میں جہاد اور مجاہدین کا ذکر ہوتا۔ جمعہ کی تقریر میں، درس میں، غرض ہر محفل میں جہاد اور مجاہدین کے لئے دعائیں ہوتیں، کسی بھی مناسبت سے ان کا ذکر چھڑ جاتا تو آپ خوب محظوظ ہوتے، اور مجاہدین سے جب ملتے تو ان کے لئے سراپا شفقت بن جاتے۔ ڈھیروں دعاؤں سے ان کو نوازتے۔

حضرت کن عہدوں پر فائز رہے:-

یوں تو اکثر وبیشتر دینی تحریکیں، جماعتیں، انجمنیں اور مدارس حضرت اقدس کی سرپرستی کے خواہشمند رہتے تھے اور ان کی خواہش کے مطابق حضرت ان کے ساتھ تعلق رکھتے اور تعاون بھی کرتے رہتے تھے، لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ آپ باقاعدہ طور پر کسی جماعت کے ساتھ منسلک نہیں تھے، اس لئے ہر جماعت والے حضرت کو اپنی جماعت اور تنظیم کا سرپرست سمجھ لیتے۔ حضرت کا یہ انداز بڑا نرالا تھا، اپنے بزرگوں میں بھی اس طرح کی شخصیتیں بہت کم ملتی ہیں، اس خوش اسلوبی کی وجہ تھی کہ ملک کے تمام علمائے کرام خواہ ان کا تعلق کسی بھی جماعت یا تنظیم سے ہو حضرت اقدس کا بڑا احترام کرتے اور راہنمائی حاصل کرتے۔

محدث عصر حضرت بنوریؒ کو بھی حضرت شہیدؒ پر بڑا اعتماد اور بھروسہ تھا۔ تحصیل تعلیم سے فراغت کے بعد امامت وخطابت کے ساتھ ساتھ حضرت بنوریؒ کے حکم سے کچھ عرصہ تک ماہنامہ ''بینات'' کی مجلسِ ادارت میں بھی رہے اور اس کی نشر واشاعت کا کام آپ ہی کے ذمہ تھا، اس کے علاوہ حضرت بنوریؒ نے آپ کو اپنے مدرسے کا مبلغ بھی مقرر فرمایا تھا۔ کئی سالوں تک جمعیت اہلسنت والجماعت راولپنڈی اور اسلام آباد کے صدر بھی رہے ہیں اور ادارۂ عالیہ تنظیم المساجد راولپنڈی اسلام آباد کے تاحیات سرپرست رہے، وفاق المدارس العربیہ اور مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی رہے ہیں اور آخر میں نواز شریف کے دورِ حکومت میں شہادت کے دن تک رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کے چیئرمین بھی تھے۔ ان عہدوں کے علاوہ کئی جماعتوں اور تنظیموں نے آپ کے ساتھ اعزازی طور پر وابستگی رکھی ہوئی تھی۔ اور بڑے بڑے سیاسی ومذہبی قائدین آپ سے مشاورت کے لئے مرکزی جامع مسجد اسلام آباد تشریف لاتے رہتے تھے۔ یہ حضرت شہید ہی کا خاصہ تھا کہ جامعہ فریدیہ کے اہتمام اور مرکزی جامع مسجد کی امامت وخطابت کے ساتھ ساتھ ان تمام ذمہ داریوں کا حق بھی ادا کرتے تھے اور مذکورہ عہدوں میں سے اکثر عہدوں

پر حضرتؒ بیک وقت فائز بھی رہے ہیں یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل، تقویٰ، تدین، للّٰہیت، خلوص اور حسن نیت ہی کی برکات تھیں، ورنہ بیک وقت ان تمام ذمہ داریوں کو نبھانا اور ان سے عہدہ برآ ہونا بظاہر مشکل تھا۔

محترم علامہ عبدالرشید غازی صاحب بتاتے ہیں کہ کسی زمانے میں صدر ضیاء الحق مرحوم ایک مجلس شوریٰ بنا رہے تھے۔ اس سلسلے میں ان کے ملٹری سیکرٹری صدر کا خصوصی پیغام لے کر دو دفعہ حضرت والد محترم کے پاس آئے کہ صدر صاحب آپ کو اس مجلس شوریٰ میں شامل کرنے کے خواہش مند ہیں۔ پہلی دفعہ والد صاحب نے صاف انکار کر دیا کہ میں اس طرح کی کسی شوریٰ میں شامل ہونا نہیں چاہتا۔

دوسری دفعہ جب سیکرٹری صاحب صدر صاحب کا پیغام لے کر آئے تو ساتھ کپڑوں کا ایک اعلیٰ قسم کا جوڑا بھی والد صاحب کیلئے لے کر آئے۔ اور کہا کہ صدر صاحب آپ کی شمولیت کے لئے اصرار کر رہے ہیں۔ والد صاحب نے جواب میں فرمایا کہ اگر صدر صاحب کی یہ مجلس شوریٰ صرف مشاورت کے لئے ہوگی اور صدر صاحب نے کرنا وہی ہے جو وہ کرنا چاہتے ہیں تو میں کسی صورت میں بھی شامل ہونے کیلئے تیار نہیں ہوں اور اگر وہ اس مجلس شوریٰ کو بااختیار بنا کر اس کے مشوروں پر عمل بھی کریں گے تو پھر میں اس پر سوچ سکتا ہوں، سیکرٹری صاحب کہنے لگے کہ اختیار تو سارا صدر صاحب کے پاس ہی ہوگا۔ لیکن آپ ان کی پیشکش قبول کر لیں ورنہ وہ ناراض ہو جائیں گے۔ والد صاحب فرمانے لگے کہ اس طرح اگر وہ ناراض ہو جاتے ہیں تو بے شک ناراض ہو جائیں مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ محض رکن ہونے کی حیثیت سے میں مجلس شوریٰ کا حصہ نہیں بن سکتا۔ چنانچہ والد صاحب نے صاف انکار کر دیا اور کپڑوں کا وہ جوڑا بھی واپس کر دیا۔

جامع مسجد رحمانیہ کے سلسلے میں صدر آزاد کشمیر سے ملاقات:-

احقر حضرت مولانا ظہور احمد علویؔ صاحب دامت برکاتہ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک مولانا صاحب تشریف لائے جو راولپنڈی گولڑہ موڑ کے قرب و جوار میں کہیں مسجد

اور مدرسے کی تعمیر کروار ہے تھے وہ فرمانے لگے کہ حضرت ہم تو مسجد اور مدرسہ کے سلسلے میں آپ کا نام استعمال کرتے ہیں، مقصدان کا یہ تھا کہ ہم اپنی مسجد اور مدرسے کا سرپرست آپ ہی کو ظاہر کرتے ہیں جس سے لوگ ہم پر اعتماد کرتے ہیں اور ہم سے تعاون کرتے ہیں، حضرت ان سے فرمانے لگے کہ بھئی مسجد اور مدرسے کے مالی، تعلیمی یا کسی بھی ضرورت اور فائدے کے لئے میرے نام کو استعمال کرنے کی بالکل اجازت ہے بلکہ یہ تو میری سعادت ہے کہ میری وجہ سے کسی مسجد یا مدرسے سے تعاون ہوجائے سبحان اللہ! ہمارے حضرت کا اخلاص و وسعت ظرفی دیکھئے کہ حضرت صرف اجازت ہی نہیں بلکہ خوشی کا اظہار فرمار ہے ہیں، پھر حضرت نے اس سلسلے میں اپنا ایک واقعہ سنایا۔فرمانے لگے کہ یہ اس زمانے کی بات ہے جب مولانا کوثر نیازی مرحوم وزیر مذہبی امور تھے انہی کے حکم پر درپردہ جامع مسجد رحمانیہ ایوب مارکیٹ اسلام آباد میں امام اور خطیب کے عہدے پر ایک مولوی صاحب کا تقرر ہوا جو عقیدے کے اعتبار سے کسی اور مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔اور اپنے عقیدے میں انتہائی متشدد تھے، جبکہ مسجد کے تمام نمازی دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔اس سلسلے میں مجھے بڑی فکر ہوئی کہ اس کا کیا حل نکالا جائے مستزاد یہ کہ مسجد کی انتظامیہ والے بھی پریشان تھے۔الغرض! انتہائی سوچ و بچار کے بعد ہم نے ایک تدبیر نکالی وہ یہ کہ اس مسجد کے قریب اس زمانے میں صدر آزاد کشمیر سردار محمد ابراہیم صاحب مرحوم کی رہائش گاہ بھی تھی، اس سلسلے میں ان سے بات کی جائے تو ہوسکتا ہے مسئلہ کا حل نکل آئے، چنانچہ ایک دن ان سے ملاقت کرنے کے لئے میں ان کی رہائش گاہ پہنچ گیا چونکہ اس زمانے میں بعض علمائے کرام سردار ابراہیم مرحوم کی مخالفت میں سردار عبدالقیوم صاحب کی صف میں کھڑے تھے اور ان کو مجاہد اوّل سمجھتے تھے اس لئے سیکورٹی کے پیش نظر مجھے اس وقت فوری طور پر براہِ راست ان سے ملنے نہیں دیا گیا، البتہ یہ کہا گیا کہ اگر آپ ان سے ملنا چاہتے ہیں تو آپ ان کے نوکر سے بات کریں وہ ان سے بات کر کے آپ کو صورتحال سے آگاہ کر سکتے ہیں، ان کی یہ بات سن کر فوراً اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ

ہمارے بزرگ ہیں اور مرکزی جامع مسجد کے خطیب بھی ہیں اس لئے میں نے اپنے نام کے بجائے حضرت مولانا صاحبؒ کے حوالے سے ان تک پیغام بھیج دیا کہ مرکزی جامع مسجد کے خطیب حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب ایک ضروری کام کے سلسلے میں کسی وقت آپ سے ملنا چاہتے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد اندر سے پیغام آیا کہ کل صبح نو بجے مولانا صاحب مجھے صرف فون کرکے آجائیں تاکہ ان کے پہنچنے تک میں دوسرے مہمانوں کو فارغ کرکے مولانا سے ملاقات کے لئے وقت نکال سکوں، یہ پیغام لے کر میں سیدھا مرکزی جامع مسجد پہنچ گیا اور حضرت کو سارا واقعہ عرض کردیا کہ آپ کو بتائے بغیر میں نے صدر آزاد کشمیر سے ملاقات کے لئے صبح نو بجے کا وقت طے کرلیا ہے؟ صبح نو بجے آپ ان کو فون کرکے صرف یہ بتادیں کہ ہم آپ کے پاس آرہے ہیں، حضرت شہیدؒ میری یہ بات سن کر مسکرادیئے اور فرمایا کہ ٹھیک ہے کل فون کرکے ان کے پاس چلے چلتے ہیں۔

اگلے دن صبح نو بجے فون کرکے ہم ان سے ملنے کے لئے ان کی رہائش گاہ پہنچ گئے ، جب سردار صاحب کو معلوم ہوا تو ہمارے استقبال کے لئے اپنی نشست سے اٹھ کر دروازے تک آگئے اور بڑی محبت اور خلوص کے ساتھ ملے اور ہماری بہت خاطر مدارات کی۔اس کے بعد ہم نے اپنے مقصد کی بات شروع کی اور ان کے سامنے ساری صورتحال واضح کردی، انہوں نے ہماری بات خوب توجہ کے ساتھ سنی اور فرمایا کہ اس مسجد میں ان خطیب صاحب کو کسی صورت میں نہیں آنے دوں گا، ہم نے متبادل امام وخطیب کے طور پر مولانا عبدالحکیم نعمانی صاحب کا نام پیش کردیا تو انہوں نے اسی وقت مولانا کوثر نیازی مرحوم کے نام ایک رقعہ لکھ کردیا کہ میری رہائش گاہ کے قریب جامع مسجد رحمانیہ میں مولانا عبد الحکیم نعمانی صاحب کو بطور امام اور خطیب تقرر کردیا جائے، چنانچہ ہم شکریہ کے ساتھ ان سے رخصت ہوگئے اور مولانا عبدالحکیم نعمانی صاحب کو وہ رقعہ دے کر مولانا کوثر نیازی مرحوم کے پاس بھیج دیا، انہوں نے ان کو جب سردار صاحب کا رقعہ دیا تو پڑھ کر مولانا عبدالحکیم نعمانی صاحب کو بطور امام وخطیب جامع مسجد رحمانیہ میں تعینات کردیا۔ اور پہلے والے مولوی

صاحب کوکسی اور مسجد میں بھیج دیا، اس طرح حضرت شہیدؒ کی کوششوں سے جامع مسجد رحمانیہ کے نمازیوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک سنگین بحران سے نکال دیا۔

بریلوی علمائے کرام کی اپنے جلسے میں شرکت کی دعوت:

حضرت شہیدؒ دینی پروگراموں کے منتظمین اور اپنے چھوٹوں پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ موضع سکھو ضلع گوجرخان میں ایک دینی پروگرام کے سلسلے میں ایک چھوٹے سے دینی مدرسے کے منتظم مولانا محمد حسن صاحب جو اپنی طبیعت اور ظاہری وضع قطع کے لحاظ سے بھی بہت منکسر المزاج اور درویش صفت انسان لگتے تھے کی دعوت پر حضرت شہیدؒ نے علماء کرام کی ایک جماعت جس میں احقر، حضرت مولانا ظہور احمد علوی صاحب دامت برکاتہ مولانا غلام محمود صاحب مرحوم اور حضرت مولانا نذیر فاروقی صاحب بھی شامل تھے، اسلام آباد سے اپنے ساتھ اس پروگرام میں شرکت کے لئے لے گئے، جاتے وقت حضرت نے کمپلیکس ہسپتال کے ایک سنئیر ڈاکٹر جناب محمد زمان صاحب کی گاڑی بھی لے لی، چنانچہ تمام علمائے کرام بروقت جلسے میں پہنچے اور خطاب بھی فرمایا جلسے میں کثیر تعداد میں بریلوی مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے عوام اور علمائے کرام بھی شریک تھے ۔حضرت نے اپنے مخصوص انداز میں صرف سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر بات کی اور کوئی اختلافی مسئلہ بیان نہیں فرمایا، حضرت کی تقریر سن کر بریلوی علمائے کرام اور عوام نے بھی حضرت کو خوب داد دی اور آپ کی تقریر سن کر بہت تعریف کی، اور تمام حاضرین جلسہ خوش ہو کر واپس لوٹے۔

کچھ عرصہ کے بعد بریلوی مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے ایک بزرگ عالم دین جو وہاں کی جامع مسجد کے خطیب بھی ہیں وہ مولانا محمد حسن صاحب کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ علمائے کرام کو اسلام آباد سے بلوانے اور ان کی خاطر مدارات پر کتنا کچھ خرچ ہوا، مولانا صاحب نے ان کو بتلایا کہ گاڑی تو اسلام آباد سے وہ خود ہی لے کر آئے تھے اور حضرت مولانا عبداللہ صاحب تو روزے سے تھے اور دوسرے علمائے کرام کے لئے صرف

چائے پانی کا انتظام کیا گیا تھا، اس کے علاوہ ہمارا ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہوا۔ اس پر ان کو بڑا تعجب ہوا کہ اتنا بڑا جلسہ منعقد کرانا اور بڑے بڑے علماء کرام کو جلسے میں مدعو کرنا یہ سب بغیر خرچ کے کیسے ہوسکتا ہے؟ چنانچہ بعد میں معلوم ہوا کہ ان کو تعجب اس لئے ہورہا تھا کہ جب وہ اپنے پیر صاحب کو اپنے کسی جلسے میں بلواتے تو جلسے اور دوسرے لوازمات پر ایک خطیر رقم خرچ کرنے کے علاوہ حضرت کی خدمت میں نذرانہ کے طور پر کچھ نقدی بھی پیش کرنی پڑتی تھی۔

چونکہ وہ بزرگ شخص مذکورہ تمام علمائے کرام خاص طور پر حضرت شہیدؒ کے خلوص سے متأثر ہو چکا تھا اس لئے اس کا اثر یہ ہوا کہ آئندہ ۱۲ ربیع الاوّل سے پہلے مولانا محمد حسن صاحب کو اپنا ترجمان بنا کر وہ بزرگ حضرت شہیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ علمائے کرام کو مع دیگر اپنے علاقے میں ۱۲ ربیع الاوّل کے جلسہ میں شرکت کی دعوت دی جس کو حضرت نے اور دیگر علمائے کرام نے بخوشی قبول فرمایا، چنانچہ حضرت شہید علمائے کرام کی جماعت کو ساتھ لے کر وہاں گئے اور جلسے میں خطاب فرمایا جس میں اکثر بریلوی مکتبہ فکر کے علمائے کرام اور عوام شامل تھے، اور جلسہ میں شریک تمام لوگ حضرت کی تقریر، اخلاص اور مزاج کی سادگی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

باب چہارم

اخلاق وعادات اورسیرت وکردار

دریا میں یوں تو ہوتے ہیں قطرے ہی قطرے سب
قطرہ وہی ہے جس میں کہ دریا دکھائی دے
کیا خوب یہ لباس ہے کیا رنگ و رُوپ ہے
وہ بھیڑ میں بھی جائے تو تنہا دکھائی دے

باب چہارم

اخلاق وعادات اورسیرت وکردار

اخلاق وعادات اورسیرت وکردار:

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کسی نے پوچھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے اخلاق وعادات کیا تھے، تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا''جو کچھ قرآن کریم میں ہے وہی آپ کے اخلاق تھے''، حضرت شہید رحمہ اللہ بھی اس بات کی کوشش فرماتے تھے کہ ان کے اخلاق وعادات بھی وہی ہوں جو قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں نظر آتے ہیں آپ انتہائی درجہ کے متبع سنت تھے۔ دن ہو، رات ہو، صحت ہو، مرض ہو سفر ہو حضر ہو ہر حال میں اتباع سنت کا خوب اہتمام فرماتے تھے۔ آنے والی سطور میں بغیر کسی مبالغہ آرائی کے حضرت شہید رحمہ اللہ کی زندگی کے اس پہلو پر بھی روشنی ڈالی جائے گی جو انشاء اللہ تعالیٰ سالکین اور متبعین کے لئے بیش بہا قیمتی سرمایہ اور ذریعہ نجات ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپی کا بھی باعث بھی ہوگی اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کی اتباع کرنے کی توفیق عطاء فرمائے (آمین)

تواضع اور سادگی:

احادیث مبارکہ میں سادگی اور تواضع اختیار کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔

حضرت ابوامامہ ایاس بن ثعلبہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضورؐ نے فرمایا **''ألاتسمعون الا تسمعون ان البذاذة من الایمان ان البذاذة من الایمان''**

(ابوداؤد ص ۷۱۶ ج-۲)

ترجمہ:- کیا تم سنتے ہو کیا تم سنتے ہو کہ بیشک سادگی ایمان کا حصہ ہے بیشک سادگی ایمان کا حصہ ہے۔ ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منبر کے اوپر کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے، خطبہ کے دوران آپ نے فرمایا لوگو! تواضع اختیار کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا فرماتے ہیں۔ ایسا آدمی اپنی نظر میں حقیر ہوتا ہے لیکن لوگوں کی نظروں میں عظیم ہوتا ہے۔ جو آدمی اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کر دیتے ہیں ایسا آدمی لوگوں کی نظروں میں ذلیل وحقیر ہوتا ہے مگر اپنی نظر میں بڑا ہوتا ہے حتیٰ کہ یہ لوگوں کی نظروں میں کتے اور خنزیر سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ ۴۳۴) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سرور کائنات اور فخر موجودات ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا

فرمایا کرتے تھے۔اللھم أحینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشر نی فی زمرۃ المساکین (مشکوٰۃ ص ۴۴۷) ترجمہ:-اے اللہ مجھے تواضع کی حالت میں زندہ رکھ اور تواضع کی حالت میں موت دے اور تواضع اختیار کرنے والے لوگوں میں میرا حشر فرما۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا: آکل کما یاکل العبد وأجلس کما یجلس العبد (مشکوٰۃ)

ترجمہ:- میں (بیٹھ کر) اس طرح کھاتا ہوں جیسے غلام کھاتا ہے اور اس طرح بیٹھتا ہوں جیسے غلام (اپنے آقا کے سامنے) بیٹھتا ہے۔

مذکورہ احادیث مبارکہ کی روشنی میں جب ہم حضرت شہید رحمہ اللہ کی زندگی اور ان کے رہن سہن پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انتہائی سادگی اور تواضع کے ساتھ زندگی گزاری، لباس، پوشاک، وضع قطع، چال، ڈھال، کھانے پینے، رفتار وگفتار بودوباش غرض کہ ہر چیز میں سادگی اور تواضع جھلکتی تھی اور ان امور میں اپنے اکابر کی تصویر تھے، نو وارد آدمی آپ کی سادگی اور حسن اخلاق کو دیکھ کر بہت متأثر ہوتا۔آپ اپنے متعلقین، طلباء اور تمام ملنے والوں کو بھی سادگی اور حسن اخلاق اختیار کرنے کی تلقین فرماتے اور تکلفات سے بچنے کی تاکید فرماتے، بغیر استری کے کپڑے پہن لینا اور معمولی جوتی اور چپل میں گزارہ کر لینا تو آپ کے لئے ایک معمولی سی بات تھی، معمولی سے معمولی کام کرنے میں حقارت تو کیا محسوس کرتے ہچکچاتے بھی نہیں تھے، ہم نے خود اپنی آنکھوں سے بازار سے گھر سامان لاتے ہوئے دیکھا ہے اور صبح سویرے دودھ تو روز ہی خود لایا کرتے تھے غرض کہ عاجزی اور انکساری آپ میں انتہائی درجے کی تھی بعض اوقات دودھ کا ایک پیکٹ جیب میں رکھ لیتے اور ایک بند بھی ساتھ رکھ لیتے اور اسی کو کھانے پر اکتفا کر لیتے۔پھٹے پرانے بوسیدہ لباس والوں کے ساتھ بھی ایسی بشاشت کے ساتھ ملتے تھے کہ ان کے دل باغ باغ ہو جاتے۔ہر ایک کے ساتھ غایت درجے کی شفقت فرماتے اور حسن سلوک سے پیش آتے ہر شخص سمجھتا تھا، کہ مجھ پر سب سے زیادہ شفیق ہیں۔

استاد المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہ العالیہ اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں۔

''حضرت مولانا شہید رحمہ اللہ کے مزاج میں تواضع انکساری، سادگی قابل رشک حد تک موجود تھی وہ کبھی بھی کسی واقف یا اجنبی سے ملاقات میں تکلف نہیں برتتے تھے۔''

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں۔

''وہ خود ایک بزرگ سے مجاز بیعت تھے لیکن اپنے آپ کو اس حیثیت سے پیش ہی نہیں کیا تواضع مسکنت ان کی ادا ادا سے نمایاں تھی اور یہی وہ جوہر ہے جس نے انہیں ہر دلعزیزی کے مقام رفیع تک پہنچایا ان میں کسی قسم کے عجب یا پندار کا شائبہ تک نہ تھا۔''

شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد قدس سرہ لکھتے ہیں:

''حضرت شہید رحمہ اللہ اعلیٰ درجے کی فقیری اور درویشی کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام آباد کے بے تاج بادشاہ بھی تھے بڑے سے بڑے مسئلہ میں بھی عمائدین سلطنت اور اہل جبر سے کبھی مرعوب نہیں ہوتے تھے اکابر کی تمام خوبیوں کے جامع تھے حسن ظاہر و باطن کا مرقع تھے''

محترم عطاء الرحمٰن صاحب مولانا شہیدؒ کے خصوصی عقیدتمندوں میں سے ہیں، جمعہ کی تقاریر ریکارڈ کرنے اور اخبارات میں بیانات دینے کا کام اکثر وہی سرانجام دیتے تھے حضرت شہید کی جمعہ کی اکثر تقاریر کیسٹ میں انہوں نے محفوظ کی ہیں جن کی تعداد

تین سو سے زائد ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ ابتداء میں حضرت کے بیانات اخبارات میں نہیں چھپتے تھے۔ جبکہ دوسرے علماء کرام اور سیاسی لیڈروں کے بیانات اخبارات میں آتے رہتے تھے جو ہر اعتبار سے حضرت شہید کے درجے کے نہیں تھے۔ میری خواہش تھی کہ حضرت کے بیانات بھی اخبارات کی زینت بنیں۔ ایک دفعہ میں نے حضرت شہیدؒ کے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تو حضرت نے میری بات مسکرا کر ٹال دی گویا آپ اس پر آمادہ نہیں تھے لیکن میں نے اصرار کیا اور اس کے دینی فوائد بیان کئے تو آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا چلو میری طرف سے اجازت ہے اور از راہ محبت فرمایا کہ آئندہ آپ میرے نشر واشاعت کے ذمہ دار ہونگے۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت کے بیانات بھی اخبارات میں آنا شروع ہو گئے اور اس کا الحمدللہ بڑا فائدہ ہوا۔

حضرت شہیدؒ جمعہ کے دن جب کسی عالم کو تقریر کرنے کا موقع دیتے تو خود بھی دوران تقریر ممبر کے سامنے بیٹھے رہتے اور نہایت انہماک سے ان کی تقریر سنتے اگرچہ تقریر کرنے والا علم وعمل اور عمر کے اعتبار سے کم درجے کا ہوتا۔ تقریر کے بعد خطبہ اور نماز پڑھانے کا موقع بھی دیتے لیکن بعض حضرات صرف تقریر کرنے پر اکتفا کر لیتے خطبہ اور نماز پڑھانے کیلئے حضرت سے درخواست کرتے۔

ایک دفعہ رابطہ عالم اسلامی کے ڈائریکٹر جمعہ کی نماز میں تشریف لائے تو حضرت شہید کے کہنے پر جمعہ کی تقریر پر آمادہ ہو گئے۔ تقریر کے بعد حضرت نے کھڑے ہو کر اَذان شروع کر دی جس پر انہوں نے خطبہ بھی دیا اور نماز بھی پڑھائی۔

حضرت شہیدؒ مرکزی جامع مسجد سے متعلق کوئی بھی معاملہ ہوتا تو از راہِ محبت اکثر مجھ (عطاء الرحمٰن) سے مشورہ کر لیتے حالانکہ میں آپ کے بچوں کے برابر تھا بعض اوقات مشورہ کیلئے ہمارے گھر تشریف لے آتے۔

قاری ایاز احمد عباسی صاحب حضرت شہیدؒ کے پرانے ساتھیوں میں سے ہیں حضرت کے بڑے مداح ہیں۔ وہ سناتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت شہیدؒ کے ساتھ مجھے بھی

جیل جانے کا اتفاق ہوا۔ ہمارے ساتھ جو دیگر علماء کرام جیل میں آئے تھے ان کی خدمت کیلئے حکومت نے چند خدمتگار مقرر کئے تھے جو ہر وقت مستعد رہتے تھے یہ خدمت گار دراصل جیل کے قیدی ہی تھے۔جن میں سے بعض عمر قید کی سزا کاٹ رہے تھے۔لیکن میں نے حضرت شہیدؒ کو ان قیدیوں سے بھی خدمت لیتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بلکہ ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ برتنوں میں پانی بھرنا، کھانے کا انتظام کرنا جیسے تمام کاموں میں ان کے ساتھ شامل ہوجاتے ہرطرح کا تعاون فرماتے تھے۔کرتے تھے کہ ہم لوگ تو کبھی نہ کبھی رہا ہو ہی جائیں گے لیکن ان بے چاروں کو تو ایک لمبے عرصے تک جیل ہی میں رہنا ہے یہ سارے ہی قابل رحم لوگ ہیں بجائے اس کے کہ وہ ہماری خدمت کریں ہمیں ان کی خدمت کرنی چاہئے۔اس لئے یہ لوگ حضرت شہیدؒ کے ساتھ بہت محبت کیا کرتے تھے۔ان میں بعض قیدی ایسے بھی تھے جو بالکل بے گناہ تھے۔ان کا کوئی سہارا نہیں تھا اور بغیر کسی جرم کے قید وبند کی سزا کاٹ رہے تھے۔

چنانچہ جیل سے رہائی کے بعد حضرت شہیدؒ نے اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے ایسے کئی بے گناہ قیدی بھی رہا کروا دیئے۔

دوسروں کی خواہش کا احترام

بھائی عطاءالرحمٰن صاحب بتاتے ہیں کہ مجھے ایک دفعہ خیال آیا کہ حضرت شہید کی اَذان بھی ٹیپ کرلوں چنانچہ اس غرض سے میں ایک دن عشاء کی اذان سے پہلے حضرت کے گھر پہنچ گیا اور اس وقت حضرت کے ساتھ چند علماء کرام تشریف فرما تھے میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو فرمانے لگے آپ چلیں میں آ رہا ہوں مہمانوں کو بتا کر اسی وقت مسجد میں پہنچ گئے اور عشاء کی اَذان دی جو میں نے ٹیپ میں محفوظ کر لی۔ مجھے حضرت کی اصاغر نوازی پر انتہائی خوشی ہوئی۔

ایک دفعہ کسی ساتھی نے خواہش ظاہر کی کہ حضرت ایک دفعہ آپ نے نماز میں

سورۂ حج پڑھی تھی آج عشاء کی نماز میں بھی وہی سورۃ پڑھ لیں ۔اس ساتھی کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے حضرت نے وہی آیتیں پڑھ لیں ۔ اسی طرح بعض اوقات مجھ ناچیز (عطاء الرحمٰن) سے پوچھ لیتے آج جمعہ کی تقریر میں کس موضوع پر وعظ کروں میں اگرکوئی موضوع پیش کردیتا تو حضرت اسی موضوع پر جمعہ میں تقریر کرتے ۔ بظاہر یہ باتیں چھوٹی معلوم ہوتی ہیں لیکن اس سے حضرت شہیدؒ کا حسن اخلاق ،تواضع انکساری اور حوصلہ افزائی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ایک دفعہ میں (عطاء الرحمٰن) نے فرمائش کی کہ آج کالا جبہ پہن کر نماز جمعہ پڑھائیں تو فرمانے لگے کہ وہ تو مولانا محمد عبدالعزیز لے گئے ہیں ۔میں سیدھا حضرت مولانا محمد عبدالعزیز صاحب مدظلہ کے پاس گیا اور وہ کالا جبہ لاکر حضرت کو پیش کیا چنانچہ حضرت نے وہی جبہ زیب تن کر کے جمعہ کا خطبہ دیا۔

شیخ الحدیث قاری سعید الرحمٰن صاحب مدظلہ بتاتے ہیں کہ تقریبا ہر جمعہ کو فون کر کے مجھ سے مشورہ کر لیتے کہ آج جمعہ کی تقریر میں کونسا موضوع مناسب ہوگا۔ جوموضوع مشورہ میں طے ہوجاتا حضرت اکثر اسی پر بیان فرماتے۔

اولاد کی شادیوں کے موقع پر سادگی:

اسلام میں نکاح کا عمل بہت ہی سادہ اور آسان بنادیا گیا ہے اگر فریقین آپس میں راضی ہوجائیں تو وہ بغیر کسی رکاوٹ کے آپس میں رشتہ داری کی بنیاد ڈال سکتے ہیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی قریبی اور خاص ساتھیوں میں شمار ہوتے ہیں ان کے نکاح کا قصہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو ان کے کپڑوں پر کچھ نشان لگا ہوا نظر آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ یہ کس چیز کا نشان ہے؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں نے ایک خاتون کے ساتھ شادی کی ہے اس موقع پر میں نے خوشبو لگائی تھی یہ نشان اس خوشبو کا ہے لیکن سوچنے والی بات یہ ہے کہ اتنے خاص اور قریبی ساتھیوں میں سے ہونے کے باوجود انہوں

نے نکاح کی مجلس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دینے کی ضرورت نہ سمجھی اور نہ اپنے نکاح کے بارے میں بتایا بلکہ آپ کے پوچھنے پر ان کو یاد آیا۔اور دوسری عجیب بات یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جواب میں کوئی شکایت نہیں فرمائی اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کا اظہار فرماتے کہ تم اکیلئے نکاح کر بیٹھے اور ہمیں دعوت تک نہ دی اور نہ بتلانے کی ضرورت محسوس کی معلوم ہوا کہ نکاح کو اسلام نے جتنا سادہ اور آسان بنادیا ہے اتنا کسی اور مذہب میں نہیں ہے یہاں تک کہ اس کے لئے نہ کسی بڑی تقریب کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی بڑی دعوت کی۔

جواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا ضرور فرمایا کہ: اَولِم ولو بشاۃٍ ''اب آپ ولیمہ بھی کریں اگر چہ معمولی سی بکری ہی کیوں نہ ہو''اس کے علاوہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی ہے آپ نے فرمایا کہ ''سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں آسانیاں ہوں اور وہ آدمی کو مشقت میں ڈالنے والا نہ ہو''۔حضرت مولانا محمد عبداللہ شہید رحمہ اللہ نے بھی اپنی اولاد کی شادیاں سنت کے مطابق تمام رسومات سے ہٹ کر انتہائی سادگی کے ساتھ نام ونمود اور شہرت سے دامن بچا کر کیں۔حضرت محمد مولانا محمد عبدالعزیز صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ میری شادی انتہائی سادگی کے ساتھ انجام پائی،مسجد میں نماز کے بعد اعلان کردیا گیا اور نکاح پڑھا دیا گیا۔میں والد صاحب اور والدہ صاحبہ تین افراد ایک گاڑی میں بیٹھ کر حافظ یونس صاحب (مرحوم) کے گھر گئے جو میرے سسر تھے۔ چائے اور بسکٹ کے ساتھ معمولی سی دعوت کے بعد میری اہلیہ کی رخصتی ہوئی،اسی طرح میرے دوسرے بھائی اور بہنوں کا بھی مختصر سی تقاریب میں بطریق مسنون عقد ہوا،البتہ بعض بہنوں کے لئے والد صاحب نے شادی کے موقع پر کچھ ضروری ساز وسامان کا بندوبست کردیا تھا،لیکن دنیاوی رسوم ورواج کا کہیں نام ونشان تک نہ تھا۔اس طرح ہمارے والد صاحب نے دوسرے لوگوں کو عملی سبق پڑھا دیا کہ اس گئے گزرے دور میں اگر کوئی مسلمان اپنے گھر میں شادی بالکل سادگی اور شرعی قواعد کے مطابق کرنا چاہے تو کوئی

مشکل بات نہیں ہے۔

کھانے پینے میں سادگی:

حضرت مولانا محمد عبدالعزیز صاحب دامت برکاتہ اور سفر وحضر میں حضرت کے ساتھ رہنے والے علماء کرام بتاتے ہیں کہ حضرت شہید رحمہ اللہ نے تمام عمر اپنے خوردونوش میں کبھی تکلف اور اہتمام نہیں فرمایا، وقت پر جو کھانا موجود ہوا شوق اور رغبت کے ساتھ کھالیا۔ اگر کسی دعوت اور ضیافت وغیرہ پر عمدہ کھانے موجود ہوتے تو بغیر کسی تکلف کے کھالیتے لیکن کھاتے ہوئے رغبت کا اتنا اظہار نہ فرماتے کہ حاضرین گمان کریں کہ یہ چیزیں ان کو نہایت ہی مرغوب ہیں۔ عمدہ کھانوں کا اہتمام نہ خود کرتے اور نہ گھر والوں سے کہتے ۔وقت پر جو میسر آ گیا کھالیا۔ کبھی دال کبھی ساگ کبھی چٹنی پر گزارہ کرلیا، گھر میں کہہ رکھا تھا کہ میرے لئے کھانے کا اہتمام نہ کریں ایسا نہ ہو کہ میں کہیں سے کھا کر آ جاؤں کھانا ضائع ہو جائے ۔ حدیث شریف کی کتابوں میں جن چیزوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بہت پسندیدہ تھیں، وہ چیزیں نہایت ہی رغبت سے کھالیتے یہ تو بارہا دیکھا گیا کہ جامعہ فریدیہ کے طلباء کے بچے ہوئے ٹکڑے (جو کھانے کے بعد دسترخوان پر رہ جاتے تھے) حضرت شہید رحمہ اللہ طلباء کے دسترخوان پر بیٹھ کر اطمینان سے کھالیتے۔

ے نہد شاخِ پُر میوہ سر بر زمین

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہ العالیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ’’ان کے گھر والے بتاتے ہیں کہ حضرت کا کھانا بھی
> سادہ اور کم کھانے کے عادی تھے اور اس کے لئے بھی گھر
> والوں کو ادنیٰ زحمت دینے سے پرہیز کرتے تھے‘‘

پہننے اوڑھنے میں سادگی:

حضرت شہید رحمہ اللہ پہلے کرتہ شلوار پہنتے تھے جو نہایت سادہ ہوتے تھے لیکن پہلی

مرتبہ جب حج بیت اللہ تشریف لے گئے تو واپسی پر دو عربی لمبے کرتے ساتھ لائے تھے حضرت اقدس خود ہی فرماتے ہیں کہ

''جب پہلی مرتبہ میں نے عربی لمبا کرتہ پہنا تو وہ مجھے بہت پسند آیا''۔

چنانچہ اس کے بعد شہادت کے دن تک یہی لباس استعمال فرمایا اور وہ اس لباس میں بڑے وجیہ اور باوقار نظر آتے۔ اکثر سر پر نہایت ہی سادہ سفید یا سیاہ عمامہ باندھتے۔ جمعہ کے دن اور خاص موقعوں پر عربی جبہ بھی زیب تن فرماتے۔ معمولی جوتی اور چپل پر گزارہ کر لیتے ایک مرتبہ ایک صاحب نے آپ سے عربی لباس کی وجہ دریافت کی تو تھوڑا مسکرانے کے بعد فرمانے لگے کہ ایک دفعہ میرے استاد حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجھ سے فرمانے لگے کہ مولوی عبداللہ کیا بات ہے! کہ تم ہر وقت عربی بنے پھرتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت! یہ لباس مجھے اچھا لگتا ہے، اس لئے یہی لباس پہنتا ہوں اور اس میں آسانی بھی ہے علاوہ ازیں آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہر دور کے علمائے حق اور صلحاء کا لباس ہی عوام اور طلباء کے لئے مناسب رہتا ہے۔

سفید لباس سے محبت:

حضرت شہید رحمہ اللہ اکثر سفید لباس کا اہتمام فرماتے حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید لباس پسند تھا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی عمل کی اتباع میں حضرت شہید رحمہ اللہ کو سفید لباس پسند تھا اور اکثر سفید لباس زیب تن فرماتے تھے۔

اتباع سنت:

حضرت شہید رحمہ اللہ نے ہر آن ہر گھڑی سنت نبوی کا سختی سے التزام رکھا، اس طرح سے دین و دنیا کے تمام امور میں سنت نبوی کا خوب اہتمام فرماتے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہ تحریر فرماتے ہیں

''حضرت شہیدؒ کے یہاں اتباع سنت کا خاص اہتمام اور

ذوق تھا اور ہر چیز میں اتباع سنت کی کوشش فرماتے تھے''

حضرت مولانا ظہیر الدین صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے لال مسجد کے ایک نمازی نے بتایا کہ ایک مرتبہ نماز میں میرے ساتھ چھوٹا معصوم بچہ بھی مسجد گیا جب نماز کھڑی ہوئی تو بچے نے رونا شروع کیا حضرت نے نماز مختصر کی۔ جب سلام پھیرا تو سیدھے بچے کے پاس تشریف لے آئے اور بچے کو پیار کیا میں نے سمجھا شاید حضرت ناراض ہونگے کہ چھوٹے بچوں کو مسجد میں کیوں لے آتے ہو؟ لیکن حضرت نے میرا شکریہ ادا کیا اور فرمایا اس کی وجہ سے آج ایک سنت زندہ ہوگئی۔ پھر فرمایا نبی کریم ﷺ نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک بچہ رویا آپ نے نماز مختصر کی اور بچے کے پاس تشریف لائے اور بچے کو پیار کیا۔

اتباع سنت کی دو انوکھی مثالیں:

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت وعقیدت کا یہ عالم تھا کہ اپنی پوری زندگی میں اتباع سنت کا خاص طور پر اہتمام فرمایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تریسٹھ سال کی عمر میں شہادت کے مرتبہ پر فائز فرما کر عمر کی اس غیر اختیاری سنت پر بھی آپ سے عمل کروادیا۔ حضرت مولانا ظہور احمد علویؔ مدظلہ کے چچازاد بھائی پرنسپل (ریٹائرڈ) محترم محمد حنیف صاحب اعوان بیان فرماتے ہیں کہ ہماری رہائش گاہ مرکزی جامع مسجد اسلام آباد کے قریب واقع سیکٹر جی سکس ٹو میں ہے، ایک دفعہ حضرت شہید رحمہ اللہ برہنہ پا اچانک ہمارے گھر تشریف لائے میں باہر نکلا تو دیکھ کر حیرت میں ڈوب گیا اور بار بار پوچھنے لگا کہ حضرت! خیر تو ہے مجھے حیران دیکھ کر حضرت اطمینان سے فرمانے لگے کہ تشویش اور حیرانگی کی کوئی ایسی بات نہیں ہے میں نے اپنے جوتے موچی کو دیئے تھے ان کے پاس اور جوتے پہننے کے لئے نہیں تھے اسلئے میں بغیر جوتوں کے ہی چل کر آپ کے پاس آیا ہوں آخر بغیر جوتوں کے چلنا بھی تو سنت میں داخل ہے۔

حضرت مولانا محمد عبدالباری سکر گاہی صاحب مدظلہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ

حضرت شہید رحمہ اللہ سے ملنے کے لئے میں اسلام آباد میں ان کے گھر گیا میرے سر پر قراقلی ٹوپی دیکھ کر حضرت اندر گئے ایک اور نہایت ہی اعلیٰ قسم کی قراقلی لے کر آئے اور مجھے دے کر فرمایا کہ یہ بھی آپ استعمال کریں، میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ خود کیوں نہیں پہنتے ہیں تو حضرت فرمانے لگے کہ میں نے بہت کوشش کی کہ کھال سے بنی ہوئی ایسی ٹوپی پہننے کا سنت نبوی سے کہیں ثبوت مل جائے، لیکن اس سلسلے میں مجھے ناکامی ہوئی اس لئے ناجائز تو نہیں کہتا مگر آنحضور ﷺ کے ساتھ عشق ومحبت کا تقاضا یہ ہے کہ نہ پہنی جائے مولانا موصوف کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے اپنی ٹوپی بھی اتار دی اور آج تک دوبارہ قراقلی ٹوپی استعمال نہیں کی اور جب بھی کسی عالم کے سر پر قراقلی ٹوپی دیکھتا ہوں تو مجھے حضرت شہید رحمہ اللہ یاد آجاتے ہیں۔

حب صحابہ کی ایک انوکھی مثال:

صحابہ کرامؓ کے ساتھ بھی والہانہ محبت اور عقیدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بدری صحابہ کرام اور تاریخ اسلام کی سب سے پہلے لڑی جانے والی جنگ غزوہ بدر کی یاد تازہ رکھنے اوران کے ساتھ نسبت کے لئے اپنے جامعہ اور اس کے دوسرے ذیلی بعض اداروں کے لئے جن فون نمبروں کا انتخاب فرمایا تھا ان سب میں تین سو تیرہ کا عدد بھی شامل ہے کسی زمانے میں یہ تمام نمبر تبدیل کر دیئے گئے تو آپ نے دوسرے فون نمبر لینے سے صاف انکار کر دیا یہاں تک کہ حکومت مذکورہ نئے نمبر ۳۱۳ کے ساتھ دوبارہ دینے پر مجبور ہوگئی اور آج بھی جامعہ فریدیہ اور جامعہ حفصہ کے بعض نمبروں میں تین سو تیرہ کا عدد شامل ہے۔

اساتذہ اور اکابرین سے محبت:

شریف النفس انسان جس سے کوئی نعمت پاتا ہے ساری عمر اس کا احسان نہیں بھولتا اور ہر وقت اس کا احسان مند رہتا ہے پھر جس شخص کو کامل اور مقبول اساتذہ کی طویل صحبت اور خصوصی قرب نصیب ہوا اور ان کے کمالات ان پر منکشف ہوئے ہوں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ

اس کا دل ان کی محبت وعقیدت سے لبریز نہ ہواور اس کی زبان ان کے محامد اور فضائل بیان کرنے میں مشغول نہ ہو۔ حضرت شہید رحمہ اللہ بھی اپنے اساتذہ اور مشائخ کا تذکرہ بڑی دلسوزی سے فرمایا کرتے تھے۔ خاص کر محدث عصر حضرت بنوری رحمہ اللہ سے تو جنون کی حد تک عشق تھا۔ ان کے چشم دید واقعات سنایا کرتے تھے، اپنی دینی خدمات اور مساعی کو اپنے اکابر کی طرف منسوب کرتے اور فرماتے کہ یہ سب کچھ ان کی توجہ، دعاؤں اور ان کے ساتھ نسبت کی برکت ہے ہمارے اندر کوئی کمال نہیں۔ اکابرین کے ساتھ اپنے تعلق کو اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھتے تھے کسی بھی مناسبت سے ان کا تذکرہ چھیڑ دیتے تھے حکیم الامت، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ، حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ، حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ، اور حضرت غلام اللہ خان رحمہ اللہ سمیت تمام اکابرین کے بڑے مداح تھے۔ ان کے اثر انگیز اور حیرت انگیز واقعات اس انداز میں بیان فرماتے گویا کہ حضرت شہید رحمہ اللہ کو جو کچھ بھی ملا وہ اپنے اکابرین کی توجہ، دعاؤں اور نسبت کی برکت سے ملا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اپنے اساتذہ کرام، بزرگان دین اور دیگر چھوٹے بڑے تمام علماء کرام کی عزت اور ان کی تعظیم وتکریم آپ کا امتیازی نشان رہا۔ کسی بھی عالم کے بارے میں آپ سے بے ادبی کا کوئی لفظ نہ سنا گیا۔

علامہ عبدالرشید غازی صاحب سناتے ہیں کہ شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ اکثر ہمارے گھر تشریف لاتے تھے۔ وہ حضرت والد صاحبؒ کی درویشانہ طبیعت سے واقف تھے اس لئے ہمارے گھر تشریف لاتے تو اکثر سبزیاں، پھل، فروٹ وغیرہ دیگر چیزیں بھی اپنے ساتھ لے کر آتے۔ اور وہ دو دو ہفتہ تک چلتے رہتے تھے۔ حضرت شیخ القرآنؒ کی طبیعت میں جلال تھا۔ میرے ساتھ بہت ہی شفقت فرماتے تھے کبھی کبھی فرماتے کہ ”تمہارا مزاج مجھ سے ملتا ہے، تم میرے دوست ہو“۔

حضرت شہید رحمہ اللہ کے مرشد:

حضرت مولانا محمد عبداللہ شہید رحمہ اللہ کے شیخ ومرشد رحیم یارخان میں حضرت مولانا امیر محمد نقشبندی رحمہ اللہ تھے جن کے پیشوااور مرشد حضرت حاجی کریم بخش رحمہ اللہ اور ان کے شیخ ومرشد حضرت مجدد سلطان الاولیاء فضل علی قریشی رحمہ اللہ تھے۔اس طرح یہ سلسلہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ سے جاملتا ہے اور حضرت مجدد الف ثانی کا سلسلہ عالیہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سے ملتا ہے جن کا سلسلہ عالیہ حضرت امام خواجہ قاسم تابعی رحمہ اللہ سے جاملتا ہے جو کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے ہیں اور تابعین کے بہت بڑے فقہاء میں شمار ہوتے ہیں ان کا ذکر اسماء الرجال منسلکہ مشکوۃ المصابیح میں بھی موجود ہے۔ یہ حضرت سلمان فارسیؓ کے منظور نظر خلفاء میں سے خلیفہ اوّل ہیں حضرت سلمان فارسیؓ نے آنحضورﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بیعت ثانی کر کے راہ سلوک کے منازل طے کیے۔

اپنا کام خود کرنے کی عادت:

حضرت مولانا محمد عبدالعزیز مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت والدمحترم جب گھر میں آتے اور کھانا پکا ہوا موجود ہوتا تو خود ہی اٹھ کر کھانا گرم کر لیتے دسترخوان بچھاتے اور کھا لیتے کوئی گھر میں موجود ہوتا تب بھی کھانا لانے کے لئے نہ کہتے بلکہ خود ہی اپنا کام کر لیتے یہ اور بات ہے کہ ہم اصرار کر کے کام کر دیتے لیکن حکم دینے کا انداز بالکل نہ تھا۔ایک دفعہ میں نے اپنی والدہ کے سامنے کسی بزرگ کا واقعہ بیان کیا کہ انہوں نے کبھی اپنی بیوی سے پوری عمر پانی تک نہیں مانگا تو والدہ فرمانے لگی کہ تمہارے والد نے بھی کبھی مجھ سے پانی تک نہیں مانگا وہ ہر کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی کوشش کرتے۔ایک مرتبہ گاؤں سے واپسی ہوئی بچے بھی ساتھ تھے سفر کی وجہ سے ان سب کے کپڑے بہت میلے ہو چکے تھے، والد صاحب رات کو تہجد کے لئے اٹھے تو تہجد پڑھ کر سارے کپڑے دھو کر لٹکا دیئے۔امی جان صبح کو اٹھیں اور

دیکھا کہ کسی نے کپڑے دھو کر لٹکا دیئے ہیں تو انہوں نے پوچھا کہ یہ کپڑے کس نے دھوئے ہیں، تو والد صاحب کہنے لگے کہ میں رات کو اٹھا تھا میں نے سوچا کہ فارغ ہوں چلو کپڑے ہی دھو ڈالتا ہوں اور اس طرح آپ کا ہاتھ بٹا دیتا ہوں۔

حقیقی اور مثالی تواضع:

اسی طرح کا ایک واقعہ ہمارے ایک عالم دین دوست نے سنایا۔ختم نبوت کی تحریک میں جب حضرت شہیدؒ جیل میں گئے تھے تو میں بھی ساتھ تھا ایک مرتبہ جیل کے اندر جہاں قیدی قضائے حاجت کے لئے چلے جاتے ہیں وہاں پر صفائی کیلئے ایک بھنگی آتا تھا اور غلاظت اٹھا کے لے جاتا تا ایک مرتبہ بھنگیوں نے ہڑتال کر دی جس کی وجہ سے غلاظت کا ڈھیر جمع ہو گیا۔تمام ساتھی پریشان تھے کہ کیا کیا جائے۔جیل کے سارے قیدی قضائے حاجت کیلئے وہاں جاتے اور فراغت کے بعد ناک پر ہاتھ رکھ کر واپس آجاتے رفتہ رفتہ وہاں پر گندگی کا اتنا ڈھیر جمع ہو گیا کہ حاجت کیلئے بیٹھنا بھی مشکل ہو گیا۔کچھ ساتھیوں نے دائیں اور بائیں طرف کچھ اینٹیں رکھ کر اونچا کر دیا ایک آدھ دن کے بعد گندگی اینٹوں تک بھی پہنچ گئی اور وہاں قریب جانا بھی دشوار ہو گیا جو آتا کراہت سے منہ چھپا کر واپس ہو جاتا۔اب سارے ساتھی پریشان ہو گئے کہ کیا کیا جائے مزید اینٹیں رکھنا بھی ممکن نہ تھا ایک دن مولانا شہیدؒ نے باہر سے ایک کنستر منگوایا ہمیں سمجھ نہیں آیا کہ حضرت کنستر کیوں منگوا رہے ہیں۔بہر کیف! صبح تہجد کے وقت جب میں قضائے حاجت کے لئے باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی چہرے کو رومال سے لپیٹ کر کنستر بھرتا ہے، اور دور جا کر خالی جگہ پھینک رہا ہے مجھے تجسس ہوا کہ یہ کون ہیں! جب میں نے قریب جا کر غور سے دیکھا تو وہ حضرت مولانا شہیدؒ تھے صبح جب لوگ جاگے تو جیل کی لیٹرین بالکل صاف تھی تمام لوگ صفائی کرنے والے کے لئے دعائیں دے رہے تھے جب کہ ان کو معلوم ہی نہ تھا کہ صفائی کرنے والے شخص حضرت مولانا عبداللہ شہیدؒ ہیں۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ایک دفعہ بیت الخلاء تشریف لے گئے

واپس آئے تو اپنی انگلی پر ایک چیونٹی اٹھائے ہوئے تھے، فرمانے لگے یہ میرے پیشاب میں گر گئی تھی میں نے پیشاب میں انگلی ڈالکر اسے بچالیا، جب انسان کی اپنی ''نفسانیت'' اور ''میں'' مرجاتی ہے تو پھر اسے اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق پیاری لگتی ہے۔

حافظ تیمور صاحب بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ ٹیکسلا میں علماء کرام کا ایک جلسہ منعقد ہو رہا تھا صرف علماء کرام کو شرکت کرنے کی اجازت تھی۔ لیکن اس کے باوجود عام لوگوں نے بھی اس میں شرکت کی۔ رش کی وجہ سے عارضی طور پر بنائے گئے بیت الخلاء گندگی سے بھر گئے جس کی وجہ سے لوگوں کو بڑی پریشانی ہوئی۔ وہاں کے ایک ذمہ دار ساتھی نے بتایا کہ رات کو تہجد کے وقت جب تمام لوگ سو رہے تھے۔ تو میں نے دیکھا کہ ایک آدمی اپنا منہ لپیٹ کر بیت الخلاء ایک ایک کر کے صاف کر رہے ہیں اور گندگی نکال کر باہر پھینک رہے ہیں وہ آدمی کہتے ہیں کہ میں ان کو پہچان نہ سکا قریب پہنچ کر جب میں نے اسے سلام کیا تو جواب دیتے وقت ان کی آواز سے میں نے پہچان لیا کہ وہ مولانا عبداللہ صاحب ہیں۔

حضرت شہید کے نواسے عامر صدیقی صاحب بتاتے ہیں کہ مرکزی جامع مسجد کے نزدیک کسی زمانے میں جمعہ بازار لگتا تھا، وہ بازار اب اتوار کے دن لگتا ہے، مسجد کے احاطے سے باہر حضرت کے گھر کے پاس عام لوگوں کے استعمال کیلئے ایک بیت الخلاء بنا ہوا تھا۔ جس کو بوقت ضرورت وہ استعمال کر لیتے تھے، بعض لوگ استعمال کر کے گندگی صاف کئے بغیر چلے جاتے تھے، میں نے کئی بار حضرت شہیدؒ کو اس بیت الخلاء کی صفائی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

حضرت اقدس کی عبادت:

حضرت شہیدؒ بہت بڑے عابد و زاہد انسان تھے آپ کی عبادت کے اندر سلف صالحین کا رنگ دیکھنے کو ملتا تھا۔ حضرت شہیدؒ مرکزی جامع مسجد میں امامت فرماتے تھے تو آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا جو لطف محسوس ہوتا تھا اس کا اندازہ وہی حضرات لگا سکتے ہیں جنہوں

نے آپ کی اقتداء میں نمازیں پڑھی ہیں۔تلاوت قرآن کریم میں ایک قسم کی مٹھاس تھی اور یہ صرف حضرت کے اخلاص،تقوی اور حب الٰہی کا ثمرہ تھی۔صبح اشراق تک ذکرواذکار میں مشغول رہتے تھے اشراق پڑھ کر گھر تشریف لاتے سفر وحضر میں ہر وقت قرآن شریف کی تلاوت ہی سے آپ کی زبان تر رہتی۔ایک مرتبہ کسی وعظ کے سلسلے میں ملتان کا سفر ہوا تو جاتے ہوئے پندرہ سیپارے پڑھ لئے اور واپس آتے ہوئے پندرہ سپارے پڑھ لئے،اس طرح ایک سفر میں قرآن کریم پورا ختم ہوا،سفر میں جاتے ہوئے قرآن کریم پڑھنا آپ کا معمول تھا۔

مفتی دوست محمد صاحب بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی موقع پر فرمانے لگے کہ میں اور شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ ایک جلسہ کے سلسلے میں صادق آباد ضلع رحیم یار خان گئے۔وہاں پہنچ کر حضرت شیخ نے مجھ سے پوچھا صادق آباد سے راولپنڈی تک کتنی مسافت ہے ؟ تو میں تھوڑی دیر خاموش رہا اور قرآن کریم کے جتنے پارے میں نے تلاوت کئے تھے ان کا حساب لگا کر بتلادیا کہ تقریباً اتنے میل کا فاصلہ ہے۔چنانچہ بعد میں جب میں نے تحقیق کیا تو اتنے ہی میل ثابت ہوئے جتنے میں نے حضرت کو بتائے تھے۔حضرت شہیدؒ اکثر وبیشتر سفر میں رہتے تھے اور سفر کے دوران قرآن کریم پڑھتے رہنا آپ کی عادت اور عام معمول تھا۔

تہجد کی پابندی:

روم کے بادشاہ کے دربار میں آنحضورﷺ کا تذکرہ ہو رہا تھا بادشاہ نے پوچھا ان لوگوں کی فتح اور کامیابی کے کیا اسباب ہیں؟ ایک بوڑھا رومی بیٹھا ہوا تھا اس نے جاں بخشی طلب کر کے دو جملے عرض کرنے کی اجازت چاہی۔بادشاہ نے اجازت دی تو وہ کہنے لگا "**نهارهم فرسان وليلهم رهبان**"۔ترجمہ:-دن کو گھوڑے پر سوار ہو کر جہاد میں مصروف رہتے ہیں اور رات کو مصلے پر کھڑے ہو کر عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔

رات کے اندھیرے میں خلوت کی حالت میں تہجد کے نوافل میں اپنے محبوب سے محوگفتگو ہونے کا جو مزہ اور لطف آتا ہے اس کو صرف اللہ والے ہی محسوس کر سکتے ہیں اور ویسے بھی تہجد کی نماز تمام نفلی عبادات میں سردار کا درجہ رکھتی ہے۔حضرت اقدس سفر وحضر میں تہجد کی

نماز کی پابندی فرماتے تھے۔حضرت شہیدؒ کی اہلیہ محترمہ فرماتی ہیں کہ رات کے آخری پہر میں حضرت تہجد کیلئے اٹھ جاتے تھے لیکن گھر میں سوئے ہوئے افراد میں سے کسی کو بھی محسوس تک نہیں ہوتا تھا۔نوافل کی ادائیگی کے بعد کلام اللہ کی تلاوت میں مشغول ہوجاتے۔حضرت مولانا محمد عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ والد صاحب خطوط کے جوابات بروقت دیا کرتے تھے تہجد پڑھ کر روزانہ کئی خطوط کے جوابات دینے کا بھی معمول تھا اور تبلیغی پروگراموں کے سلسلے میں دوستوں کو فون بھی کرتے۔

محترم محمد انیس فاروقی صاحب بتاتے ہیں کہ مرکزی مسجد کا مؤذن اگر کبھی چھٹی پر گھر چلا جاتا تو اذان دینے کی ذمہ داری حضرت شہیدؒ مجھے سونپ دیتے۔اس سلسلے میں ایک دفعہ مرکزی مسجد کے صحن میں سویا ہوا تھا کہ رات کو تقریباً تین بجے کسی کے رونے کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی اور مجھے کوئی آدمی نظر آیا۔جس کی وجہ سے مجھے خوف ہوا کہ مسجد کے اندر کوئی گھس آیا ہے۔جب میں نے غور سے دیکھا تو حضرت شہیدؒ ہیں اور خدا کے سامنے گریہ وزاری کررہے ہیں بعد میں دیگر خادمین اور مصاحبین نے تصدیق کی کہ یہ تو مولانا کا روزانہ کا معمول ہے۔تہجد کا اہتمام فرض نمازوں کی طرح فرماتے ہیں۔رب کے حضور عجز و نیاز کا جو انداز آپ کا تھا وہ شاید آپ ہی کی قسمت میں لکھا تھا۔حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ ابا جان کمرے میں روم کولر لگوادیں گرمی ہے تو فرمانے لگے بیٹا گرمی کی وجہ سے نیند نہیں آتی ہے تو تہجد پڑھ لیتا ہوں ٹھنڈک ہوگی تو ممکن ہے کہ تہجد کی نماز رہ جائے۔

تہجد کے وقت فون:

شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب مدظلہ بیان کرتے ہیں کہ میرے ہاں تہجد کے وقت جب فون کی گھنٹی بجتی تو میں سمجھ جاتا کہ یہ فون حضرت شہیدؒ ہی کی طرف سے ہے حضرت مولانا محمد عبدالعزیز صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ اکثر تہجد کے وقت

فون کر کے مجھ سے پوچھ لیتے کہ بیٹا! تہجد کی نماز پڑھی ہے یا نہیں؟

حضرت شہیدؒ کا اعتکاف:

حضرت شہیدؒ رمضان المبارک میں اکثر اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ مرکزی جامع مسجد میں حضرت کے ساتھ محبت کرنے والے بڑی تعداد میں اعتکاف کرتے، اکثر رات تلاوت قرآن کریم اور نوافل میں گزار لیتے اور دیگر معتکفین حضرت کی صحبت سے فائدہ اٹھاتے اور اس دوران ان سے بہت کچھ سیکھ لیتے تھے۔

اِک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے اک درد جگر میں ہوتا ہے
ہم رات کو اٹھ کر روتے ہیں جب سارا عالم سوتا ہے

محترم محمد انیس فاروقی صاحب بتاتے ہیں کہ رمضان کے آخری عشرہ میں حضرت شہیدؒ اکثر اعتکاف میں بیٹھ جاتے تھے اور اپنے ساتھی معتکفین کی (جو کافی تعداد میں ہوتے تھے۔) ان کی ان دس دنوں میں خوب تربیت فرماتے اور آپ کی ناصحانہ باتوں کا ایسا مثبت اثر ہوتا کہ دین سے قربت پیدا ہو جاتی۔ اس طرح بہت سارے لوگ پانچ وقت کے نمازی بن گئے اور کئی لوگوں نے شریعت کے مطابق ڈاڑھیاں رکھیں اور اپنی عاقبت سنواری۔

قلت طعام کی عادت:

حضرت کے ساتھ اعتکاف کرنے والوں میں سے ایک ساتھی ملک زاہد صاحب فرماتے ہیں کہ اعتکاف کے دوران ایک دفعہ ہم حضرت کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ معمول کے مطابق حضرت کے لئے ایک چھوٹے سے برتن میں گھر سے کھانا آ گیا جس میں تھوڑا سا سالن اور ایک روٹی تھی اس میں سے آدھی روٹی حضرت نے تناول فرمائی اور باقی ماندہ کھانا ہمیں پیش کر دیا، جب ہم نے کھانا چکھا تو معلوم ہوا کہ سالن میں نہ مرچ ہے اور نہ مصالحہ ہے۔ کھانا کھانے کے بعد ہم نے حضرت شہیدؒ سے دو باتیں پوچھیں ایک یہ کہ اتنی کم روٹی سے آپ کا گزارہ کیسے ہو جاتا ہے؟ تو جواب میں مسکرا کر فرمانے لگے کہ بیٹا! میں نے ابتداء ہی سے اپنے بدن کو اتنے ہی کھانے کا عادی بنالیا ہے، دوسری بات ہم نے یہ پوچھی کہ

حضرت! آپ کے سالن میں تو مرچ نام کی کوئی چیز نہیں تھی نہ اس میں مصالحہ تھا تو آپ فرمانے لگے کہ بیٹا! بات یہ ہے کہ مرچ اور مصالحہ کھانے سے تو نفسانی شہوت بڑھتی ہے اور کوئی فائدہ تو ہے نہیں اس لئے کافی عرصے سے میں نے مرچ مصالحہ کا استعمال ہی چھوڑ رکھا ہے اور سادہ طریقے سے کھانا پکوا کر کھالیتا ہوں۔

حضرت شہیدؒ انتہائی سادہ کھانا کھاتے تھے بلکہ جو میسر ہوتا کھا لیتے تھے۔ جامعہ فریدیہ کے استاد قاری محمد اصغر صاحب سناتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک بچے عنایت الرحمٰن کا قرآن کریم مکمل ہوا۔ تو دعا کیلئے حضرت تشریف لائے، جب بچے نے قرآن کریم پڑھ کر سنایا تو حضرت شہیدؒ بڑے محظوظ ہوئے اور بچے کو انعام دینے کی غرض سے جیب میں ہاتھ ڈالا تو جیب خالی تھا۔ دوسرے جیب میں ہاتھ ڈالا تو باسی روٹی کے چند ٹکڑے نکلے مسکرا کر فرمانے لگے کہ اس وقت میرے پاس تو یہی ہیں بعد میں حضرت شہید نے اس بچے کو انعام بھی دیدیا۔

حضرت کے چھوٹے صاحبزادے علامہ عبدالرشید غازی صاحب نے بتایا کہ ایک دفعہ حضرت والد صاحب گھر میں تشریف لائے تو کھانے کا وقت تھا اور تازہ روٹی پکی ہوئی موجود نہیں تھی۔ میری اہلیہ روٹی پکانے کیلئے اٹھی تو والد صاحب نے انہیں منع کر دیا۔ جب انہوں نے اصرار کیا تو روٹی کے جو چند ٹکڑے موجود تھے انہیں آپس میں جوڑ کر فرمانے لگے دیکھیں یہ ایک روٹی بن گئی اور میں نے ایک ہی روٹی کھائی ہے۔

بقدر ضرورت نیند کی عادت:

حافظ تیمور اعظم صاحب بتاتے ہیں کہ ہمارا گھر لال مسجد سے چند قدم دور آبپارہ مارکیٹ میں ہے ہم نے روزگار کمانے کیلئے ایک ٹیکسی رکھی تھی۔ حضرت شہیدؒ کو جب بھی کہیں باہر جانا ہوتا تو مجھے گھر میں فون کر کے بتا دیتے کہ قاری صاحب میرے لئے ٹیکسی بھیج دیں۔ ایک مرتبہ حضرت نے فون کیا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت آج لال مسجد کے باہر سے کوئی ٹیکسی پکڑ لیں، جواب میں حضرتؒ فرمانے لگے کہ قاری صاحب بات یہ ہے کہ جتنی دیر میں آپ ٹیکسی میں آبپارہ سے میرے گھر تک آئینگے میں اتنی دیر میں میں اپنی نیند پوری کروں گا

آپ کا بھی اس میں فائدہ ہوگا اور میرا بھی فائدہ! اس وقت حضرت کی یہ بات مجھے سمجھ میں نہیں آئی کہ اتنے تھوڑے سے وقت میں نیند کس طرح پوری ہوتی ہے۔ ایک دن حضرت مجھے مرکزی جامع مسجد کے صحن میں بیٹھ کر قرآن پاک کی منزل سنا رہے تھے جب سنا کر فارغ ہو گئے تو فرمانے لگے کہ قاری صاحب اگر اجازت ہو تو میں تھوڑی دیر نیند کرلوں میں نے عرض کیا حضرت ضرور کرلیں یہ کہہ کر حضرت لیٹ گئے۔ میں گھڑی دیکھتا رہا ابھی چند ہی سیکنڈ گزرے تھے کہ حضرت گہری نیند کی آغوش میں چلے گئے۔ میں نے سوچا کہ اب معلوم نہیں حضرت اس گہری نیند سے کب اٹھیں گے۔لیکن یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی کہ کچھ ہی دیر کے بعد اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے الحمدللہ میری نیند پوری ہوگئی۔

نماز تراویح کا منفرد انداز:

حضرت شہیدؒ کا نماز تراویح پڑھانے کا انداز بڑا نرالا تھا، مرکزی جامع مسجد میں تراویح باقی مساجد کی نسبت قدرے دیر سے ختم ہوتی تھیں لیکن عوام کی کثرت رمضان المبارک کے آخر تک بڑھتی ہی جاتی تھی۔ ایسے لوگ بھی ہوتے تھے جو اسلام آباد کے مضافات بھارہ کہو، سید پور، چک شہزاد اور راولپنڈی وغیرہ سے نماز تراویح پڑھنے کے لئے بروقت مرکزی جامع مسجد میں پہنچ جاتے تھے۔ حضرت شہید تراویح کے بعد قرآن کریم کے اس حصے کا مختصر اور جامع مفہوم، واقعات اور احکام بیان فرماتے جو تراویح میں پڑھا گیا یا اس کے بعد عوام کی طرف سے پوچھے گئے مختلف مسائل کے احسن طریقے سے جوابات بھی دیتے تھے یہی وجہ تھی کہ نماز تراویح میں مرکزی جامع مسجد میں عوام الناس کا ایک جمِ غفیر ہوتا تھا۔

محترم انیس فاروقی صاحب بتاتے ہیں کہ رمضان المبارک میں ختم قرآن کی دعا میں لوگ دور دور سے شرکت کیلئے آتے تھے۔ حضرت کی دعا بڑی ہی رقت آمیز ہوتی تھی ، مسجد آہوں اور سسکیوں سے گونج جاتی تھی۔ جس کے بعد دل ایسا مطمئن اور ہلکا ہو جاتا تھا کہ جسے وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جن کو کبھی حضرت کی دعا میں شمولیت کا موقع نصیب ہوا ہے۔

ٹیلیفون پرقرآن کریم سنانے کامنفردانداز:

حافظ تیمور اعظم صاحب کا حضرت شہیدؒ کے ساتھ خاص تعلق تھا۔حضرت ان کو اپنے گھر بلا لیتے اور روزانہ بلا ناغہ قرآن کریم سناتے تھے۔اگر وہ کسی وجہ سے نہ آسکتے تو فون کے ذریعہ قرآن کریم سنا لیتے تھے۔

حافظ تیمور اعظم بتاتے ہیں کہ حضرت شہیدؒ کو قرآن کریم کے ساتھ ایک خاص ذوق اور لگاؤ تھا۔ضروری کام اور بات کے علاوہ قرآن کریم کی تلاوت ہی سے آپ کی زبان تر رہتی تھی۔رمضان المبارک میں قرآن کریم کا سنانا کا معمول تھا۔ٹھہر ٹھہر کر تجوید کے ساتھ اس طرح پڑھتے تھے کہ ایک ایک لفظ کی ادائیگی واضح طور پر سنی جاتی تھی۔

حافظ تیمور صاحب بتاتے ہیں کہ قرآن کریم سناتے وقت لوگ اپنے مسائل لیکر حضرت کے پاس آجاتے جس کی وجہ سے حضرت بڑے پریشان ہوجاتے اور فرماتے کہ کیا کروں لوگ بڑی امید کے ساتھ میرے پاس اپنے مسائل لے کر آجاتے ہیں اگر ان کو میں وقت نہ دوں تو بری بات ہوگی اور منزل سنانا بھی ضروری ہے۔اس سلسلے میں آپ کوئی مشورہ دیں تا کہ دونوں کام ہوسکیں میں نے عرض کیا حضرت میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے اگر آپ مناسب سمجھیں تو آپ گھر میں بیٹھ کر مجھے ٹیلیفون پر ہی قرآن کریم سنادیں گھر سے باہر نکلیں گے تو لوگ آپ کے پاس ضرور آئیں گے۔

یہ سن کر حضرت شہیدؒ اتنے زیادہ خوش ہوئے کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کافی دیر تک خوشی کا اظہار کرتے رہے چنانچہ اس دن کے بعد حضرت ہر روز بلا ناغہ قرآن کریم کے دوسیپارے ٹیلی فون پر مجھے سنایا کرتے تھے۔اگر کسی دن کہیں جانا ہوتا تو اس دن کی منزل ایک دن پہلے یا اس سے اگلے دن سنا کر پورا کر دیتے تھے۔

ابتداء میں ایک دفعہ حضرت شہیدؒ لال مسجد کے صحن میں بیٹھ کر مجھے منزل سنا رہے تھے اس دوران ایک مرتبہ کوئی آدمی آئے وہ کوئی شرعی مسئلہ پوچھنا چاہتے تھے حضرت نے ہاتھ سے اشارہ کر کے اسے بتایا کہ مسئلہ لکھ کر دیدیں۔اس نے ایک کاغذ پر وہ مسئلہ لکھا اور

حضرت کے سامنے رکھ دیا، حضرت منزل اسی طرح سناتے رہے اور ساتھ ساتھ مسئلہ پڑھ کر اس کا جواب بھی کاغذ پر لکھ دیا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ ایک ہی وقت میں حضرت نے دو کام کئے اور غلطی بھی کوئی نہیں کی۔

علامہ عبدالرشید غازی صاحب بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ رمضان المبارک میں والد صاحب اپنے ایک دوست جناب ظفر صاحب کے ساتھ کسی پروگرام سے واپس آرہے تھے مغرب سے پہلے حافظ تیمور صاحب کو روازنہ منزل سنانے کا معمول تھا اس دن راستے میں کسی وجہ سے دیر ہوگئی تو ظفر صاحب کے اصرار پر والد صاحب نے حافظ تیمور سے رابطہ کر کے سیپارہ یا سوا سیپارہ جو روزانہ کا معمول تھا ظفر صاحب کے موبائل پر ہی سنادیا۔

درس قرآن کریم کا انداز:

محترم محمد انیس فاروقی صاحب بتاتے ہیں کہ حضرت مولانا شہیدؒ اسلام آباد کے ملازم طبقہ کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے بیان کرتے وقت ان کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ فجر کی نماز کے بعد لوگوں کو تلاوت قرآن وغیرہ کے بعد ناشتہ اور دفاتر میں جانے کی مصروفیات کو ملحوظ خاطر رکھ کر صرف سات سے دس منٹ درس حدیث دیتے تھے۔ مغرب کی نماز کے بعد قرآن کریم کا درس ہوتا تھا اور تقریباً پندرہ سے بیس منٹ میں سارا مضمون سمیٹ لیتے تھے البتہ چھٹی کے دن فجر کے بعد درس حدیث قدرے طویل ہوتا تھا۔

ایک خاص ادا:

حضرت شہیدؒ کی ایک خاص ادا تھی جو ہر ایک کو پسند تھی تقریر کرتے ہوئے دوران تقریر کسی عجیب یا بڑے امر کا ذکر آجاتا تو حضرت اپنے ایک منفرد انداز میں سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہہ کر خود بھی اور سامعین کو بھی محظوظ کر دیتے اور یہ الفاظ حضرت کے دل کی گہرائیوں سے نکلتے تھے، دل سے نکلے ہوئے یہ کلمات حضرت کی زبان سے سن کر اور آپ کی تڑپ اور ظاہر

اندازکودیکھ کران الفاظ کا حقیقی لطف محسوس ہوتا تھا۔

حقوق اللہ کی ادائیگی:

حضرت شہیدؒ حقوق اللہ اورعبادت کی ادائیگی کا خوب اہتمام فرماتے تھے فرائض کے ساتھ نوافل کا بھی خوب اہتمام فرماتے تھے، سفر ہو یا حضر فرائض واجبات سنن اورنوافل یعنی تہجد، چاشت، اشراق اوراوابین وغیرہ بھی پابندی سے ادا کرتے تھے اس میں کبھی سستی نہیں کرتے تھے۔قرآن کریم کی تلاوت میں تو ہر وقت مشغول رہتے ۔ ہر سال رمضان المبارک میں تراویح کے اندر قرآن کریم کا سنانا کا معمول تھا، فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزں کی بھی پابندی فرماتے تھے۔متعدد بار حرمین شریفین کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے جس کا ذکر آئندہ انشاءاللہ العزیز ''سفرنامے'' کے باب میں مفصل طور پر آئے گا۔

حقوق العباد کی ادائیگی:

حضور سرورکائنات ﷺ کا ارشادگرامی ہے۔**حق المسلم علی المسلم ست قیل ماھن یارسول الله قال اذالقیه فسلم علیه واذا دعاک فاجبه واذا استنصحک فانصح له وإذاعطس فحمد الله فشمته واذا مرض فعده واذا مات فاتبعه**۔(مسلم ج۲ص۲۱۳)

ترجمہ:ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں سوال ہوا یارسول اللہ وہ حقوق کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا جب تم کسی مسلمان بھائی سے ملوتو اسے سلام کرو جب وہ تمہیں دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرو جب وہ تم سے خیر خواہی طلب کرے تو اس کے ساتھ خیر خواہی کرو، جب اسے چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو تم یرحمک اللہ کہہ کر اس کا جواب دو اگر وہ بیمار ہوجائے تو اس کی عیادت کو چلے جاؤ جب وہ فوت ہوجائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ چلو۔

شریعت مطہرہ میں جہاں حقوق اللہ کی ادائیگی کو اہمیت دی گئی ہے وہاں حقوق

العباد کو بھی بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے،حقوق العباد کی عدم ادائیگی پر آنحضور ﷺ نے سخت وعید بیان فرمائی ہے۔حقوق العباد میں رشتہ داروں کے حقوق،پڑوسیوں کے حقوق،بیوی بچوں کے حقوق،والدین کے حقوق،چھوٹوں اور بڑوں کے حقوق،استاد شاگرد کے حقوق، ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق سبھی طرح کے حقوق شامل ہیں اور سب سے عہدہ برآ ہونا ضروری ہے۔حضرت شہیدؒ کے ساتھ جس کسی نے بھی کچھ وقت گزارا ہوگا اسے بخوبی اس بات کا اندازہ ہوگا کہ وہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی میں بھی کس قدر مستعد رہتے تھے اور کس قدر جوش وجذبہ کے ساتھ ان حقوق کو ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

حضرت شہیدؒ کی اہلیہ محترمہ کی گواہی:

حدیث شریف میں آنحضور ﷺ کا ارشادگرامی ہے کہ"**خیرکم خیرکم لاھلہٖ وانا خیرکم لاھلی**"(ترمذی،ابن ماجہ)

ترجمہ:-تم میں سے بہتر آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھے اور میں تم میں اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھنے میں سب سے بہتر ہوں۔

حضرت مولانا محمد عبدالعزیز صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت والد صاحبؒ اپنے گھر والوں کے ساتھ اور خصوصاً والدہ صاحبہ کے ساتھ انتہائی شفقت کا معاملہ رکھتے تھے والدہ صاحبہ کہا کرتی ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے کبھی مجھ سے پانی مانگا ہو میں خود ہی اپنی خوشی اور شوق سے ان کا ہر کام کرنے کی حتی المقدور کوشش کرتی تھی لیکن وہ مجھ سے خود کہتے نہیں تھے۔یہ صفت ان میں عجیب تھی اور یہی آنحضور ﷺ کی مبارک سنت بھی ہے،حضرت اقدسؒ بھی اس مبارک سنت کا اتباع کرتے ہوئے قدم قدم پر اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ ان کے کسی عمل سے کبھی دوسرے کو ذرہ بھر بھی تکلیف نہ پہنچے،مسلم شریف کی حدیث مبارک ہے کہ"**المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ**"،یعنی مسلمان وہ ہے جس

کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں ۔حضرت شہیدؒ کا عمل اس حدیث شریف کے عین مطابق تھا۔علامہ عبدالرشید غازی صاحب بتاتے ہیں کہ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ میں نے اپنی اہلیہ کو آواز دیکر پانی یا کھانا مانگا اور وہ موجود نہ ہوتی ،والد صاحب میری آواز سن لیتے تو پانی لے کر آجاتے ،کبھی باورچی خانے میں جا کر کھانا لے آتے ۔والد صاحب کے اس رویہ سے مجھے بڑی شرمندگی ہوتی تھی ۔جبکہ ان کی اپنی عادت یہ تھی کہ گھر میں بھی نہ کسی سے کھانا مانگتے اور نہ ہی پانی لانے کو کہتے ،جیسا کہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ گھر میں کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں چیز دو۔ ہمارے گھر والوں میں سے کسی کو یادنہیں کہ حضرت نے کبھی گھر میں تحکمانہ انداز اپنا یا ہو۔

بقول کسے ؎

تمام عمر اسی احتیاط میں گذری
یہ آشیاں کسی شاخ چمن پہ بار نہ ہو

خلق خدا سے تعلق:-

حضرت شہیدؒ کو اللہ تعالیٰ نے جن خصوصیات سے نوازا تھا ان میں ایک خاص خصوصیت یہ بھی تھی کہ ہر خاص وعام کے ساتھ تعلق رکھتے تھے ۔ہر کوئی یہ سمجھتا تھا کہ حضرت مجھ سے زیادہ حسن سلوک اور شفقت کا معاملہ فرماتے ہیں ، یہاں تک کہ جن کی ظاہری وضع قطع شریعت کے مطابق نہیں ہوتی تھی ،ان کے ساتھ بھی اس طرح پیش آتے تھے کہ کچھ ہی دیر میں وہ آپ سے مانوس ہو جاتے تھے اور وہ اپنا تعلق بڑھانے کی کوشش کرتے ۔

بیماروں کی تیمارداری:-

پیکر اخلاص حضرت شہیدؒ کی ساری زندگی یہ معمول رہا کہ کبھی کبھار شہر کے مختلف ہسپتالوں میں گشت کرتے اور بیماروں کی تیمارداری کرتے اور ان کا حال احوال پوچھتے اگر کسی غریب اور مفلس کے بارے میں علم ہوتا تو اس سے مالی تعاون بھی فرماتے یا کسی مخیّر

آدمی سے کہہ کر اس سے تعاون کروادیتے۔ چنانچہ جس دن آپ کی شہادت واقع ہوئی اس دن یعنی ہفتہ کے دن بھی آپ پولی کلینک اسلام آباد سے ہو کر آئے تھے۔ بیماروں کی تیمارداری کے بعد ڈاکٹر سے اپنا معائنہ بھی کروایا تھا۔

ایک عیسائی عورت کی سفارش:

مرکزی جامع مسجد کے باہر ایک عیسائی بوڑھی عورت روزانہ سڑک پر جھاڑو دیا کرتی تھی اور قریب ہی کہیں لال کواٹرز کے ایک مکان میں وہ اپنے بچوں سمیت رہتی تھی، ایک مرتبہ اسلام آباد کے کسی دور دراز سیکٹر میں اس کا تبادلہ ہو گیا جہاں سے روزانہ آنا جانا اس کے لئے دشوار تھا، وہ عورت روتی دھوتی حضرت شہیدؒ کے پاس پہنچ گئی اور اپنا دکھ سنایا حضرت شہیدؒ نے جب اس کی مجبوری دیکھی تو اسی وقت سی ڈی اے کے متعلقہ آفیسر کو فون کر کے اس غریب عورت کا تبادلہ رکوادیا۔

مرکزی مسجد کے مؤذن قاری محمد ایوب صاحب سناتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ان کا تعلق مسلک اہل تشیع سے تھا، انہوں نے آ کر آپ سے عرض کیا کہ حضرت! اگر فلاں آفیسر کے پاس میری سفارش کر دیں تو مجھے سرکاری مکان مل سکتا ہے کیوں کہ وہ آفیسر یہ کام بآسانی کر سکتا ہے، وہ آپ کا بہت معتقد ہے۔ اس کی درخواست پر حضرت نے اس کی سفارش کر دی۔ میں نے کہا کہ حضرت آپ کو معلوم ہے کہ آپ کس کی سفارش کر رہے ہیں؟ حضرت فرمانے لگے کہ مجھے سب کچھ معلوم ہے شاید یہی بات اس کے لئے ہدایت کا ذریعہ بن جائے، سفارش کرنے میں کیا حرج ہے؟ اگر شیعہ ہے تو انسان بھی تو ہے۔

پنڈی گھیب کے رہنے والے ایک دوست حافظ عبدالعزیز صاحب جن کا حضرت شہیدؒ کے ساتھ تعلق تھا بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی غیر مسلم (عیسائی) کو کوئی مسئلہ پیش آ گیا غالبًا اس کے کچھ اہم کاغذات پاسپورٹ سمیت گم ہو گئے تھے۔ اس شخص نے اس سلسلے میں بہت تگ و دو کی لیکن اسے وہ گمشدہ کاغذات اور پاسپورٹ نہ مل سکے کسی آدمی نے

اس کو مشورہ دیا کہ اس سلسلے میں آپ لال مسجد کے خطیب مولانا عبداللہؒ کے پاس چلے جائیں وہی آپ سے تعاون کر سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ آدمی مرکزی جامع مسجد میں حضرت شہیدؒ کے پاس پہنچ گیا اور اپنی پریشانی بیان کی۔ وہ آدمی کہتا ہے کہ میں یہ سمجھ رہا تھا کہ شاید غیر مسلم ہونے کی وجہ سے مولانا بات کو ٹال دیں لیکن حضرت مولانا کے حسن سلوک اور برتاؤ دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ پہلے آپ نے مجھے کھانا کھلایا اور میرا مسئلہ حل ہونے تک اپنا مہمان بنائے رکھا اور کچھ دنوں میں میرا مسئلہ بھی حل کرا دیا۔ حافظ عبدالعزیز بتاتے ہیں کہ حضرت شہیدؒ کے حسن سلوک سے وہ آدمی اتنا متاثر ہوا کہ حضرت شہیدؒ ہی کے ہاتھ پر کلمہ پڑھ کر دین اسلام میں داخل ہو گیا اور الحمدللہ آج بھی وہ صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے۔

حضرت مولانا محمد مہر میانوالی بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت شہیدؒ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک نوجوان گریجویٹ آیا۔ اس نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے اپنا شیعہ ہونا بھی بتلا دیا۔ حضرت نے اس کے کام کیلئے متعلقہ آفیسر کو رقعہ لکھ دیا۔

محترم علامہ عبدالرشید غازی صاحب سناتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک ہندو حضرت والد صاحب کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مولانا صاحب! میں فلاں محکمہ میں ملازم ہوں اور اس محکمہ میں فلاں آفیسر صاحب آپ کا ذکر خیر کرتے رہتے ہیں۔ میں غریب آدمی ہوں میرے آفس میں دیگر عملے والے میرے ساتھ زیادتیاں کرتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے میں بہت پریشان رہتا ہوں آپ مذکورہ آفیسر صاحب سے بات کریں تاکہ وہ آئندہ میرا خیال رکھے۔ چنانچہ والد صاحب ان کے ساتھ جانے کیلئے کپڑے تبدیل کرنے گھر میں تشریف لائے تو میں نے کہا کہ ابو جان! آپ کو معلوم ہے کہ یہ ہندو ہے آپ اس کی سفارش نہ کریں۔ لوگ خواہ مخواہ پروپیگنڈہ کریں گے کہ مولانا صاحب کے ہندوؤں کے ساتھ تعلقات ہیں۔ والد صاحب فرمانے لگے کہ بیٹے! مجھے معلوم ہے کہ یہ ہندو ہے لیکن انسان ہونے کی حیثیت سے میں اس کی سفارش کر رہا ہوں۔ ان کے ساتھ واقعی زیادتی ہو رہی ہے۔ اس کا ازالہ کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے یہ کہہ کر آپ ان کے ساتھ چلے گئے اور اس آفیسر صاحب سے اس

غریب کے بارے میں بات کی کہ آئندہ وہ اس کا خیال رکھا کریں اور دیگر عملے والوں کو سمجھائیں کہ وہ ان کے ساتھ اخلاق سے پیش آئیں کسی غیر مسلم کے ساتھ بھی زیادتی سے اسلام نے منع کیا ہے۔

چھوٹوں کی حوصلہ افزائی:

چھوٹوں پر شفقت اور ان کی حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے اور ان کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، جامعہ اور مسجد کے عملے کا ہر فرد تہہ دل سے آپ کی قدر کرتا تھا۔ حضرت کے ڈرائیور جناب منظور حسین صاحب کہتے ہیں کہ ایک دفعہ وزارت تعلیم میں خصوصی کانفرنس منعقد ہورہی تھی جس میں حضرت کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ کانفرنس کے اختتام پر حضرت نے دعا کروائی اسکے بعد چائے مٹھائی اور دیگر لوازمات کا انتظام تھا۔ جو چیز حضرت خود تناول فرماتے اس میں سے کچھ حصہ ایک ڈبے میں رکھتے جاتے وہاں پر موجود دیگر آفیسر صاحبان حضرت کے اس عمل پر حیران تھے، معلوم نہیں وہ کیا سوچ رہے ہوں گے، لیکن ان کی حیرانگی اس وقت ختم ہوئی جب حضرت دعوت ختم ہونے پر باہر تشریف لائے حضرت کے ساتھ وہ آفیسر بھی موجود تھے ڈبے میں رکھی ہوئی مٹھائی مجھے دے کر کہنے لگے کہ منظور صاحب! یہ تمہارا حصہ ہے، پھر ان آفیسر حضرات کی طرف متوجہ ہو کر میرا تعارف کرایا کہ یہ ہمارے جامعہ کے ڈرائیور ہیں اور پھر سوالیہ انداز میں فرمانے لگے کہ اس کا بھی کچھ حصہ ہونا چاہئے کہ نہیں؟ یہ تو ہر وقت میرے ساتھ ہوتا ہے۔

جامعہ کے استاد حضرت مولانا معظم علی صاحب نے احقر کو بتایا کہ ایک مرتبہ حضرت آزاد کشمیر میں کسی پروگرام کے لئے جا رہے تھے، اور میں آزاد کشمیر میں واقع اپنے گاؤں سے واپس آرہا تھا، راستے میں حضرت نے جب مجھے دیکھا تو گاڑی رکوائی اور نیچے اتر کر میرے پاس تشریف لائے، انتہائی محبت سے ملے پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر فرمانے لگے کہ میری جیب خالی ہے میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس سے آپ کا اکرام کرسکوں اور یہاں جنگل میں کوئی چیز میسر بھی نہیں۔ اب دعاؤں کے علاوہ اور کیا کرسکتے ہیں پھر ڈھیروں

دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کر دیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت شہیدؒ پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے چھوٹوں اور ماتحت ملازمین کی حوصلہ افزائی اوران کی تعریف وتحسین فرماتے ،کوئی استاد یا طالب علم حضرت کا ذاتی کام یا جامعہ کا کوئی کام کر دیتا خواہ وہ کام معمولی سا ہی کیوں نہ ہوتا اس کو سراہتے ہوئے ڈھیروں دعاؤں سے نواز دیتے ،احقر کو یاد ہے کہ ایک دفعہ جب حضرت شہید رؤیت ہلال کمیٹی کے چیئر مین تھے تو ملک کے اطراف واکناف کے علمائے کرام کی طرف حضرت خطوط لکھا کرتے تھے،حضرت کے حکم پر بعض اوقات یہ سیاہ کار بھی خطوط لکھنے کی خدمت سرانجام دیتا،حالانکہ یہ ایک معمولی سا کام ہوتا تھا،لیکن حضرت شہیدؒ اس پر ڈھیروں دعاؤں سے نواز دیتے،سن کر دل باغ باغ ہوجاتا،احقر کے دل کو اب بھی وہ دعائیں حلاوت دیتی ہیں۔

جناب بھائی عطاء الرحمٰن صاحب بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ فجر کی نماز میں امامت کیلئے جب کوئی نہ ملا تو میں امام بن گیا سلام پھیرتے وقت میں نے دیکھا کہ حضرت پہلی صف میں میرے قریب ہی بیٹھے ہیں مجھے بڑی شرمندگی ہوئی کہ نہ عالم ہوں نہ حافظ اورعلماء کرام کی موجودگی میں نماز پڑھا رہا ہوں حضرت شہیدؒ سمجھ گئے دعا کے بعد حسب معمول حضرت نے درس قرآن کریم دیا اسی دن مغرب کی نماز ادا کرنے کیلئے جب میں مسجد پہنچا تو حضرت نے مجھے پھر امامت کیلئے آگے کر دیا اور میں نے امامت کروائی بعد میں میری قرأت کی بڑی تعریف کی۔اس طرح حضرت نے نماز پڑھانے پر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

جامعہ کا کوئی مفتی صاحب حضرت کی اقتداء میں نماز جمعہ پڑھنے مرکزی جامع مسجد چلا جاتا اور حضرت کی نظر اس پر پڑ جاتی تو نماز کے بعد خصوصی طور پر اعلان فرمادیتے تھے کہ ہمارے جامعہ کے فلاں مفتی صاحب تشریف لائے ہیں،جس کسی نے کوئی شرعی مسئلہ پوچھنا ہوتو بقیہ نماز کے بعد منبر کے قریب آ کر ان سے پوچھ لیں،وہ منبر کے قریب تشریف فرما ہوں گے۔اسی طرح جب کسی نماز میں جامعہ کے کسی استاد کو دیکھ لیتے تو نماز پڑھانے کے لئے آگے کر دیتے بے شک چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کرنا بڑے لوگوں کی نشانی ہوتی ہے۔

جامعہ کے استاد مولانا معظم علی صاحب جو جامعہ کے شعبہ مالیات کے انچارج بھی ہیں بتاتے ہیں کہ کہ جب حضرت شہیدؒ جامعہ کے واؤچرز (بلوں) پر دستخط کر دیتے تو ہر بار فرماتے کہ یہ دستخط میں عبادت سمجھ کر کرتا ہوں، اور حسنِ ظن کا یہ عالم تھا کہ دستخط کرتے وقت اکثر یہ فرماتے کہ ہمارے مالیات کے مسئولین کسی بڑے ولی اللہ سے کم نہیں۔

آپ کی حیات مبارکہ میں آج کل کی طرح قانون توہین رسالت کے خلاف ایک طوفان بدتمیزی برپا ہوگیا تھا، عاشقان مصطفیٰ بالخصوص علمائے کرام نے شدید ردعمل کا اظہار اور حکومتی کوششوں کے خلاف مزاحمت اور مذمت کا سلسلہ شروع کر دیا، مرکزی جامع مسجد میں حضرتؒ کی سرپرستی میں احتجاجی جلسے اور جلوس کا پروگرام بنا، جامعہ فریدیہ کے درجہ متوسطہ کے ایک طالب علم عبدالرؤف محمدی نے ایک احتجاجی جلسے میں تقریر کی اور اچھے انداز میں تقریر کی۔

دوران تقریر حضرت شہیدؒ اس ننھے سے بچے کی تقریر سن کر بہت محظوظ ہوئے اور وہیں اسٹیج پر کھڑے ہوکر اس کی خوب حوصلہ افزائی فرمائی اور تھپکی بھی دی، اگلے دن حضرت شہیدؒ جونہی جامعہ فریدیہ تشریف لائے تو عبدالرؤف محمدی کو اپنے دفتر بلالیا اور وہ پوری تقریر دوبارہ سنی اور انعام سے بھی نوازا، اس کے بعد جب وہ طالب علم حضرت سے ملتا تو قریب بلا کر حال احوال دریافت فرماتے اور پیار کرتے اگر کوئی مہمان ساتھ ہوتا تو اس بچے کا تعارف ان الفاظ میں کرواتے:

''یہ ہمارا ایک چھوٹا سا اور اچھا سا بچہ ہے آپ اسے بچہ نہ سمجھیں یہ بہت بڑا خطیب ہے اچھے انداز میں تقریر کرسکتا ہے۔''

قربانی کے ساتویں حصے میں شرکت کا مسئلہ:

احقر جب حضرت شہیدؒ کی سوانح لکھنے لگا تو بعض علماء کرام کی طرف خط لکھا گیا کہ اگر کسی کے پاس حضرت اقدس کا کوئی واقعہ یا لکھا ہوا مضمون موجود ہو تو بھیج دیں، تاکہ سوانح میں شامل کیا جاسکے تو جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے مہتمم حضرت مولانا فیاض خان

صاحب سواتی مدظلہ نے حضرت کا ایک واقعہ تحریر فرما کر بھیجا جو من وعن قارئین کی خدمت میں پیش ہے، حضرت لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ اپنی شہادت سے کچھ عرصہ قبل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں تشریف لائے ، والد محترم مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان صاحب سواتی مدظلہ اور مدرسہ کے دیگر اساتذہ کرام اور طلباء سے ملاقات کے بعد بندہ کے ساتھ دفتر اہتمام میں تشریف لے آئے ، آپ کے ہاتھ میں بندہ کا مرتب کردہ رسالہ ''احکام قربانی'' تھا۔ وہیں قیام کے دوران آپ نے یہ مختصر سا رسالہ مطالعہ فرمانے کے بعد بندہ سے ایک مسئلہ دریافت فرمایا کہ:

''اگر مشترکہ قربانی میں چھ حصہ داروں کے ساتھ کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہو یعنی ساتویں حصہ میں کئی آدمی مل کر ایک حصہ مکمل کرلیں۔ تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اس کی وجہ سے دوسروں کی قربانی پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟ احقر نے عرض کیا کہ حضرت! اس کا حل تو آپ ہی بیان فرمادیں آپ بزرگ ہیں اور بندہ آپ کے بچوں جیسا ہے کچھ کہتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے۔ حضرت نے بڑی فراخدلی سے ارشاد فرمایا اس میں چھوٹے بڑے کی کوئی بات نہیں ہے آپ نے رسالہ لکھا ہے تو آپ کے ذہن میں ضرور اس کی جزئیات ہوں گی ، بلا جھجک بیان فرمادیں ، احقر نے عرض کیا کہ مذکورہ صورت میں اگر کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم ہوا تو کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی نہ اس کی جس کا پورا ساتواں

حصہ ہےاور نہ اس کی جس کا ساتویں حصے سے کم ہے، آپ نے فرمایا کہ اس کی تشریح مثال کے ساتھ بیان کریں تا کہ صورت کھل کر سامنے آجائے، احقر نے عرض کیا کہ مشترکہ قربانی میں کسی حصہ دار کا حصہ ساتویں سے کم نہیں ہونا چاہئے ،مثلاً چھ آدمیوں نے مل کر ایک اونٹ یا گائے خریدی ان کے اپنے حصے تو مکمل ہیں اور جو ساتواں حصہ ہے وہ سب کا مشترکہ ہوگا اس میں تو کوئی حرج نہیں ۔اس صورت میں سب کی قربانی درست ہوگی ۔البتہ اگر ان شریکوں کے علاوہ ایک سے زائد آدمی اس ساتویں حصہ میں شریک ہوجائیں تو کسی کی بھی قربانی درست نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں ایک جانور میں سات سے زیادہ آدمیوں کا شریک ہونا لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں ہے۔(فتاویٰ ہندیہ ص۳۰۴۔ج ۵، شامی ص۳۲۵۔ج۶)۔اس پر آپ نے فرمایا ''جزاک اللہ خیراً فی الدنیا والآخرۃ''

بعدازاں بندہ کے ساتھ اس طرح بے تکلفانہ گفتگو فرمانے لگے کہ جیسے کوئی گہرے دوست آپس میں باتیں کرتے ہیں اور حضرت کا یہ طریقہ تقریباً ہر ایک کے ساتھ یکساں تھا، یقیناً یہ بڑے لوگوں کا طریقہ اور حوصلہ ہے کہ وہ چھوٹوں کی حوصلہ افزائی فرماتے رہتے ہیں، حضرت کی شہادت نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام کیلئے ایک بہت بڑا صدمہ تھا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حق گوئی، استقلال، جرأت، شجاعت اور دلیری کی صفات سے نوازے۔ آمین

ے خدا رحمت کند آں عاشقانِ پاک طینت را

سخاوت وفیاضی:

دل کا سخی ہونا اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت عظمیٰ ہے، اللہ تعالیٰ یہ صفت جسے چاہتے مرحمت فرما دیتے ہیں، حضرت شہیدؒ کو بھی اس نعمت سے وافر حصہ ملا تھا۔ آپ سے ملاقات کے لئے جو بھی آ جاتا اس کی خاطر وتواضع میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرتے اکثر طلباء، یتیموں اور بیواؤں کا تکفل فرماتے اور خوشدلی سے ان کی ضروریات نقدی وغیرہ کی صورت میں پوری فرماتے ۔وعظ وتبلیغ کے واسطے سفر پر جاتے تو نزدیک ہو یا دور اگر بلانے والے کرایہ دینے کی طاقت نہ رکھتے یا نہ دینا چاہتے تو حضرت ان سے مانگتے نہیں تھے بلکہ بخوشی کرایہ اپنی ہی جیب سے ادا کرتے دکھی انسانوں کی مدد، دنیا کے ستائے ہوئے لوگوں سے تعاون اور مخلوق خدا کی بے لوث خدمت جیسی صفات آپ کے اندر موجود تھیں اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تمیز نہ فرماتے تھے۔ کسی غیر مسلم کی ضرورت کو بھی احسن طریقے سے پورا فرما دیتے تھے۔

جناب منظور حسین صاحب کہتے ہیں کہ میلوڈی اسلام آباد کے قریب ایک بے آسرا بوڑھی رہائش پذیر تھی، اس کی تمام کفالت حضرت فرماتے تھے اور یہ بات میرے علاوہ کسی کو معلوم نہیں تھی جب بھی اس بڑھیا کے گھر کچھ لے کر جاتے تو وہ ہر مرتبہ ایک رس حضرت کی خدمت میں پیش کر دیتی، آپ اس کو آدھا کر دیتے آدھا خود تناول فرماتے اور آدھا مجھے دے دیتے۔ اس کے علاوہ رشتہ داروں اور غیر رشتہ داروں میں کئی غریب گھرانوں کا خرچہ حضرت نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا، جس کا صحیح علم آپ کی شہادت کے بعد ہوا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے ایک ہاتھ سے لے کر دوسرے ہاتھ سے تقسیم کر دیتے تھے۔ اسی طرح سال میں ایک دو دفعہ جامعہ کے اساتذہ کی ضیافت ضرور فرماتے تھے۔

طالب علموں کی تربیت کا انداز:

مدرسے کے طلباء کی تعلیم وتربیت کی فکر کرتے کم ہمتوں اور کند ذہن بچوں کی ہمت

بندھاتے۔ ان کی دلجوئی فرماتے لباس وپوشاک اور وضع قطع میں اتباع سنت کی تاکید فرماتے۔علمائے دیوبند کے مسلک جوکہ خالص سنت رسول اللہ ﷺ پر مبنی ہے اس سے طلباء کو آگاہ کرتے اور اکابر حضرات کے واقعات اور عبرت آموز قصے سنا کر ان کے دلوں میں ان کی محبت،قدر اور احسان شناسی پیدا کرنے کی کوشش کرتے' بہت سے غریب طلباء کی گاہے بگاہے مالی امداد بھی فرماتے۔ جامعہ کے طالب علم عبدالشکور گلگتی جو ابھی فارغ التحصیل ہو چکے ہیں نے احقر کو سنایا کہ حضرت شہیدؒ طلباء کی اخلاقی اصلاح کی طرف بہت توجہ دیتے تھے اور اصلاح معاملات کی تاکید فرماتے تھے۔کبھی کبھی مشکوٰۃ شریف کا سبق پڑھانے کے بعد طلباء کے ساتھ مشفقانہ انداز میں دل لگی کی باتیں شروع کر دیتے اور طلباء کو خوش کر دیتے۔طلباء بھی رفتہ رفتہ حضرت کے اس مزاج کو سمجھ لیتے اس لئے گاہے بگاہے مختلف فرمائشیں شروع کر دیتے، حضرت طلباء کی کبھی کبھی خاطر تواضع بھی کرتے،کبھی چائے سے تواضع کرتے اور کبھی نقدی سے نوازتے۔ حالانکہ درسگاہ سے باہر آپ کی بارعب شخصیت کے سامنے بڑے بڑے طالب علم بھی دم نہیں مار سکتے تھے،حضرت خود ہی فرمایا کرتے تھے کہ:

''طلبہ مہمانان رسولؐ ہیں ان کی خدمت کرنا میرے لئے سعادتمندی کی بات ہے''

جامعہ فریدیہ کے فارغ التحصیل مولانا عبدالقدوس محمدی بتاتے ہیں کہ اکثر طالب علموں کی خواہش ہوتی کہ وہ حضرت شہیدؒ کے ساتھ مصافحہ کر لیں۔ چنانچہ جب بھی کوئی مصافحہ کر لیتا تو بڑی محبت اور شفقت سے پیش آتے کبھی کبھار چلتے چلتے کوئی مسنون دعا سن لیتے کبھی چھوٹے موٹے مسائل یا کوئی علمی سوال پوچھ لیتے اس طرح اپنے ادارے کے نظامِ تعلیم وتربیت کا اندازہ لگا لیتے۔بعض اوقات قیمتی نصائح اور زندگی کے سنہرے اصولوں سے بھی آگاہ کر لیتے۔

وسعت قلبی:

حضرت شہیدؒ کی کسی سے دشمنی تھی نہ وہ کسی کے ساتھ حسد،عداوت اور بغض وکینہ

رکھتے تھے، اور نہ ہی وہ زندگی بھر کسی کے لئے اذیت اور تکلیف کا باعث بنے مخلوق خدا کی بے لوث خدمت کرنے والے ایک درویش صفت اور وسیع المشرب انسان تھے، ان کے نظریات کا محور اسلام اور صرف اسلام تھا، ان کے نظریات اور خیالات سے شاید کسی کو اختلاف ہو لیکن ان کی اسلام دوستی اور انسان دوستی پر انگلی اٹھانا ممکن نہیں، وہ ایک نرم دم گفتگو ، گرم دم جستجو، قلیل امیدوں اور جلیل مقاصد کے مالک اور مسیحا تھے۔ لوگوں کے ساتھ گھل مل جانا ہر مسلک و مشرب کے لوگوں کی بحیثیت انسان خدمت کرنا ان کا مزاج اور ان کی زندگی کا مشن تھا۔

نگہ بلند سخن دلنواز جان پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میر کا رواں کے لئے

حضرت شہیدؒ کا صبر و تحمل:

محترم قاری محمد ایاز عباسی مدظلہ بتاتے ہیں کہ جس زمانے میں ہم حضرت کے ساتھ جیل میں تھے۔ ہمارے ساتھ ایک ریٹائرڈ میجر......صاحب بھی قید تھے۔ وہ ایک آزاد ذہن کے آدمی تھے۔ ہماری ان کے ساتھ نہیں بنتی تھی بعض اوقات وہ کچھ ایسی باتیں کر جاتے تھے۔ جن کی وجہ سے ہمیں غصہ آجاتا اور لڑائی جھگڑے تک نوبت آجاتی لیکن حضرت شہید ہمیں تحمل اور صبر کی تلقین کرتے اور ہمیں سمجھا دیتے کہ بھائی یہ صاحب جیسا بھی ہے اس وقت انہوں نے ہمارے مشن کے سلسلے میں بھرپور ساتھ دیا ہے اور ہمارے ساتھ جیل تک پہنچ گیا ہے۔ اس لئے انہیں کچھ نہ کہو۔ بلکہ ان کی اصلاح کی فکر کرو، حضرت سمجھاتے تو ہم صبر کر لیتے۔

لڑائی جھگڑے سے اجتناب:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

" ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم الآية "

اور تم نزاع مت کرو ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

حضرت شہیدؒ نے اپنے ذاتی معاملات میں کبھی معمولی سے معمولی لڑائی جھگڑے کو بھی پسند نہیں کیا، حتی الامکان اس بات کی کوشش کی کہ لڑائی جھگڑے کی نوبت ہی نہ آئے، اس سلسلے میں اگر آپ کا اپنا نقصان ہوا تو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کر لیتے، لیکن جھگڑے سے ہمیشہ گریز فرماتے تھے، حضرت مولانا محمد عبدالعزیز صاحب نے احقر مؤلف کو سنایا کہ حضرت شہیدؒ کے آبائی گاؤں میں اپنی کچھ ذاتی زمین تھی، شہادت سے کچھ دن پہلے ایک دفعہ ہمارے ماموں جان گاؤں سے آئے اور والد صاحب کو بتایا کہ آپ کی گاؤں والی زمین پر کسی نے قبضہ کرلیا ہے اور اپنے نام انتقال بھی کروالیا ہے یہ سن کر والد صاحب فرمانے لگے کہ اگر وہ ہماری زمین لینا چاہے تو لے لے میں کہاں جھگڑے کرتا پھروں میرے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہے کہ مقدمہ لڑوں۔

آنحضورﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”من ترک المراء وھو محق بنی لہٗ فی وسطھا
ومن حسن خلقه بنی لہٗ فی اعلاھا “

(ترمذی ص۲۰/ ج۲)

ترجمہ: جو شخص لڑائی جھگڑے کو چھوڑ دے اس حال میں کہ وہ حق پر ہو تو اس کیلئے جنت کے وسط میں محل بنایا جائے گا اور جو شخص اپنا اخلاق اچھا کرلے تو اسکے لئے جنت کی بلند جگہ پر محل بنادیا جائے گا۔

حضرت شہیدؒ نے لڑائی جھگڑے کو ختم کر کے ایثار اور قربانی کی ایک اعلیٰ مثال قائم کی اور اپنے آپ کو مذکورہ حدیث کے اجر وثواب کا مستحق بنادیا، اخلاق تو آپ کا اچھا تھا ہی حق پر ہونے کے باوجود لڑائی جھگڑے سے اجتناب کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس اجر عظیم کا سامان بھی پیدا کرلیا۔

مہمانوں کی خدمت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفه .

ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

حضرت شہیدؒ اس حدیث پر بھی خوب عمل کرتے تھے۔ چنانچہ جس نے بھی مرکزی مسجد میں کچھ وقت گذارا ہے اسے بخوبی اس بات کا اندازہ ہوگا کہ مہمانوں کی خدمت اور عزت واکرام حضرت کی زندگی کا معمول تھا، مہمان کو گھر کے لئے برکت سمجھتے تھے۔ اگر فرصت ہوتی تو بذاتِ خود ذاتی طور ان کے آرام وسکون کا خیال رکھتے، اگر گنجائش ہو جاتی تو ان کو کچھ کھلا دیتے ورنہ ان کے ساتھ اس طرح پیار ومحبت سے پیش آتے کہ ان کا دل باغ باغ ہو جاتا۔ حضرت ابو ہریرہؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

''تم تمام لوگوں میں اپنے مال تو تقسیم نہیں کر سکتے مگر خندہ پیشانی اور حسن اخلاق کا معاملہ تو سب سے کر سکتے ہو۔ (اس سے تو دریغ نہ کرو)'' (تنبیہ الغافلین ص ۵۵۸)

مرکزی جامع مسجد میں ہر روز مہمانوں کی آمد رہتی تھی بعض اوقات لوگ کئی کئی مہینوں تک مرکزی جامع مسجد میں قیام کرتے، خاص طور پر حج یا عمرہ کرنے والے حضرات اپنے تمام امور ضروریہ مکمل ہونے تک مرکزی مسجد ہی میں قیام کرتے اور حضرت آخر تک ان کا خیال رکھتے۔

احقر مؤلف پر حضرت شہیدؒ کی شفقتیں:

(راقم الحروف) جامعہ دارالعلوم کراچی سے تعلیمی فراغت کے بعد تدریس کی تلاش میں کراچی جانے کے ارادے سے گھر سے نکلا اسلام آباد پہنچ کر حضرت شہیدؒ کی زیارت کی غرض سے مرکزی جامع مسجد پہنچا۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ نماز تراویح کے بعد حضرت سے ملاقات کے دوران اچانک میرے ذہن میں خیال آیا اور جامعہ فریدیہ اسلام آباد میں تدریس کے سلسلے میں حضرت سے درخواست کی جس پر حضرت کچھ دیر تک بڑے مشفقانہ انداز میں میری طرف دیکھتے رہے۔ اس وقت جو روحانی حلاوت میں نے اپنے اندر محسوس کی بخدا اس کو میں الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ پھر آپ نے پوچھا

کہ آپ کی فراغت کہاں سے ہوئی ۔ میں نے بتلایا تو فرمانے لگے کہ صبح کسی وقت آپ جامعہ فریدیہ آجائیں ۔ میں مولانا محمد عبدالعزیز صاحب سے بھی مشورہ کر لیتا ہوں ۔ اگلے دن صبح نو بجے کے لگ بھگ میں جامعہ پہنچا تو حضرت جامعہ کے دارالافتاء سے باہر نکل رہے تھے ۔ مجھے دیکھ کر فرمانے لگے کہ ہمارا مشورہ ہوا ہے اس وقت جامعہ میں چھٹیاں ہیں آپ عید الفطر کے بعد آجائیں انشاء اللہ تدریس مل جائیگی یہ سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ حضرت نے مجھ سے تصدیق کیلئے نہ تو مدرسے کی سند طلب کی اور نہ ہی جامعہ میں تقرری کیلئے درخواست لکھنے کو کہا ۔ چنانچہ عید کے بعد واپس آ کر الحمدللہ جامعہ فریدیہ میں خدمت دین میں مشغول ہو گیا ۔ کچھ عرصے کے بعد قانونی کارروائی پوری کرنے کیلئے جامعہ کے شعبۂ مالیات کے ناظم مولانا معظم علی صاحب کو سندات اور تقرری کی درخواست کی ضرورت پڑی تو ان کے کہنے پر میں نے مذکورہ کاغذات جمع کرادیئے اور حضرت شہید کے ساتھ یہ تعلق الحمدللہ اس وقت سے لے کر شہادت کے دن تک قائم رہا اور حضرت کی خدمت کرنے کا خوب موقع ملا اور حضرت بہت پیار و محبت اور خصوصی شفقت فرمایا کرتے تھے ۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضرت شہیدؒ کی نظر کرم سے تادم تحریر دینی خدمت میں مشغول ہوں اللہ تعالیٰ اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو اپنے بارگاہ میں قبول فرمائے اور حضرت شہید کیلئے صدقہ جاریہ بنادے ۔

؎ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

جامعہ کے معاملات میں احتیاط :

آنحضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

" لایبلغ العبد ان یکون من المتقین حتی یدع مالا بأس به حذراً لما به البأس .... الخ " (ابن ماجہ ص/۳۲۱)

ترجمہ :- آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ بندہ پرہیزگار لوگوں کے درجے تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا

جب تک کہ وہ حرج والی چیزوں سے بچنے کے لئے ان
چیزوں کو نہ چھوڑے جن کے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت شہیدؒ آنحضور ﷺ کے اس ارشاد مبارک کا ایک عملی نمونہ تھے، بہت سی چیزیں ایسی تھیں جو شرعی اعتبار سے مباح تھیں لیکن آپ نے تقویٰ وطہارت کی وجہ سے انہیں چھوڑ رکھا تھا۔ آپ وعظ وتلقین کے لئے کہیں بھی تشریف لے جاتے تو کوشش فرماتے تھے کہ اپنی جیب سے خرچ کیا جائے اگر گنجائش نہ ہوتی تو بادل نخواستہ کرائے کی حد تک پیسے لے لیتے تھے اگر کوئی نہ دیتا تو کہتے نہ تھے یا دینے کی توفیق نہ ہوتی تو بخوشی اپنی طرف سے ادا کر لیتے۔ جامعہ فریدیہ کے اکاؤنٹ میں کبھی کبھار کچھ رقم جمع کروا دیتے تھے تاکہ مدرسہ کی کوئی چیز جو کبھی ان کے استعمال میں آجاتی اس کا بدل ہوجائے۔ حضرت کا معمول تھا کہ صبح سویرے روزانہ جامعہ کے دیگر اساتذہ کے ساتھ پڑھانے کے لئے جامعہ تشریف لاتے۔

محترم منظور حسین صاحب بتاتے ہیں کہ جب میں جامعہ کی گاڑی حضرت کے گھر کے دروازے کے پاس کھڑی کرتا تو حضرت ناگواری کا اظہار فرماتے، سختی سے منع کرتے اور فرماتے گاڑی کو مسجد کے سامنے مین روڈ پر کھڑی کر دو، متعدد بار میں نے عرض کیا کہ حضرت گاڑی گھر کے دروازے تک لے جاؤں آپ کے لئے سہولت ہوگی، تو حضرت فرماتے کہ سڑک سے گھر تک کا خرچہ مدرسے کا ہوگا جبکہ میں سڑک سے گھر تک آسانی سے آجا سکتا ہوں، اور اساتذہ بھی وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ اگرچہ فاصلہ تھوڑا سا ہے لیکن ممکن حد تک فضول خرچی سے بچنا چاہئے، ہم مدرسے والوں پر لازم ہے کہ مدرسے کی تمام چیزوں کا اسی طرح خیال رکھیں جس طرح ہم اپنی ذاتی چیزوں کا خیال رکھتے ہیں۔

جامعہ فریدیہ کے استاد مولانا محمد یعقوب طارق صاحب بتاتے ہیں کہ جامعہ فریدیہ کی ایک رسید بک مرکزی جامع مسجد کے استاد قاری محمد شوکت صاحب کے پاس ہوتی تھی، قاری صاحب رسید کاٹ کر وہ رقم حضرت شہیدؒ کے حوالے کر دیتے تھے۔ مہینے کے آخر میں جب وہ رقم حضرت شہیدؒ جامعہ میں جمع کرانے

کیلئے لے جاتے تو وہ پیسے بالکل اسی ترتیب کے مطابق رکھے ہوئے ہوتے تھے جس طرح قاری شوکت صاحب نے مختلف اوقات میں حضرت شہیدؒ کے حوالے کئے تھے۔یعنی نوٹوں کی ترتیب بھی بعینہٖ وہی ہوتی۔مولانا یعقوب صاحب کہتے ہیں کہ حضرت شہیدؒ کی اس درجہ احتیاط سے مرکزی جامع مسجد کے اساتذہ پر بڑا اثر ہوتا اور کبھی کبھی اساتذہ کرام حضرت کی اس احتیاط کا آپس میں تذکرہ بھی کرتے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل کا استحضار:

جامعہ کے ڈرائیور جناب منظور حسین صاحب بیان کرتے ہیں کہ اسلام آباد کی سڑکوں پر عورتیں صبح سویرے جھاڑو دیا کرتی ہیں، حضرت کی معیت میں جب بھی میں ان عورتوں کے پاس سے گزرتا تو حضرت ان کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ منظور صاحب! ہم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل وکرم اور احسان ہے ہم اس ذات پاک کا جتنا شکرادا کریں تب بھی کم ہی ہے اگر ہماری بہو، بہن اور بیٹیوں کو بھی اللہ تعالیٰ اس کام میں لگا دیتا تو ہم کون ہیں انکارکرنے والے۔یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہمیں مسلمانوں کے گھر میں پیدا فرمایا اور عزت بخشی۔وللہ الحمد علیٰ ذالک۔

مریضوں کی عیادت:

جناب منظور حسین صاحب بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے گاؤں سے اسلام آباد آرہا تھا کہ راستے میں حادثہ پیش آ گیا، اور مجھے شدید چوٹیں آئیں، نیم بے ہوشی کی حالت میں مجھے ہسپتال پہنچا دیا گیا، جب مولانا شہیدؒ کو معلوم ہوا تو فوراً میرے پاس ہسپتال میں پہنچ گئے، اس کے بعد کئی دنوں تک میں ہسپتال ہی میں رہا اور مولانا روزانہ میرے پاس پہنچ جاتے۔خیریت دریافت کرتے اور ادویہ کے لئے رقم بھی عنایت کرتے، میں عرض کرتا کہ حضرت یہ دوائیں تو مجھے ہسپتال کی طرف سے مفت ملی ہیں۔تو فرماتے کہ بس آپ رکھ لیں، اس کے بعد ہسپتال میں تمام مریضوں کا حال پوچھتے اور ان کے لئے دعائیں کرتے اور کبھی کبھی ان سے مالی تعاون بھی فرماتے۔حضرت کا یہ معمول تھا کہ ہسپتال جا کر مریضوں کا حال احوال پوچھنا، مستحقین سے تعاون کرنا اور مخیّر حضرات کو نادار مریضوں سے

تعاون کی طرف متوجہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔

علامہ عبدالرشید غازی صاحب بتاتے ہیں کہ ہفتہ کے دن آپ کا معمول تھا کہ باری باری مختلف ہسپتالوں میں جاتے اور مریضوں کی عیادت کرتے، جس دن آپ کی شہادت واقع ہوئی یعنی ہفتہ کے دن بھی آپ پولی کلینک گئے تھے اور ڈاکٹروں سے اپنا طبی معائنہ کروانے کے بعد مریضوں کی عیادت بھی کی تھی۔ چنانچہ پولی کلینک میں جب ان ڈاکٹروں تک حضرت کی شہادت کی خبر پہنچی تو وہ ماننے کیلئے تیار نہیں تھے اور کہہ رہے تھے کہ ابھی تو ہمارے پاس سے اٹھ کر گئے ہیں اتنی دیر میں اتنا بڑا واقعہ کیسے ہوسکتا ہے۔ لیکن جب آپ کو ہسپتال لے جایا گیا اور انہوں نے بذات خود دیکھا تو انہیں یقین آیا کہ واقعی حضرت کو شہید کر دیا گیا ہے۔

قبولیت عامہ:

قرآن کریم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا o "

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کئے ان کے لئے اللہ تعالیٰ ضرور لوگوں کے دلوں میں محبت اور الفت پیدا کریں گے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے راضی ہوتے ہیں تو ساتویں آسمان ایک فرشتہ زمین پر نداء کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں آدمی سے محبت کرتے ہیں تم بھی ان سے محبت کرو، اس طرح خلق خدا میں بھی اس کی عزت وتکریم بڑھ جاتی ہے، نیز "من کان للہ کان اللہ لهٗ "یعنی جو انسان اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت شہید کی ذات بابرکات میں بھی ایک کشش رکھی تھی جو لوگوں کے دلوں کو مقناطیس کی طرح کھینچتی تھی، الغرض اللہ تعالیٰ نے حضرت شہید کو قبولیت عامہ جیسی عظیم نعمت سے نوازا تھا۔ ہر دلعزیز تھے جہاں بھی تشریف لے جاتے تھے عزت وتکریم

پاتے۔آپ کا وجود سب کے لئے جاذب اور دلکش ہوتا چنانچہ حضرت کی شہادت کے موقع پر ہر آنکھ اشک بار تھی اور ہر دل غم زدہ تھا، ہر سو آہیں اور چیخیں سنائی دیتی تھیں بے شک یہ سب حضرت شہیدؒ کی قبولیت عامہ ہی کا اظہار تھا۔ **ذالک فضل اللہ یؤتیه من یشآء.**

حسرت دیدار:

اللہ تعالیٰ نے حضرت کو ظاہری اور باطنی ہر دو نعمتوں سے نوازا تھا، ظاہری حسن و جمال نقش و نگار، چہرے کی نورانیت اور دلکشی بھی تھی اور باطنی اعمال اور اخلاق میں بھی آپ قرون اولیٰ کے اکابر کی تصویر تھے۔ سادگی درویشی اور مسکینی دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں ہلچل مچ جاتی۔اس کی ایک جھلک آپ کی شہادت کے موقع پر نظر آئی لوگ آپ کی صورت دیکھنے کے لئے پروانہ وار اُمڈ آئے ایسے لوگ بڑی تعداد میں دیکھے گئے جو دنیاوی طور پر اثر رسوخ رکھنے کے باوجود حضرت شہیدؒ کے چہرے کی طرف ایک نظر دیکھنے کے انتہائی مشتاق اور اس کو وہ اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے۔

مزاح مجلس:

کچھ علماء سے سنا ہے کہ بعض اوقات جب ان کی طبیعت میں انقباض آ جاتا تو حضرت شہیدؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر تھوڑی دیر بیٹھنے سے ان کی طبیعت بالکل سنبھل جاتی تھی اور ذہنی پریشانی اور طبیعت کا انقباض دور ہو جاتا۔

جامعہ کے استاد حضرت مفتی دوست محمد صاحب کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت شہید ضلع چکوال کے ایک سالانہ اجتماع میں تشریف لے جا رہے تھے تو مجھے بھی اپنا رفیق سفر بنا لیا۔حضرت کا مزاج تھا کہ وہ کسی کو اکتاہٹ نہیں ہونے دیتے تھے۔خود بھی انتہائی خوش مزاج اور ہنس مکھ تھے۔سفر کے دوران فرمانے لگے کہ بھائی بتاؤ! کون سا پھل ہے جس کا نام قرآن کریم میں نعمت اور عذاب کے عنوان سے آیا ہے۔نعمتوں میں اس پھل کا تذکرہ بطور نعمت آیا ہے اور عذاب میں اس کا ذکر بطور قہر، ناراضگی اور غضب الٰہی کے آیا ہے؟ میں نے

کافی سوچا اورغور کیا لیکن جواب تک نہیں پہنچ سکا۔ پھر آپ نے خود ہی فرمایا وہ بیری کا پھل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کے پھلوں میں اس کا تذکرہ نعمت الٰہی کے عنوان سے فرمایا ہے جبکہ قوم سباء پر عذاب نازل ہوا تو اس میں بھی اسی پھل کا ذکر ہے۔

حضرت شہید کے نواسے عامر صدیقی صاحب بتاتے ہیں کہ کئی دفعہ حضرت کے پاؤں دبانے کی خواہش ظاہر کی لیکن حضرت نے مسکرا کر ٹال دیا ایک دفعہ جب میں نے اصرار کیا تو اس پر ایک واقعہ سنایا۔ بیت اللہ شریف میں ایک بزرگ طواف کرنے کے بعد تھکا ماندہ ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا اور اپنی اولاد کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔ مجھے سمجھ نہیں آیا کہ یہ بزرگ اپنی اولاد پر کیوں غصے ہو رہا ہے ایک ساتھی نے ان سے پوچھا کہ محترم کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگا کہ بیٹوں نے پاؤں دبا دبا کر مجھے عادی بنا دیا اب اس کے بغیر چین ہی نہیں آتا کیا کریں؟ پھر حضرت ازراہ تفنن فرمانے لگے کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بھی ان کی طرح عادی بن جاؤں اور اپنا غصہ اولاد پر نکالوں۔

حضرت شہیدؒ نے کئی حج اور عمرے کیے تھے بعض اوقات سعودی حکومت کے پیشکش پر آپ شاہی مہمان خانے میں بھی قیام فرماتے تھے۔ ایک دفعہ واپسی پر جامعہ فریدیہ کے اساتذہ اور طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے مزاحاً فرمانے لگے کہ حرم شریف میں ٹونیٹوں کی بھی آنکھیں ہوتی ہیں کھولنے اور بند کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہاتھ ٹونٹی کے قریب کر دو تو خود بخود ہی پانی آنے لگتا ہے ہاتھ ہٹا دو تو ٹونٹی بند ہو جاتی ہے۔

عمامہ کی سنت:

حضرت شہیدؒ عمامہ کی سنت کا خاص طور سے اہتمام فرمایا کرتے تھے، بارہا دیکھا کہ جب بھی کسی معاملے میں رخصت وعزیمت کا مقابلہ آجاتا تو آپ کے ہاں عزیمت راجح اور رخصت مرجوح ہوا کرتی تھی۔ فرض تو فرض ہی ہے جو ہمارے ذمہ ہے ہی، لامحالہ اسے ادا کرنا ہے لیکن سنت جو فعل نبوی ہے اسے بھی ادا کرنا آنحضورﷺ کے ساتھ محبت کا تقاضا ہے اس سے سنت نبوی کے ساتھ عشق کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ کا فرمودہ مشہور

ہے''العمائم تیجان العرب'' عمامہ عربوں کا تاج ہے۔ چنانچہ حضرت شہیدؒ بھی ہر وقت سفید یا سیاہ دستار زیب سر کرتے تھے۔

شہادت کے وقت آپ کے سر پر جو عمامہ تھا وہ اب بھی محفوظ ہے۔

بچوں پر شفقت اور محبت:

حضور سرور کائنات ﷺ چھوٹے بچوں کے ساتھ غیر معمولی محبت اور شفقت فرمایا کرتے تھے، حضرت حسنؓ حضور ﷺ کے نواسے ہیں آپ ﷺ ان کے ساتھ انتہائی محبت کرتے تھے ایک مرتبہ آپ ﷺ مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے اس دوران حضرت حسنؓ مسجد میں داخل ہو گئے تو آنحضور ﷺ منبر سے اترے اور آگے بڑھ کر ان کو گود میں لے لیا، آنحضور ﷺ کی اس مبارک سنت کی جھلک بھی حضرت شہیدؒ کے اندر موجود تھی، آپ بھی بچوں پر غیر معمولی شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے۔ گھر کا بچہ ہو یا مدرسے کا طالب علم سب کے ساتھ شفقت سے پیش آتے تھے، چھوٹے چھوٹے بچے بھی آپ سے ایسے مانوس ہوتے جیسے اپنے والدین کے ساتھ، چنانچہ آپ کی شہادت کی خبر ملتے ہی جامعہ فریدیہ اسلام آباد میں پڑھنے والے درجہ حفظ کے چھوٹے طالب علم بھی مشتعل ہو کر زار و قطار روتے ہوئے مرکزی جامع مسجد کی طرف دوڑتے نظر آئے۔

بچوں کو تربیت دینے کا انداز:

حضرت شہیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ بچوں کی اچھی تربیت کرنا بھی حضور ﷺ کی مبارک سنت ہے اس لئے بچوں کی تربیت کی خوب فکر کرنی چاہئے۔ اور بچپن ہی سے تربیت شروع کرنی چاہئے ان کو ایسی عادتیں اور باتیں سکھانی چاہئیں کہ بچپن ہی سے ان کا یقین اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو جائے کیوں کہ بچوں کی تربیت چھوٹی چھوٹی چیزوں سے شروع ہوتی ہے اسی سے ان کا ذہن اور ان کی زندگی بن جاتی ہے۔ اس سلسلے میں فرمایا کہ مولانا محمد عبدالعزیز صاحب نے اپنے بچوں کی اچھی تربیت کی ہے، ان کے بچوں سے پوچھو یہ چیز کس نے بنائی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے، کھانا کون دیتا ہے؟ تو کہتے ہیں

کہ اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ایک دفعہ گھر میں ان کا بچہ گر گیا جس کی وجہ سے ان کو معمولی چوٹیں بھی آئیں، میں نے ان سے پوچھا کہ تمہیں کس نے بچایا، تو بتانے لگا کہ مجھے اللہ نے بچایا، بچوں کو جب بچپن ہی سے ایسی باتیں سکھائی جائیں تو بڑے ہوکر ان کا یقین کامل ہو جاتا ہے اور عملی طور پر ان باتوں کو اختیار کر لیتے ہیں، کیونکہ بچپن میں سکھائی ہوئی بات ذہن پر نقش ہو جاتی ہے۔

آخرت کے پلاٹوں کی فکر کرو:

حضرت مولانا محمد عبدالعزیز صاحب مدظلہ بتاتے ہیں کہ کبھی کبھار خاندان والے کہتے کہ حضرت اب تو اپنا ذاتی مکان بنالیں یا خرید لیں تو جواب میں حضرت فرمایا کرتے کہ دنیا کے مکانوں کی فکر کے بجائے آخرت کے مکانوں کی فکر کرو۔ چنانچہ زندگی بھر اپنے لئے کبھی کوئی مکان تعمیر نہیں کرایا۔ پوری زندگی مرکزی جامع مسجد کے مکان ہی میں رہے۔

بارِامانت کا فکر:

حضرت مولانا محمد عبدالعزیز صاحب مدظلہ نے احقر مؤلف کو یہ واقعہ سنایا کہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں تحصیلِ علوم کے بعد دورۂ حدیث سے فارغ ہونے والے طلباءِ کرام کی دستار بندی کی تقریب منعقد ہو رہی تھی فارغ ہونے والے طلباء بہت خوش ہو رہے تھے، ان کے عزیز و اقارب اور دوست و احباب فارغ ہونے والے طلباء اور ان کے والدین کو مبارکباد پیش کر رہے تھے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک کونے میں بیٹھ کر کئی گھنٹے اس بات پر روتا رہا کہ اب ہم پر ایک بہت بڑی امانت اور ذمہ داری آ پڑی ہے معلوم نہیں کہ اس ذمہ داری کا حق بھی ہم ادا کر سکیں گے یا نہیں؟ چنانچہ والد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اس فکر کی وجہ سے قبول فرمالیا اور اس ذمہ داری کو نبھانے اور پوری کرنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوب توفیق ملی اور احسن طریقے سے انہوں نے اس ذمہ داری کا پاس رکھا، و للہ الحمد علی ذٰلک ۔

نام ونمود سے نفرت:

حضرت شہیدؒ نام ونمود اور شہرت کو بہت ہی برا جانتے تھے۔آپ نے علماء کرام اورعوام الناس میں اپنی شناخت کروانے اور اپنی ناموری کی کبھی کوشش نہیں کی۔اخبارات میں بیانات دینا اور عام جلسوں کے اشتہارات دینا اور اپنے نام پر اشتہارات چھپوانا پسند نہیں فرماتے تھے اور جہاں بھی بلایا جاتا تھا وہاں پہنچنے کی بھرپور کوشش کرتے۔عاجزی اور انکساری کا حال یہ تھا جس سے ملتے سلام میں پہل کرنے کی کوشش کرتے، جناب منظور حسین صاحب کہتے ہیں کہ جب حضرت گاڑی میں بیٹھنے کے لئے قریب پہنچ جاتے تو ہمیشہ سلام میں پہل کرتے۔اگر کبھی آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھول دیتا تو آپ اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور فرماتے کہ دروازہ تو جرنیلوں اور جنٹلمین لوگوں کے لئے کھولا جاتا ہے آپ میرے لئے دروازہ نہ کھولا کریں میں خود ہی دروازہ کھولوں گا اور بند کروں گا۔میں تو ایک عاجز بندہ ہوں۔

محترم محمد انیس فاروقی بتاتے ہیں کہ محکمہ سی ڈی اے کے ایک اہل کار کے اصرار پر حضرت نے ان کو اپنے نام کی تختی بنا کر گھر میں لگانے کی اجازت دیدی۔انہوں نے مولانا کی محبت میں اس تختی پر ''مولانا حافظ' قاری حاجی محمد عبداللہ نقشبندی مجددی خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد'' لکھ کر لگا دیا۔حضرت نے دیکھ کر فرمایا کہ میرے بھائی اس کو لے جاؤ اور صرف ''مولانا محمد عبداللہ'' لکھ لاؤ۔

مال مسروق برآمد کرنے کا ایک مجرب عمل:

حضرت شہیدؒ کے نواسے حافظ عمر فاروق سلمہ بتاتے ہیں کہ جس زمانے میں حضرت شہیدؒ جی سکس فور میں رہتے تھے اس زمانے کی بات ہے کہ ایک چور حضرت کے گھر سے کوئی چیز چرا کر لے گیا۔جس کی گھر میں بڑی ضرورت تھی جب حضرت کو اس کا علم ہوا تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور ساتھ ساتھ یہ دعا بھی پڑھنے کی تلقین کی:

اللھم آجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرامنھا.

چنانچہ کچھ ہی دنوں کے بعد چور خود ہی وہ چیز گھر کے سامنے رکھ کر واپس چلا گیا۔

اس دور کا ولی:

حافظ عمر فاروق صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ کچھ بزرگوں کو جیل جانا پڑا میں بھی ان میں شامل تھا۔اس دوران حضرت ہم سے ملاقات کرنے کے لئے اکثر جیل میں تشریف لایا کرتے تھے،جیل میں حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ بھی تھے،حضرت فاروقی شہیدؒ نے حضرت عبداللہ شہیدؒ کو کئی دفعہ تاکید کے ساتھ کہا کہ حضرت آپ اپنی حفاظت کریں دشمن آپ کو کسی صورت میں نہیں چھوڑنا چاہتا ہے،جواب میں حضرت مسکرا کر خاموش ہو جاتے۔جس دِن مجھے جیل سے رہائی ملی اس دِن تو حضرت مجھے لینے کے لئے خاص طور پر تشریف لائے حضرت کو دیکھ کر فاروقی صاحب ہم سے کہنے لگے کہ اگر تم نے اس دور کا ولی دیکھنا ہو تو یہ دیکھو بلاشبہ یہ اس دور کے ولی اللہ ہیں۔

حضرت مولانا بلال احمد خان چنیوٹی صاحب سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ کا ایک مقولہ سناتے ہیں کہ حضرت کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ ''میری نظر میں اس وقت پاکستان میں عالم باعمل حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب ہیں''۔

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی فکر:

حضرت کی شہادت ہفتہ کے دن ہوئی۔حضرت مولانا محمد عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دن پہلے یعنی جمعہ کے دِن آپ نے گھر میں رکھے ہوئے وزن کرنے کے آلے پر اپنا وزن کیا اور فرمانے لگے کہ الحمدللہ اب میرا وزن کم ہو گیا ہے۔اب میں دہی بھی کھا سکتا ہوں۔کچھ دنوں سے حضرت شہید وزن کم کرنے کیلئے دیگر غذاؤں کے علاوہ دہی کھانے سے بھی پرہیز کر رہے تھے۔بہن نے کہا ابو آپ کا وزن زیادہ تو نہیں ہے۔جواب میں آپ فرمانے لگے کہ مجھے تو اس وزن کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔

شایداس سال عمرہ نصیب نہ ہو:

حضرت مولانا محمد عبدالعزیز صاحب مدظلہ نے احقر کو بتایا کہ میری والدہ کہتی ہیں کہ زندگی میں جب بھی میں نے عمرہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو فرماتے انشاءاللہ کوشش کریں گے اور چلیں گے، شہادت کے سال جب میں نے عمرہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو خلاف عادت فرمانے لگے ممکن ہے کہ روح نے جتنی دفعہ لبیک کہا ہو وہ پورا ہو چکا ہو۔یعنی اس مرتبہ یہ نہیں کہا ''انشاءاللہ کوشش کریں گے اور چلیں گے''۔

مہتمم جامعہ فریدیہ:

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا شہیدؒ جب بھی خط ارسال فرماتے تو لفافے کے اوپر اپنے نام محمد عبداللہ کے ساتھ مہتمم جامعہ فریدیہ لکھ لیتے ،شہادت سے پہلے آخری بار جو خط موصول ہوا اس میں اپنا نام تحریر نہیں تھا صرف ''مہتمم جامعہ فریدیہ'' لکھا ہوا تھا، یہ بات خلاف معمول تھی ۔ایسا معلوم ہوا جیسے مولانا کو پہلے ہی اس کا اندازہ ہو چکا تھا۔

ہرآنکھ اشکبار تھی:

حضرت کی شہادت پر علماء،طلباء اور عوام کو دھاڑیں مار مار کر روتے ہوئے دیکھا گیا یہ کسی اور بزرگ کی وفات پر کم نظر آیا۔آپ کی وفات کے وقت ہر کسی کو روتے دیکھا گیا ۔لوگوں کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے تھے، بڑے بڑے بزرگ اور نامی گرامی علماء کرام بچوں کی طرح بلک رہے تھے،نوجوان دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے طلبہ کی آنکھوں سے چھم چھم آنسو برس رہے تھے۔ ہرآنکھ پرنم اور ہر دل پرغم تھا، ہر شخص دوسرے شخص سے لپٹ کر خود تو رو رہا تھا مگر دوسرے کو دلاسا دے رہا تھا۔اسی طرح وہ حضرات جن کی ظاہری وضع قطع دینی نہ تھی وہ بھی دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔دوسری طرف غم کا پہاڑ بنے ہوئے مولانا محمد عبدالعزیز صاحب مدظلہ کھڑے تھے جن کے چہرے کو دیکھنے کی کسی کو تاب بھی نہیں

تھی ۔ چہرے کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا کہ ضبط کا یہ بندھن ابھی ٹوٹ پڑے گا لیکن وہ اس خیال سے اپنے اندر ہی غم کو روکے ہوئے تھے کہ غم سے نڈھال دوسرے لوگوں کی تالیف قلب ہو ورنہ کسی کو کون سنبھالتا۔

حضرت کی شہادت:

علماء حق اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جب دنیا میں تشریف لاتے ہیں، تو اس عالم رنگ وبو کا ہر ذرہ ذرہ چمک اٹھتا ہے اور روحانیت کے حسین باغیچوں میں ہرسُو گلہائے رنگا رنگ کھل اٹھتے ہیں ۔ جن کی بھینی بھینی اور عمدہ خوشبو فضاؤں میں چارسو بکھر کر ہر چیز کو معطر کر دیتی ہے ۔ جب ان میں سے کوئی دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے تو آسمان اور زمین کا ہر قطعہ، سمندروں کی مچھلیاں اور دیگر آبی مخلوق، زمین پر چلنے والی مخلوق، رینگنے والے حشرات اور فضاؤں میں اڑنے والے پرندوں سے لے کر اللہ تعالیٰ کے نورانی فرشتوں تک ہر ایک اپنے اپنے انداز کے مطابق نوحہ کناں اور سوگوار ہوجاتے ہیں اور سب ہی ایک عالم ربانی کی جدائی پر غم سے نڈھال ہوجاتے ہیں، ہادی عالم، فخر دوعالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

" موت العالِم موت العالَم "

یعنی ایک عالم کی موت پورے عالم کی موت ہے۔

گویا کہ اس جہاں کی اصل زندگی عالم کی زندگی سے ہے اور اس عالم کی اصل رونق علم کی روشنی سے ہے ۔ اس لئے ان اللہ والوں کی موت پر ہر آنکھ اشک بار اور ہر دل سوگوار نظر آتا ہے کیوں کہ ان کے چلے جانے کے بعد لاکھوں انسانوں کی روحانی وایمانی زندگیاں بے چین ہوجاتی ہیں ایسے اللہ والوں کا وجود کائنات کی بقاء کا سبب ہے۔

17 اکتوبر 1998ء کی صبح جب مہتاب کی کرنیں جامعہ فریدیہ کے خوبصورت چمن میں اتر رہی تھیں تو عین اس وقت جامعہ کے بانی و مہتمم حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ سر سے پاؤں تک سنت سے آراستہ گھنگریالے بالوں والے سر پر سیاہ عمامہ سجائے اور اپنے مخصوص عربی لباس میں ملبوس ہنستے مسکراتے چہرے کے ساتھ درس حدیث دینے کے

لئے تشریف لائے، درس حدیث اور دیگر اہم امور سے فارغ ہو کر جامعہ کی گاڑی میں بیٹھ کر واپس تشریف لے گئے۔ کسے معلوم تھا کہ حق گوئی اور دینی عزت وحکمت کا یہ پیکر اب چند لمحوں کا مہمان ہے مرکزی مسجد اور گھر کے درمیان صحنِ مسجد کی دیوار میں بنے ہوئے دروازہ نما خلا کے پاس پہنچ گئے۔ سامنے سے اپنے بڑے بیٹے مولانا محمد عبدالعزیز صاحب کو آتے ہوئے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں مولانا محمد عبدالعزیز صاحب پہنچے اور باپ بیٹا آپس میں گفتگو کر ہی رہے تھے کہ اس دروازہ نما خلا کی اوٹ میں چھپے ہوئے ایک درندہ صفت شخص نے آپ پر بے تحاشا گولیوں کی بوچھاڑ کردی اپنے عظیم والد پر گولیوں کی بوچھاڑ ہوتے ہوئے دیکھ کر مولانا محمد عبدالعزیز صاحب سے رہا نہ گیا اور قاتل کے تعاقب کے لئے لپکے قاتل نے مولانا محمد عبدالعزیز صاحب کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر ان پر فائرنگ شروع کردی اس وقت تک مولانا شہیدؒ متعدد گولیاں کھا کر زمین پر گر چکے تھے۔ مولا نا عبدالعزیز صاحب کو قاتل کا تعاقب کرتے ہوئے دیکھ کر اس حالت میں بھی آواز دی کہ ''بیٹے آگے مت بڑھو گولی لگ جائے گی'' اور واقعی مولانا کو گولی لگ گئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بچالیا اور گولی ان کی قمیص کے دامن سے ہوتے ہوئے پار نکل گئی اور ان کے جسم کو چھوا تک نہیں۔ اللہ رب العزت نے حضرت شہیدؒ کی جانشینی، ان کے مقدس کام کو آگے بڑھانے اور دین متین کے پھیلانے کے لئے ان سے مزید کام لینا تھا اس لئے معجزانہ طور پر ان کو محفوظ رکھا۔ بدبخت قاتل اپنا کام پورا کر کے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور یہ سب کچھ کروڑوں کے بجٹ پر پلنے والے پولیس اہلکاروں کے سامنے ہو رہا تھا جن کی مجرمانہ غفلت بلکہ پشت پناہی کی وجہ سے ہی دن دھاڑے اسلام آباد جیسے حساس اور پررونق شہر میں اتنا بڑا المناک سانحہ رونما ہوا۔ اتنی دیر میں فائرنگ کی آواز سن کر حضرت مولانا محمد عبدالعزیز صاحب کی اہلیہ محترمہ بھی پہنچیں اور حضرت شہیدؒ کو خاک وخون میں لت پت دیکھ کر بے اختیار ہائے میرے ابو ہائے میرے ابو! کہتے ہوئے آگے بڑھیں تو اس حالت میں بھی آپ نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں منع فرمایا کہ ایسا مت کہو۔

حضرت مولانا محمد عبدالعزیز صاحب مدظلہ جلدی سے دوڑ کر خاک وخون میں لت پت اور تڑپتے ہوئے والد محترم کے پاس پہنچے،ان کا کہنا تھا کہ ''میرے والد کا سینہ گولیوں کی بوچھاڑ سے چھلنی ہو چکا تھا اور خون کے فوارے پھوٹ پھوٹ کر لال مسجد کے صحن کو حقیقی معنوں میں لال کرتے جارہے تھے۔ان کے چہرے پر خوف اور ڈر کے بجائے سکون اور اطمینان تھا۔

حضرت کو فوری طور پر جامعہ کی گاڑی میں قریب ہی واقع پولی کلینک ہسپتال لایا گیا۔حادثہ کی خبر پورے ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی،آناًفاناً ہسپتال کے باہر عقیدت مندوں،شاگردوں اور مقتدیوں کا تانتا بندھ گیا۔ان سب نے خدائے بزرگ وبرتر کی بارگاہ میں دامن پھیلا کر رکھے تھے۔ان کے لبوں پر حضرت کی خیریت اور درازی عمر کی دعائیں تھیں اور ادھر عمر بھر شہادت کے لئے تڑپنے والے عالم ربانی کی نیم شب کی آہیں ،التجائیں اور دعائیں رنگ لے آئی تھیں اور انہیں شہادت کی سعادت عظمیٰ نصیب ہو چکی تھی لیکن یہ خبر ابھی تک حلقہ خواص سے نکل کر طبقہ عوام تک نہیں پہنچ پائی تھی،اس ناگہانی خبر نے جامعہ کے تمام اساتذہ،طلباء اور دیگر عملے میں شدید اضطراب اور طرح طرح کے خیالات پیدا کردیئے اور سب نے اپنے مضطرب دل کو تسلیاں دینے کے لئے مرکزی جامع مسجد کا رُخ کرلیا،اساتذہ اور طلباء کا یہ قافلہ جیسے ہی مرکزی جامع مسجد پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت کو پولی کلینک لے جایا گیا ہے،یہ سن کر کچھ اساتذہ اور طلباء تو پولی کلینک پہنچ گئے اور اکثر طلباء ،عوام اور اساتذہ مرکزی جامع مسجد کی طرف ہی جارہے تھے،اتنے میں مسجد کے لاؤڈ سپیکر سے پہلی مرتبہ ہچکیوں اور سسکیوں میں مولانا محمد عبدالعزیز صاحب کی درد بھری آواز بلند ہوئی کہ ''ظالموں نے میرے والد کو شہید کردیا ہے'' پھر کیا تھا۔ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔جامعہ کے اساتذہ اور طلباء جو حضرت کو صحت کی حالت میں دیکھنے کے لئے چشم براہ تھے اور حسرت زدہ ہو کر دل کو تھامے ہوئے حضرت کی میت کے تابوت آمد کے منتظر تھے، اب تو ان کی مقدس روح قفس عنصری سے آزاد ہو کر ایسے پر بہار عالم میں پہنچ چکی تھی کہ

جہاں سے لوٹ کر آنے کا نام بھی نہیں لے گی۔

ے موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

مرکزی جامع مسجد کے استاد مولانا یعقوب طارق صاحب بتاتے ہیں کہ احقر بھی گاڑی میں حضرت شہیدؒ کے ساتھ ہی تھا ہماری گاڑی جب پولی کلینک سے پہلے وزارت مذہبی امور اسلام آباد کے دفتر کے سامنے والے اشارے کے قریب پہنچی تو حضرت شہیدؒ نے آخری بار اپنے لب ہلائے اور بلند آواز میں ''لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پڑھا اور خاموش ہو گئے۔ پولی کلینک کے ڈاکٹر حضرات کا کہنا ہے کہ حضرت کو علاج کے لئے جب اسٹیچر پر لٹایا گیا تو حضرت کے جسم میں ایک جُھر جُھری سی معلوم ہوئی جس کے بعد کوئی حرکت نہیں ہوئی اور آپ ابدی نیند سو گئے، ہمیں علاج کا موقع ہی نہیں ملا۔ انــا لـلــه وانــا الیــه راجعون۔

ے جس کی تجلّیوں سے منور تھی انجمن
محفل میں وہ چراغ فروزاں نہیں رہا

بڑے بڑے علماء، طلباء، عوام اور دیگر متعلقین بلک بلک کر رو رہے تھے، مرکزی جامع مسجد آہوں اور سسکیوں سے گونج اٹھی، نوجوان دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے، سب کی آنکھوں سے چھم چھم آنسو برس رہے تھے ہر آنکھ پرنم اور ہر دل پر الم تھا۔

سنت نبوی اور حضرت کی وصیت کے مطابق بلا تاخیر تجہیز و تکفین کے انتظامات مکمل کر لئے گئے، ظہر کی نماز کے بعد مرکزی جامع مسجد کے عقب میں واقع حضرت شہیدؒ کے گھر ہی میں تجہیز و تکفین کے انتظامات کئے گئے تھے۔ یہ سعادت جامعہ کے استاذ حدیث مولانا مفتی محمد فاروق صاحب اور دار العلوم فاروقیہ دھمیال کیمپ راولپنڈی کے مہتمم مولانا قاضی عبدالرشید صاحب اور چند دیگر ساتھیوں کے حصے میں آئی۔

حضرت کی شہادت اتنی غیر متوقع تھی کہ سب لوگ حیران و پریشان تھے، اور

صدمے سے نڈھال تھے، اسلام آباد کے اخبارات نے اسی وقت خصوصی ضمیمے شائع کیئے، اگلے روز ملک کے تمام اخبارات میں تفصیل کے ساتھ خبر آ گئی۔

ے حاصل عمر رخِ نثارِ یار کردم
شادم از زندگی خویش کہ کار کردم

سفر آخرت:

۲۵ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ بمطابق 17 اکتوبر 1998ء بروز ہفتہ بعد از مغرب حضرت شہیدؒ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا محمد عبدالعزیز صاحب مدظلہ نے لال مسجد کے وسیع وعریض احاطے میں نماز جنازہ پڑھائی، لوگوں کا ہجوم اس قدر زیادہ تھا کہ آس پاس کی سڑکوں پر بھی جگہ نہیں تھی۔ اندازے کے مطابق ایک لاکھ فرزندان اسلام اس مردِ درویش کے جنازہ میں شریک تھے، اتنے مختصر وقت میں اتنی بڑی تعداد کا جمع ہونا پہلے کبھی نہ ہوا۔ راولپنڈی اور اسلام آباد کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ تھا۔ جس میں بچے بھی تھے، ادھیڑ عمر بھی، نوجوان بھی، غریب بھی تھے امیر بھی، تاجر بھی تھے ملازم بھی، افسر بھی تھے اور مزدور بھی، علمائے کرام بھی تھے اور سیاستدان بھی غرض ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے تھے۔ امام کی آواز گونجی ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' صفوں میں کھڑے لوگ اداسی کے عالم میں درہم برہم ہوگئے، مرکزی جامع مسجد کے باہر لوگ ہی لوگ تھے اب تمام لوگ اس ہستی کا انتظار کر رہے تھے جس کا اس مسجد میں روزانہ آنا جانا رہتا تھا۔ لیکن آج وہ ایک نئے انداز میں یہاں لائے گئے تھے اور نئے اہتمام کے ساتھ یہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہے تھے۔ آج دہشت گردی نے اس شخص کو اس مسجد سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھین لیا تھا جس نے زندگی بھر دہشت گردی کی مخالفت کی تھی۔ وہ جہاں بھی جاتا جہاں سے آتا مجسم سادگی اور عاجزی بن کر آتا جاتا کسی کو معلوم تک نہ ہوتا۔ لیکن آج انسانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جو اس کے دیدار کی جھلک کے لئے ترستا تھا۔ جنازہ سے پہلے جب حضرت اقدس کا جسد خاکی دیدار عام کے لئے لایا گیا تو

علم وعمل کے اس خورشید منور کی صرف ایک جھلک دیکھنے کے لئے لوگ دیوانہ وار جمع ہو گئے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے بڑی مدتوں اور لمبی مسافتوں کا تھکا ماندہ کوئی مسافر اپنی منزل پر پہنچ کر سکھ اور چین سے گہری نیند سو رہا ہو۔ جسد خاکی کو جب مرکزی جامع مسجد سے رخصت کرنے کے لئے اٹھایا گیا تو آنسوؤں کی برسات شروع ہوگئی ہر طرف چیخوں، آہوں اور سسکیوں کا ایسا شور بلند ہوا کہ دل ڈوبنے لگا۔ جی نے چاہا کہ وقت کو یہیں روک لیا جائے۔

نوجوان بے قابو تھے غصّے سے مغلوب تھے۔ وہ حکمرانوں تک اپنی آواز پہنچانے کے لئے بے تاب ہوتے جا رہے تھے، ان پر دہشت گردوں کی سرپرستی اور ان کو طاقت فراہم کرنے کا الزام لگا رہے تھے، جبکہ اصل ملزم ملک کا نظام تھا جس نے شہادتوں کی سوغات عام کر دی ہے اسی نے موت کو سستا اور زندگی کو مہنگا بنا دیا ہے۔

؎ وہی قاتل وہی مخبر وہی منصف ٹھہرا
اقرباء میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

مرکزی جامع مسجد سے جامعہ فریدیہ تک پہنچنے میں کئی گھنٹے لگے جبکہ یہ راستہ صرف آدھے گھنٹے میں پیدل طے کیا جا سکتا ہے۔ حضرت شہیدؒ کے معتقدین کی کثیر تعداد نے یہ راستہ پیدل چلتے ہوئے میت کے ساتھ طے کیا۔ جامعہ فریدیہ میں تدفین کے موقع پر ہر کسی کے چہرے پر افسردگی چھائی ہوئی تھی، اور بزبان حال ہر چہرے پر یہ سوال عیاں تھا کہ اچانک یہ کیا ہوا اور کس نے کیا؟

عشاء کے بعد جامعہ فریدیہ کے عقب میں علم وعمل کا یہ پیکر اور دنیا کو دین مصطفیٰ سے بہرہ ور کرنے والی اور دلوں کو سکون پہنچانے والی ہستی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پیوندز مین ہوگئی لیکن

نشان مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب او است

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی شہید کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اتباع سنت کا پورا پورا اہتمام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ان کو اعلیٰ علیین میں بلند ترین مقام عطا فرمائے۔

حضرت شہیدؒ کی قبر سے خوشبو آنے لگی:

حضرت شہید کے اس دار فانی سے تشریف لے جانے کے کچھ ہی دن بعد آپ کی قبر سے خوشبو آنا شروع ہوگئی کئی دنوں تک آتی رہی اور جامعہ فریدیہ اسلام آباد کے سارے احاطے کو معطر کرتی رہی۔ حضرت شہیدؒ کی اس کرامت کے مشاہدے کیلئے کئی دنوں تک معتقدین جوق در جوق آتے رہے۔ یہ بات اسلام آباد کے اکثر اخبارات میں بھی چھپی بعض اخبارات نے یہاں تک لکھا کہ یہ خوشبو ایسی نایاب ہے کہ اس سے قبل کبھی نہیں سونگھی گئی۔ ایک اخبار نے لکھا کہ یہ سب کچھ مولانا شہیدؒ کی ساری زندگی اللہ کے دین کی تبلیغ وترویج پر لگانے نیز اسلام آباد میں ۳۴ سالوں تک قرآن وحدیث کی پاسداری کا صلہ ہے۔

حضرت شہیدؒ کی شہادت پر علماء کرام کے تاثرات

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثانی مدظلہ العالی کے تاثرات

حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ سے ہمارا تعلق زمانۂ طالبعلمی سے تھا۔اس زمانے میں بھی دینی مدارس میں طلباء کرام کے درمیان خطابت کی مشق ہوا کرتی تھی اور جو طلباء خطابت میں قدرے نمایاں حیثیت رکھتے تھے حضرت شہیدؒ ان میں سے تھے۔اس وقت سے وہ نہ کسی سیاسی گروہ میں شامل تھے نہ ان پر فرقہ واریت کی کوئی چھاپ تھی۔نہ کسی سے ذاتی دشمنی یا عداوت کا کوئی تصور تھا۔

۱۷/۱۰ اکتوبر ۱۹۹۸ء کی صبح اسلام آباد سے بنوں کانفرنس میں شرکت کی غرض سے روانہ ہوا پشاور ائیر پورٹ پر پہنچا تو حکیم سعید صاحب کی شہادت کی اطلاع ملی دوپہر کو بنوں کانفرنس میں مختصر شرکت کر کے میں ڈیرہ اسماعیل خان کے راستے پشاور آیا اور وہاں سے رات کو کراچی پہنچا تو میرے بیٹے عزیزم مولانا عمران اشرف سلمہٗ نے یہ جانکاہ خبر سنائی کہ آج ہی دوپہر کے وقت حضرت مولانا عبداللہ شہیدؒ کو نامعلوم ظالموں اور دہشت گردوں نے اپنی سنگدلانہ دہشت گردی کا نشانہ بناتے ہوئے شہید کر دیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

حکیم سعید مرحوم کے حادثے سے دل پہلے ہی زخمی تھا،حضرت مولانا کی شہادت کی خبر نے تو دل پر بجلی گرادی۔یہ مرد درویش سالہا سال سے ملک کے دارالحکومت میں انتہائی اخلاص اور میانہ روی کے ساتھ خدمت دین میں مشغول تھا اور خدمت خلق کیلئے دل وجان سے حاضر تھا۔ایسے شخص کو نشانۂ ستم بنا کر ظالموں نے کیا لیا؟ یہ ایسا سوال ہے کہ ہزار مرتبہ سوچنے کے بعد بھی اس کا جواب ملنا مشکل ہے۔اللہ تعالیٰ حضرت کو اپنے جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب کے تاثرات:

حضرت مولاناؒ کا سانحہ شہادت بھی عجیب ہے جامعہ فریدیہ میں قرآن وحدیث کا درس دینے اور جامعہ کے کچھ امور نمٹا کر خدمت خلق کیلئے ہر روز باہر نکل جاتے۔ شہادت کے دن پندرہ بیس منٹ پہلے حسب معمول مجھے فون کیا کہ مدرسہ کے امور سے فارغ ہو کر آپ کے پاس آرہا ہوں، فلاں فلاں افسر کے پاس جانا ہے اور مجھے بتلایا کہ اتنی دیر تک آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ میں حضرت مرحوم کے انتظار میں تھا کہ آئیں گے تو ساتھ جہاں جانا ہے وہاں چلیں گے۔ اتنے میں ایک صاحب کا فون آیا کہ حضرت پر قاتلانہ حملہ ہو چکا ہے۔ میں نے فوراً رابطہ کر کے معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ حضرت تو اس حملہ میں شہید ہو چکے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ خبر سن کر جس قدر رنج وغم ہوا اس کا اظہار کرنے سے قاصر ہوں۔ یہ واقعہ دن دیہاڑے مسجد کے صحن میں ہوا چشم دید گواہ موجود تھے لوگوں نے قاتل کو پہچان بھی لیا تھا بعد میں اس کو گرفتار بھی کر لیا گیا لیکن رہا کر کے اس کو دوسرے ملک بھیج دیا گیا۔ ظلم کی انتہا ہے کہ ملک کے دارالخلافہ میں ایک مقتدر عالم دین کو شہید کیا گیا مگر تعزیت کیلئے حکومت کا کوئی نمائندہ تک نہیں آیا، نہ کوئی تعزیتی بیان شائع ہوا۔ جو حکومت اپنے آپ کو ملک میں اسلام کا علمبردار کہتی تھی اس نے ظلم وبربریت کی انتہاء کر دی یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد زمام اقتدار ان سے لیکر دوسروں کے حوالے کر دی اور ان ظالموں کو اپنے ملک میں رہنا بھی نصیب نہ ہوا اللہ تعالیٰ حضرت شہیدؒ پر کروٹ کروٹ رحمت نازل فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔

حضرت مولانا مہر علی صاحب کے تاثرات

۱۷ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو شام کے وقت مغرب کی نماز کے بعد میرے لڑکے عثمان علی نے یہ اندوہناک خبر سنائی کہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب شہید کر دیئے گئے ہیں۔

بدخواہوں نے اتنا بڑا ظلم ڈھایا کہ اپنے پیشوا ابن ملجم سبائی خارجی کی تاریخ دہرادی جیسے اس نے صبح کی نماز کو جاتے ہوئے محبوب رسول ﷺ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شہید کردیا تھا۔اسی طرح ان بدبختوں نے اللہ اور رسول کے سچے تابع فرمان انتہائی شریف، نیک، پارسا، نڈر و بے باک مقرر، شعلہ نوا خطیب، درویش صفت انسان، رئیس الصلحاء والاتقیاء، ممتاز عالم دین، مرکزی جامع مسجد کے لاثانی خطیب اور مہتمم جامعہ فریدیہ اسلام آباد کو انتہائی بے دردی سے شہید کر کے اسلام آباد کو یتیم کردیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

یوں تو یہ خبر کوئی نئی نہیں کیونکہ پڑوسی دوست ملک میں نام نہاد اسلامی انقلاب کے بعد پاکستان بری طرح فرقہ وارانہ فسادات اور تخریب کاریوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ ہزاروں صلحاء، طلبہ، سینکڑوں جید علماء دین اور شرفاء کو انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کردیا گیا ہے۔حکومت بے نظیر کی ہو یا شریف برادران کی ان قاتل تخریب کاروں کو حلیفانہ معاہدہ کی وجہ سے گود میں محفوظ بٹھا کر یہ بیان ضرور داغ دیتی ہے کہ:

''امن وامان کے مخالفین کو کچل دیا جائے گا''

مگر قاتل تو دندناتے پھر رہے ہیں اور مقتولین کے ورثاء اور دیگر معتقدین کو گھروں سے گھسیٹ کر جیلیں بھردی جاتی ہیں مبادا یہ احتجاج کریں اور مہربان پڑوسی ملک ہم سے ناراض اور خفا ہوجائے۔

من از بیگاناں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہر چہ کرد آں آشنا کرد

اللہ تعالیٰ حضرت شہیدؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین.

حضرت مولانا محمد عبدالمعبود صاحب مدظلہ کے تأثرات:

حضرت مولانا عبداللہ شہید نوراللہ مرقدہ بڑے خلیق، ملنسار اور وضع دار بزرگ تھے۔موصوف ایک باغ بہار شخصیت کے مالک، علماء، طلباء، روساء، غرباء، خورد وکلاں بلکہ

ہر کس و ناکس کے لئے مرنجان مرنج تھے۔ سادگی اور بے تکلفی کا امتزاج، تصنع، خود آرائی اور خودستائی سے کوسوں دور اور نفور تھے۔

درویشانہ وقلندرانہ قابل رشک زندگی زہد وقناعت اور استغناء میں ''بوذرؓ '' کا عکس جمیل تھی۔ اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد کی خطابت جیسے منصب رفیع پر فائز تھے۔ اس مرکز کو دین کی سرفرازی اور سربلندی اور تبلیغ وتشہیر کا ذریعہ تو گردانا۔ لیکن اسے ذاتی منفعت، نام ونمود اور شہرت کا آلہ کار نہیں بنایا۔

یہ منصب جلیل تو ایوان اقتدار تک رسائی، سربراہان مملکت کے ساتھ مراسم اور ارباب بست وکشاد سے تعلقات استوار کرنے کا تیر بہدف ذریعہ تھا۔ لیکن شہیدؒ کی ایمانی حمیت، خودداراور غیور طبیعت نے کبھی اسے درخوراعتناء نہیں سمجھا۔ وہ کبھی دنیوی جاہ وحشم کے طلبگار نہیں ہوئے۔ حرص، طمع اور جمع سے وہ ناآشنا تھے۔

ؔ میرا طریق فقیری ہے امیری نہیں
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

حق وصداقت اور اعلاء کلمۃ اللہ میں لگی لپٹی رکھنے کو مداہنت اور منافقت سے تعبیر کرتے تھے۔ حق گوئی میں لایخافون لومۃ لائم پرعمل پیرا تھے۔

حق گوئی کی پاداش میں مولانا شہیدؒ کئی بار زیرعتاب آئے۔ نشۂ اقتدار میں بدمست حکمرانوں نے انہیں عقوبت خانوں میں بند کیا۔ لال مسجد کی خطابت سے کئی مرتبہ معزول کیا۔ قتل کی دھمکیاں روزمرہ کا معمول رہا۔

لیکن کوئی حربہ بھی اس ضیغم اسلام کو جادہ حق سے نہ ہٹا سکا۔ ہمیشہ نامساعد حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ پائے استقلال میں کبھی لغزش تک نہ آئی۔ بالآخر اسی حق گوئی کے جرم کی بھینٹ چڑھ کر جام شہادت نوش کرلیا۔

خو نے کردہ ایم کسے را نہ کشتہ ایم
جرم ہمیں است کہ عاشق روئے تو گشتہ ایم

علماء کی ایک عظیم تنظیم ''جمعیت اہل سنت والجماعت'' کی امارت کا اعزاز بھی مولانا شہید کو حاصل رہا۔اور عرصہ دراز تک نہایت خوش اسلوبی سے اس ذمہ داری کو نبھایا۔ بعض اوقات مولانا شہیدؒ کو تلخ وترش بھی سنانا پڑتیں ۔لیکن کبھی بھی پیشانی پر غصہ کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔خندہ روی سے سب کچھ سنتے اور بڑی متانت سے فرماتے'' بھائی میں تو بہت کمزور ہوں ۔میں آپکی عظمتوں کا اعتراف کرتا ہوں''۔

ایسے فرشتہ صفت انسان کو بھی بالآخر دشمنان اسلام نے موت کی نیند سلا دیا۔اللہ کریم ان کو کروٹ کروٹ اپنی رحمتوں سے سرفراز فرمائے۔

حضرت حافظ احمد بخش ایڈووکیٹ صاحب کے تأثرات:

حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ کے ساتھ بہت عرصہ سے میرا انتہائی گہرا تعلق رہا ہے میں نے ان جیسا مخلص ،نڈر اور درد دل رکھنے والا انسان آج تک نہیں دیکھا ہے ان کی زندگی ایسے بے شمار واقعات سے عبارت ہے ،جو تمام علماء کرام ،طلباء ،عوام اور قوم کے راہنماؤں کیلئے مینارۂ نور اور مشعل راہ ہیں ۔ان واقعات کو سن کر حضرت شہیدؒ کی عظمت ورفعت اور اعلیٰ مقام ومرتبہ کا اندازہ ہوجاتا ہے لیکن میں آج کی نشست میں حضرت شہیدؒ سے متعلق لمبی چوڑی تقریر کی بجائے صرف ایک واقعہ پر اکتفا کروں گا جو ہم چار آدمیوں یعنی میں ،مولانا شہیدؒ ،صدر رفیق تارڑ اور منیر فیصل آبادی کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں ہے اور اس سے آپ اس درویش صفت انسان ،اللہ اور اس کے رسول کے سچے شیدائی کی عظمت ورفعت کا اندازہ لگالیں۔

ہمارے ساتھ کراچی کی جیل میں ایک نوجوان ساتھی منیر فیصل آبادی تھے اور اس کی اس کا کورٹ مارشل بھی ہو چکا تھا۔جبکہ وہ بالکل بے گناہ تھا کوئی جرم اس سے سرزد نہیں ہوا تھا۔ایک دن ہم جیل میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اس قیدی نوجوان کی بہن آ گئی اور آتے ہی زار وقطار رونا شروع کر دیا زور زور سے دیوار کے ساتھ ٹکریں مارنا شروع کر دیں اور کہنے لگی ایڈووکیٹ صاحب خدا کیلئے آپ کچھ کریں ورنہ میرے بھائی کو بیس (۲۰) دن بعد پھانسی

ہو جائے گی۔ میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ صبر کریں اللہ تعالیٰ کوئی صورت پیدا فرمائیں گے۔

اس کے بعد میں نے واقعہ کی پوری تفصیل لکھ کر اسلام آباد میں حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ تک پہنچادی حضرت شہید نے جب یہ خط پڑھا تو سب سے پہلے انہوں نے خط لکھ کر اس قیدی نوجوان کے رشتہ داروں کو خاص طور پر اس کی والدہ کو تسلی دی کہ کوئی فکر نہ کریں صبر سے کام لیں اللہ تعالیٰ نے چاہا تو کوئی صورت نکل آئے گی۔ اسکے بعد عربی زبان میں ایک تفصیلی خط سعودی عرب امام کعبہ کے نام لکھ کر استدعا کی کہ وہ اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے صدر رفیق تارڑ سے بات کریں اور اس بے گناہ نوجوان کی سزا معاف کروادیں۔ اور خود علماء کرام کے ایک وفد کے ساتھ امام کعبہ کا خط بھی لے کر صدر صاحب سے اس سلسلے میں ملاقات کی اور صدر صاحب کو باور کرایا کہ وہ نوجوان معصوم ہے اور اس سے وہ جرم سرزد ہی نہیں ہوا ہے، جس کی بناء پر اس کو پھانسی کی بھینٹ چڑھایا جارہا ہے۔

حضرت شہیدؒ کی اس ایمان افروز بصیرت اور شبانہ روز جدوجہد کے نتیجے میں ایک دن ایسا بھی آیا کہ صدر رفیق تارڑ صاحب کے حکم سے پھانسی کا حکم نامہ ختم کر کے اس نوجوان کو رہا کر دیا گیا۔ جیل کے عملے نے جب اس کی رہائی کا حکم نامہ دیکھا تو انتہائی حیران ہوئے اور مبارکباد دینے لگے کہ فوجی عدالتوں کے ملزم کی سزا کا معاف ہونا بظاہر ناممکن تھا۔ چنانچہ آج بھی وہ نوجوان اپنے آبائی علاقے میں ایک جنرل سٹور چلا رہا ہے اور اپنے بیوی بچوں کے درمیان خوش وخرم زندگی بسر کر رہا ہے۔ میں حضرت شہیدؒ کی ایمانی فراست کو سلام پیش کرتا ہوں، حضرت شہیدؒ تو دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں لیکن یہ لوگ ان کے لئے کتنی دعائیں کر رہے ہوں گے۔

اسکے علاوہ بھی حضرت شہید کے اس طرح کے سینکڑوں واقعات ہیں جن کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی، میں سمجھتا ہوں کہ جب سے حضرت شہیدؒ کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھ گیا ہے خاص طور پر اسلام آباد پہنچ کر تو ہم اپنے آپ کو یتیم محسوس کر رہے ہیں ہم مشکل

وقتوں میں کام آنے والے ایک نڈر ساتھی، بے باک لیڈر، غریبوں اور بے کسوں کے ہمدرد ،مصیبت کے وقت سروں پر ہاتھ رکھنے والی ایک عظیم شخصیت سے محروم ہو گئے ہیں۔

حضرت شہیدؒ جیسے دیدہ ور اور سب کو ساتھ لیکر چلنے والے راہنما مدتوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔ ہم اب اللہ تعالیٰ سے دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اپنے فضل و کرم سے اس کمی کو پورا کر دے بظاہر تو یہ خلا پر ہوتا نظر نہیں آ رہا۔

حضرت مولانا ظہور احمد علوی مدظلہٗ کے تأثرات:

حضرت مولانا ظہور احمد علوی صاحب مدظلہ حضرت شہیدؒ کے قدیم دوستوں میں سے ہیں۔ سفر اور حضر میں حضرت شہیدؒ کے ساتھ ہوتے تھے وہ فرماتے ہیں کہ میں 1975ء میں اسلام آباد آیا اور اس زمانے سے لے کر شہادت کے وقت تک میں حضرت شہیدؒ کی صحبت اور خدمت میں رہا، چنانچہ مولانا کی شہادت کے دِن راولپنڈی کے علاقہ روات میں واقع موضع بسالی کی جامع مسجد مدینہ کے سلسلے میں پائے جانے والے تنازع کو ختم کرنے کے لئے حضرت کے ساتھ میری آخری نشست جامعہ فریدیہ میں ہوئی۔ دونوں فریقین موجود تھے اور ان کا باہمی تنازع کچھ سخت قسم کا تھا۔ لیکن حضرت شہیدؒ کے اندر یہ بہت بڑا کمال تھا کہ وہ سخت سے سخت تنازعات بھی چٹکیوں میں طے کر دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت نے میٹھی زبان بول کر دونوں فریقین کے درمیان صلح کروادی اور تنازع ختم کرادیا اور آئندہ کوئی جھگڑا نہ کرنے کا فریقین نے وعدہ کرلیا۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ اب سے کچھ دیر بعد حضرت ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہونے والے ہیں۔ چنانچہ جب مجلس برخاست ہوئی تو میں نے عرض کیا حضرت اگر اجازت ہو تو میں گھر چلا جاؤں جواب میں حضرت نے پوچھا کہ آپ گھر کیسے جائیں گے میں آپ کو اپنی گاڑی میں آپ کے گھر تک پہنچا دیتا ہوں، چنانچہ مجھے گاڑی میں بٹھا کر جامعہ محمدیہ پہنچا دیا اور واپس تشریف لے گئے، گھر پہنچنے کے کچھ ہی دیر بعد جامعہ فریدیہ کے استاد مولانا یعقوب طارق صاحب کا فون آیا کہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے اور گولیاں لگی ہیں۔ اس وقت پولی کلینک میں ہیں۔ یہ

سن کر میرے سر سے پاؤں تک درد کی ایک لہر دوڑ گئی قدم ڈگمگانے لگے دِل سے دعا نکلی کہ خدا کرے یہ سب افواہ ہو۔ میں نے فوراً پولی کلینک کے ایک معروف سرجن محترم عبدہٗ ملک صاحب کے ساتھ فون پر رابطہ کیا اور حضرت کی خیریت دریافت کی تو جواب میں وہ کہنے لگا کہ بس آپ دعا کریں۔لیکن مجھے اطمینان نہ ہوا اور بھاگم بھاگ پولی کلینک پہنچ گیا۔تو اپنے بدنصیب کانوں سے یہ خبر بھی سنی کہ حضرت مولانا شہیدؒ ہو گئے ہیں،اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو گئے ہیں۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون .**

مجمع چیر کر اندر پہنچا تو دیکھا کہ حضرت پُرسکون اور ابدی نیند سو رہے ہیں،ساری امیدیں دم توڑ گئیں،ہمت جواب دے گئی دِل سے آواز آئی ''عالم اسلام کا یہ مخلص خیرخواہ آج ہمیں چھوڑ کر چلا گیا،تمام مصلحتیں بالائے طاق رکھ کر سچ بولنے والا حق گو ہم سے جدا ہو گیا،بھٹکے ہوئے لوگوں کو سیدھا راستہ دکھانے والا روشن مینار بجھ گیا۔ جسد خاکی لے کر جانے والی گاڑی کے پیچھے میں جیسے ہی مرکزی جامع مسجد پہنچا تو ہر طرف لوگ ہی لوگ تھے، غم کے مارے لوگ،پلکوں پر آنسوؤں کا سمندر سمیٹے ہوئے لوگ دکھ اور غم میں نڈھال لوگ، غرض ہر طرف آہوں اور سسکیوں کا شور اور آنسوؤں کی برسات تھی،ایسا کیوں نہ ہوتا آج سچائی،دیانتداری اور حق گوئی کا ایک روشن مینار ان سے جدا ہو گیا تھا۔ بقول شاعر ؎

ان کی تو وہ مثال ہے جیسے کوئی درخت
دنیا کو چھاؤں بخش کے خود دھوپ میں جلے

ڈاکٹر محمد انور علی قریشی صاحب کے تأثرات:

حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ کو میں اس زمانے سے جانتا ہوں جب جامعہ بنوری ٹاؤن میں پڑھتے تھے۔ وہ شروع ہی سے خوش اخلاق، جفاکش، منکسر المزاج اور نہایت ہی نیک وصالح انسان تھے اور میرا ان سے تعلق اس زمانے سے لیکر حضرت مولانا کی شہادت کے دن تک قائم ودائم رہا ہمارے سامنے بے شمار معروف شخصیتیں عالم عقبیٰ کو سدھاریں۔اس

عالم آب وگل میں کسی کو دوام نہیں بلکہ یہ عالم خود بھی ایک دن فنا ہو جائیگا۔حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام بھی اپنا مشن پورا کر کے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد .

ہم نے کسی بشر کیلئے آپ سے پہلے بھی (اس دنیا میں) قرار نہیں رکھا۔جو بھی دنیا میں آیا اس فانی دنیا سے رخصت ہوا۔

آدمی کا جسم کیا ہے جس پہ ہے شیدا جہاں
اک مٹی کی ہے عمارت اک مٹی کا ہے مکان
خون ہے اس کی غذا اور اینٹیں ہڈیاں
چند سانسوں پہ کھڑا ہے یہ خیالی آسمان
موت کی پرُ زور آندھی اس سے جب ٹکرائے گی
دیکھ لینا یہ عمارت ٹوٹ کر گر جائے گی

لیکن رخصت ہونے والے بعض لوگ ایسے خوش قسمت ہوتے ہیں کہ وہ اپنی خدمات جلیلہ کے پیش نظر دنیا سے چلے جانے کے باوجود بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ رہتے ہیں اور پیچھے رہنے والوں کو ان کی حسین یادیں ہمیشہ تڑپاتی رہتی ہیں۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ بھی اس قسم کے انسان تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو بے شمار اوصاف جمیلہ سے متصف فرمایا تھا ان گنت خوبیوں اور محاسن سے مالا مال تھے۔عظیم اسلاف کی عظیم نشانی تھے۔آپ کی وفات سے دینی،علمی،سماجی اور روحانی حلقوں میں جو عظیم خلا پیدا ہوا ہے وہ پرُ ہوتا نظر نہیں آ رہا۔موت بھی عجیب ہوتی ہے کہ بعض اوقات چمن سے ایسا پھول توڑ دیتی ہے کہ گلستان کی زینت اور رونق چھن جاتی ہے۔

حضرت شہیدؒ نے عمر کی تقریباً تریسٹھ بہاریں دیکھیں اس دور میں وہ اظہار حق اور ابطال باطل کے متعلق کبھی کسی قسم کی مداہنت کا شکار نہیں ہوئے ہمیشہ انہوں نے حق بات کی اور حق طریقہ سے کی اسی لئے آپ کی خوبیوں اور محاسن کا بلا اختلاف ہر کوئی مداح تھا۔یہ

صفت بلاشبہ ہمارے بزرگوں میں سے بھی بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

حضرت کی شہادت کے بعد ماشاء اللہ ان کے مبارک مشن کو آپ کے صاحبزادوں نے جاری وساری رکھا ہوا ہے اللہ تعالیٰ ان کو عمر دراز عطا فرمائے اور حضرت شہید کو اعلیٰ علیین میں بلند مقام عطا فرمائے۔(آمین)۔

ایک جماعت کا قتل

بعض ہستیاں تنہاء ایک امت اور قوم کے کمالات وفضائل کے جامع ہوتی ہیں اور ساری قوم کی متبوع اور مقتدا ہوتی ہیں جن کے دنیا سے تشریف لے جانے پر پوری امت اور قوم متأثر ہوجاتی ہے، حضرت اقدس کی شہادت بھی کوئی معمولی حادثہ نہ تھا بلکہ اس دن تو ایک تحریک دم توڑ گئی تھی، علم وعمل کا ایک منفرد اور مثالی ادارہ بند ہو چکا تھا، مرکزی جامع مسجد اسلام آباد کے منبر ومحراب ہی نہیں بلکہ پورا اسلام آباد ویران ہوگیا تھا، گلشن جامعہ فریدیہ اُجڑ گیا تھا۔ہم سب کے سروں سے محبتوں شفقتوں اور عنایتوں کا سکون بخش سائباں اٹھ گیا تھا، مسئلہ خواہ ختم نبوت کا ہو، شان رسالت کا ہو، شانِ صحابہ کا ہو، شاتم رسول سلمان رشدی کی مخالفت کا ہو یا لشکر محمدی طالبان کی حمایت کا ہو، مجاہد اسلام اسامہ بن لادن کی بات ہو یا امریکی دہشت گردی کی مخالفت ہو، علماء کرام کے قتل کی مذمت ہو یا مدارس دینیہ کے خلاف سازش کو ناکام بنانا ہو ہر موقع پر حضرت والا ہی قیادت فرماتے تھے۔حضرت کا قتل ایک فرد کا قتل نہیں بلکہ علم وعمل کا قتل ہے یہ شرافت وصداقت کا قتل ہے یہ صدق ووفا کا قتل ہے، ظالم حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق بلند کرنے والے ایک مجاہد اسلام کا قتل ہے۔ یہ ایک عاشق رسول، محبّ صحابہ، نمونہ اسلاف، ایک نامور خطیب، عابد زاہد اور شب بیدار درویش صفت عالم دین کا قتل ہے، ان کے دنیا سے رخصت ہونے سے ہزاروں لوگ یتیم ہوگئے تھے۔ بقول شاعر

؎ شام غم ایسی بلا خیز نہ دیکھی تھی کبھی
آسمان پر نہ رہا کوئی بھی تارا باقی
ہُو کا عالم ہے جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھو
اب وہ گلشن نہ وہ بستی نہ وہ دریا باقی

حضرت شہیدؒ اور دیگر علمائے کرام کے قتل کا مقصد اور اس کے ثمرات:

ایک عرصہ سے علماء کرام اور مذہبی رہنماؤں کو ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت حکومت کی سرپرستی میں تسلسل کے ساتھ شہید کیا جا رہا ہے جس کی وجہ اس انحطاط اور قحط الرجال کے دور میں مسند علم و عمل ان کے فیوض و برکات سے خالی ہوتی جا رہی ہے۔ ان رہنماؤں کے قتل کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ دیندار طبقہ کو خوفزدہ کیا جائے اور ان کو اس طرح دین کے کاموں سے روکا جائے۔ علماء کرام کی زبانیں بند کرنے کی کوشش کی جائے۔ ایسا خوف و ہراس پیدا کر دیا جائے کہ علماء کرام نمازیں ادا کرنے یا نماز پڑھانے سے خوفزدہ ہو جائیں لیکن یہ ان کی غلط فہمی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ علمائے حق نے کسی صورت میں بھی اپنی دینی ذمہ داری کو نہیں چھوڑا۔ نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ کی زندگی میں جو قربانیاں دی تھیں صحابۂ کرام نے جو قربانیاں دی تھیں۔ حضرت بلالؓ، صہیب رومیؓ، حضرت خبابؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت بی بی سمیہؓ نے جو روایات قائم کی تھیں حضرات علمائے کرام نے ان روایات کو ہمیشہ زندہ رکھا۔ حکمرانوں اور ظالموں نے بربریت کے ریکارڈ توڑے۔ تو حضرات علماء کرام نے قربانیوں کی لازوال داستانیں رقم کیں۔ اسپین، غرناطہ، سوویت یونین اور انگریزی دور حکومت میں کیا کچھ نہیں کیا گیا، کروڑوں مسلمانوں کو روسی کمیونسٹوں نے شہید کیا۔ کلمہ طیبہ پڑھنا جرم قرار دیا گیا مصلّیٰ گھر میں دیکھ کر گھر کو منہدم کیا گیا۔ الغرض ایسے مظالم ڈھائے کہ خود انگریز مؤرخین بھی چیخ اٹھے۔ لیکن ہوا کیا؟۔ اسلام ہندوستان میں باقی رہا علماء کرام دین کی حفاظت کرتے رہے۔ انگریز اپنا بوریا بستر گول کر کے کر رخصت ہو گیا۔ سوویت یونین

افغانستان سے بھاگنے پر مجبور ہوا اور سوویت یونین ٹکڑے ہوا۔ اس سے سات اسلامی ریاستیں وجود میں آئیں۔ آج اگر کوئی اس خام خیالی میں مبتلا ہے کہ علمائے کرام کو اس طرح شہید کر کے ان کو دین کی تبلیغ سے روک دے گا اور مدارس قائم ہونا بند ہو جائیں گے تو یہ اس کی بھول ہے۔ ایک عالم کی شہادت پر اس کے خون کے ایک ایک قطرے کے بدلے میں اتنے ہی علمائے کرام پیدا ہوتے جائیں گے، قافلۂ حق کا یہ سلسلہ جاری ہی رہے گا، مارنے والے تھک ہار کر بیٹھ جائیں گے۔ دین کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ وہ اس کیلئے افراد پیدا فرماتے رہیں گے۔ لیکن اس موقع پر مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے علمائے کرام کی حفاظت کیلئے جان کی قربانی تک پیش کرنے سے دریغ نہ کریں اور جو حکومت اپنے علمائے کی حفاظت نہیں کر سکتی اور امن وامان قائم نہیں رکھ سکتی ایسی حکومت سے نجات حاصل کرنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ علمائے کرام اور شہید اسلام حضرت مولانا عبداللہ کا مشن برابر جاری رہے گا اور اسلام کی شمع کو لادین قوتیں اور کفار ومشرکین کسی صورت میں بجھا نہ سکیں گے۔ چنانچہ حضرت شہیدؒ کی شہادت کا خون مسلسل رنگ لا رہا ہے حضرت کی شہادت کے وقت جامعہ فریدیہ اور جامعہ حفصہؓ للبنات میں صرف سات سو طلبہ اور طالبات تھے جبکہ اس وقت طلبہ اور طالبات کی تعداد ۹ ہزار سے متجاوز ہو چکی ہے اور انشاءاللہ تعالیٰ آئندہ اس تعداد میں کئی گنا اضافہ ہونے کی امید ہے۔

؎ ہمارا خوں بھی شامل ہے تزئین گلستاں میں
ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

تعزیت کے لئے آنے والی مقتدر شخصیات:

قارئین کی معلومات کے لئے یہ بھی بتاتے چلیں کہ حضرت مولانا شہیدؒ کی تعزیت کے لئے آنے والی شخصیات میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ، حضرت مولانا سمیع الحق صاحب، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ، مولانا محمد یوسف خانصاحب مدظلہ، حضرت مفتی زین العابدین

صاحب مدظلہ، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب مدظلہ، حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحبؒ، جناب قاضی حسین احمد صاحب، مولانا اکرم اعوان صاحب، مولانا عطاء المؤمن شاہ صاحب مدظلہ، مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب مدظلہ، مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہ، مولانا حافظ حسین احمد صاحب، جنرل حمید گل صاحب، سردار عبدالقیوم صاحب، جنرل نصیراللہ بابر صاحب، جناب اجمل خان خٹک صاحب، جنرل عبدالمجید ملک صاحب، چوہدری شجاعت حسین اور دیگر ممتاز علمائے کرام اور شخصیات شامل ہیں۔

حلیہ:

آپ کا حلیہ مبارک قرون اولیٰ کے اکابر کی تصویر تھا جس میں درویشی، مسکینی، سادگی شرافت اور حیاء ٹپکتی تھی۔ ظاہری شکل وصورت میں مردانہ وجاہت اور میانہ قدوقامت کے ساتھ گندمی رنگ کے حامل تھے۔ کتابی چمکدار چہرہ، سر سے پاؤں تک سنت سے آراستہ، سفید عربی لباس میں ملبوس رہتے۔ سر کے بال گھنگھریالے کچھ سیاہ اکثر سفید تھے۔ سر پر اکثر سفید کبھی سیاہ عمامہ سجائے ہوئے چاند جیسا خوبصورت چہرہ جس سے اعتماد، وقار، عاجزی اور انکساری ٹپکتی تھی، قدرے گھنی خوبصورت سفید داڑھی، نور سے معمور بلوری آنکھیں جن سے جذب کی کیفیت معلوم ہوتی تھی جیسے معرفت الٰہیہ کی شراب پیئے ہوئے ہوں۔

پسماندگان:

حضرت شہیدؒ کے پسماندگان میں آپ کی اہلیہ محترمہ کے علاوہ دو بیٹے اور تین بیٹیاں شامل ہیں آپ کا یہ چمن انتہائی سرسبز وشاداب ہے جس کے ہر پھول سے حب خدا اور حب رسولﷺ کی خوشبو مہک رہی ہے جو چار سو پھیل کر ایک عالم کو معطر کر رہی ہے حضرت اقدس خود ہی فرماتے تھے کہ میرا سب سے بڑا بیٹا مولانا محمد عبدالعزیز ہے، جس کو میں اپنے سے بہتر سمجھتا ہوں، اللہ رب العزت نے انہیں علم وعمل اور تقوی وتدین کی دولت سے نوازا ہے اور وہ میری نیابت کا پورا پورا حق ادا کرتا ہے میری عدم موجودگی میں مسجد اور مدرسہ کی تمام ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے سرانجام دیتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل اور تقوی

میں مزید ترقی نصیب فرمائے آمین ان کے علاوہ میرا چھوٹا بیٹا عبدالرشید غازی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی بڑی صلاحتیں عطا کی ہیں انہوں نے قائداعظم یونیورسٹی سے اوّل پوزیشن میں ایم،اے پاس کیا ہے اور ساتھ ساتھ ضرورت کے مطابق دینی اور عربی تعلیم بھی حاصل کی ہے۔اس وقت منسٹری آف ایجوکیشن میں ۱۸ گریڈ کے آفیسر ہیں۔حضرت کی شہادت کے بعد اب مرکزی جامع مسجد کے نائب خطیب، جامعہ فریدیہ کے نائب مہتمم اور جامعہ کے شعبہ کمپیوٹر کے انچارج بھی ہیں۔

حضرت شہیدؒ کے ان دونوں فرزندان میں حضرت ہی کی خصوصیات اور صفات پائی جاتی ہیں چال ڈھال اور انداز گفتگو اپنے والد محترم کے مثل ہیں انتہائی عقلمندی اور جانفشانی کے ساتھ مسجد اور مدرسہ کی ترقی میں رات دن مصروف ہیں جس کے حضرت خواہشمند تھے آج دنیا میں عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ کسی بڑے ادارے کا بانی یا کسی جماعت اور تحریک کا بانی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو ایک مرتبہ وہ جماعت یا ادارہ متزلزل ہو جاتا ہے اور ترقی کی جس منزل پر ہوتا ہے اس سے گر جاتا ہے اور دوبارہ اپنے معیار پر آنے کے لئے کافی محنت اور مشقت کرنی پڑتی ہے۔لیکن حضرت کے صاحبزادگان نے ان کی نیابت کا حق ادا کرتے ہوئے مسجد اور مدرسہ کی باگ ڈور اس انداز سے سنبھالی ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی کسی چیز میں کمی نہ آنے دی بلکہ حضرت کی شہادت کے بعد مسجد اور مدرسہ میں روز افزوں ترقی جاری ہے۔ بیشک یہ سب حضرت شہیدؒ کی تربیت اور آپ کے خلوص اور دعاؤں کا اثر ہے دونوں صاحبزادوں کی طرح حضرت شہیدؒ کی تینوں صاحبزادیاں بھی دینی اور بقدر ضرورت دنیاوی تعلیم سے آراستہ ہیں اور اس وقت اچھے اور دیندار گھرانوں میں ہیں۔ اللھم زد فزد.

وصیت نامہ:

آپ کا وصیت نامہ جس میں حضرت نے اپنے لواحقین کو دینی امور کی پابندی کی تاکید کی ہے اور آپ کے اپنے ذاتی لیٹر پیڈ پر درج ہے۔افادۂ عام کیلئے نقل کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وصیت نامہ برائے اولاد بذریعۂ اسم ذی قدر مولانا محمد عبدالعزیز سلمہ اللہ تعالیٰ العزیز۔

۱۔ موت کا پیالہ سب نے پینا ہی پینا ہے۔ میری موت پر بغیر کسی انتظار کے مجھے بمطابق سنت فوری دفن کر دینا ہے اور میری میت کسی جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ کی جائے۔ الحمدللہ میں قتل ہو جاؤں تو میرے قتل کو سیاسی اکھاڑہ نہ بنایا جائے۔ اگر ہو سکے تو جامعہ کے قریب دفن کرنا۔ تمام اعمال سنت کے مطابق پورے کرنا اجتماعی قرآن خوانی اور اس کا اعلان مطلقاً نہ کرنا ہاں انفرادی اور خلوت کی دعاؤں میں ضرور یاد رکھنا۔ میرے اوپر کسی کا قرض نہیں الحمدللہ۔ البتہ میری رقوم جن لوگوں پر قرض ہیں بشرط عدم ادائیگی وہ ان سب کو معاف ہیں۔

۲۔ تمام بچوں اور بچیوں کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ نمازوں کی پابندی کریں' تلاوت کلام اللہ کی پابندی واتباع شریعت تمام عمر ضرور کرتے رہیں۔ اپنی اولاد کو عالم دین ضرور بنائیں اور دنیوی علوم فقط بقدر ضرورت دلائیں ڈاڑھی سنت کے مطابق رکھیں' انسانوں کی خدمت کو اپنا شعار بنائیں۔

۳۔ حاجی محمد سوار عباسی صاحب کے ساتھ تھوڑی سی تجارت جاری ہے اور چوہدری محمد افضل صاحب کے پاس بھی کچھ رقم برائے تجارت میں نے دے رکھی ہے الحمدللہ میں ان سب کا منافع ضروریات پر لگانے کے ساتھ ساتھ بقیہ سب کا سب جامعہ' فقراء اور اقارب پر لگا تا رہا ہوں۔ آپ کیلئے بھی وصیت ہے کہ میری رقم کا تہائی مال جامعہ فریدیہ میں صدقہ جاریہ کی مد میں لگا دیں اور میرے روزوں اور نمازوں کیلئے صرف بر بنائے احتیاط ایک ماہ کی نمازوں اور دو ماہ کے روزوں کا فدیہ ضرور ادا کریں اور میرے لئے خوب دعائیں کرتے رہنا۔

۴۔ اعزہ واقارب کی جس طرح میں وقتاً فوقتاً مدد کرتا رہا مولانا محمد عبدالعزیز صاحب کیلئے وصیت کرتا ہوں کہ وہ اس سلسلہ کو جاری رکھیں اللہ تعالیٰ جزائے خیر دیں گے۔

۵۔ میری وراثت بلا تاخیر شرع محمدی کے مطابق فوراً تقسیم کر دینا۔

۶۔ میری والدہ مکرمہ' بھائی اور بہنوں اور اسی طرح آپ کی والدہ محترمہ کے بہن بھائیوں کا اچھی طرح خیال رکھنا اپنی والدہ (میری اہلیہ) کا خصوصی خیال باہتمام ضرور رکھنا یہ آپ سب کا فرض ہے نیز آپ سب بہن بھائی آپس میں پیار ومحبت سے رہنا۔

الموصی: محمد عبداللہ المرحوم ۱۸/ ۵/ ۱۴۱۶ھ بمطابق ۱۴/ ۱۰/ ۱۹۹۵ء۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ کے قاتل کون؟

حضرت مولانا شہیدؒ کی شہادت کے بعد حکومتی تحقیقاتی اداروں کی سرد مہری اور خاموشی کی وجہ سے ملک کے مقتدر، جید اور بزرگ علمائے کرام نے متفقہ طور پر اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ مولانا کی شہادت کے سلسلے میں راولپنڈی اور اسلام آباد کے سرکردہ علمائے کرام کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جواز خود اس سلسلے میں تحقیق وتفتیش کر کے حقیقی صورتحال خواص وعوام کے سامنے لائے۔ چونکہ اس میں کسی قسم کی کوتاہی دراصل عوام الناس اور حضرت شہید کے معتقدین کے ساتھ بے وفائی تھی اس لئے مذکورہ تفتیشی وتحقیقاتی ٹیم نے علامہ عبدالرشید غازی صاحب کی زیرنگرانی ایک مفصل تفتیشی رپورٹ مرتب کر کے ملک کے دیگر علماء کرام اور عوام الناس کے سامنے پیش کی جو من وعن قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔

پاکستان کے جید علماء کی قائم کردہ نجی تحقیقاتی ٹیم کی مفصل تفتیشی رپورٹ

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ 17 اکتوبر 1998ء دن دیہاڑے تقریباً پونے بارہ بجے عظیم شخصیت حضرت مولانا محمد عبداللہ کو شہید کیا گیا۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ کی ذات اس وقت ایسی تھی کہ مختلف نقطہ ہائے نظر کے لوگ ان کے علم وفضل، تقدس وتقویٰ، جہد وعزیمت اور ملت کے درد کے نہ صرف معترف بلکہ اس کے آگے سر بہ خم تھے اور جو مشکلات میں بڑے بڑے علماء کے لئے مرجع بنی ہوئی تھی۔ ان کی مثال ایسے گھنے اور سایہ دار درخت کی سی تھی جس کی چھاؤں میں امت کے تمام افراد اور خصوصاً اہلِ علم ودین کو آغوش مادر کا سکون وسرور میسر آتا تھا۔ اس دن ان کی سب سے گراں قدر پونجی لٹ گئی۔ یہ عزیز ترین متاع گم ہوگئی اور زندگی کا محبوب ترین سہارا ٹوٹ گیا۔

واقعہ کے فوراً بعد حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ کے چھوٹے صاحبزادے علامہ عبدالرشید غازی نے اپنے طور پر پولیس سے رابطے کے لئے اپنے آپ کو تحقیقاتی ٹیم کے سامنے پیش کیا۔ چونکہ وہ خود بھی ایک ذمہ دار عہدے پر فائز ہیں اور ان مسائل کی حساسیت اور نازکی، نشیب وفراز سے بخوبی واقف ہیں اس لئے اس تحقیقاتی ٹیم نے ان کی اس پیشکش کو منظور کیا اور فیصلہ کیا کہ حضرت مولانا کی شہادت کے سلسلے میں پولیس سے تمام تر رابطے کا کام عبدالرشید غازی ہی انجام دیں گے اور اس سلسلے میں تحقیقاتی ٹیم کا رکن براہِ راست پولیس کی تفتیش میں مخل نہ ہوگا۔ مولانا شہیدؒ کے صاحبزادے نے پولیس کے اعلیٰ افسر سے درخواست کی کو وہ پولیس کی اس سلسلے میں ہونے والی تفتیش سے متعلق میٹنگز میں شامل ہونا چاہتے ہیں، بلاشبہ پولیس نے اپنی ابتدائی چند میٹنگز میں انہیں بلایا۔

اس واقعہ کے فوراً بعد تفتیشی ٹیم نے اپنے سامنے چند سوالات رکھے جو کہ یہ تھے:

پہلا سوال:۔ حضرت مولانا کو شہید کرنے میں آخر کسی کو کیا فائدہ تھا۔ یا دوسرے الفاظ میں حضرت مولانا شہیدؒ سے کسی کو کیا نقصان یا خطرہ تھا۔

دوسرا سوال:- جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ حضرت مولانا ہر جگہ بغیر اسلحہ گھومتے رہتے تھے جہاں ان کوشہید کرنا کئی گنا آسان اور خطرے سے خالی تھا۔مثلاً وہ کافی عرصے سے صبح کی نماز کے بعد سپورٹس کمپلیکس روڈ (جوکہ صبح کے وقت بالکل ہی سنسان ہوتی ہے) پر صبح کی سیر کرنے اکیلے جایا کرتے تھے۔ یہ معمول تقریباً گذشتہ تین مہینے سے تھا۔

تیسرا سوال :- تمام دہشت گردی کے کاروائیوں میں آٹو میٹک اسلحہ SMG وغیرہ کا استعمال ہوتا ہے اور کوشش یہ کی جاتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ افراد مارے جائیں تاکہ دہشت پھیلائی جائے ۔تو اس کاروائی میں عام ریوالور کا استعمال کیوں کیا گیا۔

چوتھا سوال :- کاروائی کا اندازتحقیقاتی ٹیم کوشروع سے ہی کھٹکتا رہا ہے یعنی قاتل اوراس کے معاون جوکہ کافی فاصلے پراس قاتل کوکور (cover) کررہے تھے کسی کوبھی اس بات کا کوئی خوف نہ تھا کہ ان کودیکھ لیا جائے گا اور بعد میں ان کی شناخت بھی ہوسکتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ قاتل کو بالکل قریب سے دیکھنے والے چار پانچ موقع کے گواہ ہیں۔

پانچواں سوال:- حضرت مولانا بہت جلد ریٹائر ہونے والے تھے۔شیعہ یا دوسرے عناصر کوایسا کرنے کی آخر اب کیوں ضرورت پڑی تھی۔اگر ایسا کرنا تھا تو بہت پہلے کیوں نہ کیا گیا۔

چھٹا سوال:- اخبارات میں حکمرانوں کی طرف سے مجرمانہ خاموشی کیوں ہے؟

قارئین سے درخواست ہے کہ یہ سوالات ذرا اپنے ذہنوں میں رکھیں تو ان پر ہر بات واضح ہوتی چلی جائے گی۔

اب ہم پولیس کی تفتیش کی طرف آتے ہیں۔ واقعہ کے فوراً بعد مسجد کے ایک نمازی نے بتایا کہ اس نے کچھ عرصہ قبل رات بارہ ایک بجے کے قریب ایک نوجوان لڑکے کو

حضرت مولانا شہیدؒ کے گھر کے اردگرد گھومتے ہوئے دیکھا۔ بعد میں یہ لڑکا اپنی گاڑی جو کہ حضرت مولانا شہیدؒ کے گھر سے کافی فاصلے پر کھڑی تھی میں بیٹھ کر چلا گیا۔ مذکورہ نمازی نے گاڑی کا نمبر اپنی معمول کی ڈائری میں لکھ رکھا تھا۔ اس نمازی نے جب تحقیقاتی ٹیم کو اس واقعے کے بارے میں اطلاع دی تو اس گاڑی کی تفصیل معلوم کی گئی اور تحقیقاتی ٹیم نے مولانا کے صاحبزادے کے ذریعے یہ بات پولیس تک پہنچائی اور درخواست کی گئی کہ اس لڑکے کو شامل تفتیش کیا جائے۔ متعلقہ ڈی ایس پی نے اس لڑکے کو شامل تفتیش کیا اور اس لڑکے کی تصاویر تمام موقع کے گواہوں کو دکھائی گئیں اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ انہوں نے اس کو قاتل کے طور پر شناخت کرلیا۔ بعد میں جب لڑکے کی شناخت پریڈ کروائی گئی تو موقع کے تمام گواہوں نے الگ الگ اس کو قاتل ہی شناخت کیا۔

اس کے بعد تفتیشی افسر سے درخواست کی گئی کہ پولیس اپنی تفتیش کو آگے بڑھائے۔ متعلقہ ڈی ایس پی نے بتایا کہ اس لڑکے کو جگانے کے عمل سے گزارا جائے گا جس کے دوران یہ کاروائی کو قبول کرلے گا۔ پہلی رات گزرنے کے بعد تفتیشی افسر نے بتایا کہ وہ لڑکا اس واردات کو قبول نہیں کرتا اور یہ سلسلہ تین راتیں گزرنے کے بعد بھی جوں کا توں رہا۔ تیسری رات گزرنے کے بعد صبح کے وقت متعلقہ ڈی ایس پی نے عبدالرشید غازی کے پوچھنے پر ٹیلی فون پر بتایا کہ وہ لڑکا اس واردات سے ابھی تک انکاری ہے۔ پوچھنے پر اس نے مزید کہا کہ اس کی حالت تو بہت ہی بری ہے اور بہت بے حال ہے لیکن مانتا پھر بھی نہیں۔ تفتیشی افسر نے کہا کہ اس کے خیال میں یہ لڑکا بے گناہ ہے۔ غور طلب نکتہ یہ ہے کہ اسی دن تقریباً بارہ ایک بجے تحقیقاتی ٹیم نے ایک اور گواہ جو کہ شناخت پریڈ میں شامل نہ ہو سکا تھا کو حضرت مولانا شہیدؒ کے صاحبزادے کے ہمراہ سی آئی اے کے دفتر میں (جہاں پر کہ اس لڑکے کو تفتیش کے لئے رکھا گیا تھا) بھیجا۔ اتفاق سے اس وقت وہاں نچلے عملے کے علاوہ کوئی نہیں تھا اور اس گواہ کو اندر لے جایا گیا تاکہ وہ اس لڑکے کو دیکھ کر شناخت کرے، تقریباً بیس پچیس منٹ لڑکے کو دیکھنے کے بعد یہ گواہ جب واپس آیا تو اس نے تحقیقاتی ٹیم کو بتایا کہ قاتل

بالکل یہی ہے۔ لیکن جب ٹیم کے ایک رکن نے یہ پوچھا کہ لڑکے کی حالت تو بہت خراب ہوگی تو اس گواہ نے حیران کن جواب دیا کہ وہ تو تقریباً پندرہ بیس منٹ بالکل چاک وچوبند اس کے سامنے کھڑا رہا اور اس کے چہرے پر کسی قسم کی تھکاوٹ کے آثار بھی نہیں تھے۔

تحقیقاتی ٹیم نے فوری طور پر اس چیز کا نوٹس لیا اور فیصلہ کیا کہ اس مسئلے کو پولیس کے بجائے کسی اور تحقیقاتی ایجنسی کو دیا جائے۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا شہیدؒ کے صاحبزادے نے آئی ایس آئی میں متعلقہ سیکشن کے ایک بڑے افسر سے رابطہ قائم کیا۔ اس سے ملاقات کی اور اس افسر نے انہیں یقین دلایا کہ اگر پولیس اس سلسلے میں ناکام رہی تو وہ لوگ (آئی ایس آئی) اس تفتیش کو خود آگے بڑھائیں گے۔ اس افسر نے انہیں یقین دلایا کہ اگر پولیس نے چند دنوں تک کچھ نہ کیا تو وہ اس میں مداخلت کریں گے۔

دوسری طرف پولیس کارروائی میں پانچ راتیں گزر گئیں اور لڑکا پولیس کے بقول واردات کو قبول نہیں کررہا تھا۔ تحقیقاتی ٹیم کے تمام ممبر اس بات پر متفق تھے کہ ایک معصوم اور سخت جان انسان بھی پانچ راتیں مسلسل جاگنے کے بعد کسی بھی واردات کو قبول کرلیتا ہے لیکن صرف واقعات کو غلط سلط بیان کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اعصابی طور پر کوئی شخص اتنا مضبوط نہیں ہوتا کہ وہ پانچ راتیں گزارنے کے بعد انکار ہی کرتا چلا جائے۔ تحقیقاتی ٹیم کے خیال میں اگر یہ لڑکا معصوم ہوتا اور پولیس یہ کہتی کہ وہ مان تو رہا ہے لیکن واقعات کو غلط بیان کررہا ہے تو شاید اس بات کو قبول کرلیا جاتا لیکن ''سادہ انکار'' تحقیقاتی ٹیم کے کسی بھی ممبر کا ذہن اس بات کو قبول نہیں کررہا تھا۔ اس موقع پر تحقیقاتی ٹیم کے تمام ممبران نے متفقہ طور پر پولیس پر اپنی بے اعتمادی کا اظہار کیا۔ یہ بات جب پولیس کے اعلیٰ حکام تک پہنچائی گئی تو وہ خاموش رہے۔

اس پر ٹیم نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ پولیس کی بجائے اس مسئلے کو کسی دوسری ایجنسی کے حوالے کیا جائے۔ یہی بات پولیس کے اعلیٰ افسران کے سامنے ایک میٹنگ میں رکھی گئی تو ان کا جواب یہ تھا۔ ''جیسے آپ کی مرضی'' تحقیقاتی ٹیم کے کہنے پر حضرت مولانا

شہیدؒ کے صاحبزادے نے دوبارہ اسی آئی ایس آئی کے افسر سے رابطہ کیا، وہی افسر جو انہیں (حضرت مولانا شہیدؒ کے صاحبزادے کو) لمبی چوڑی تسلیاں دے رہا تھا کہ ہم یہ کر دیں گے اور وہ کر دیں گے اس دوسری میٹنگ میں ایک بدلا ہوا انسان نظر آیا۔ پہلی بات یہ ہے کہ اس نے کہا کہ یہ کیس ہم نہیں لے سکتے جب وجہ پوچھی گئی تو کہا میں آپ کو نہیں بتا سکتا۔ آخر میں اسی افسر نے حضرت مولانا شہیدؒ کے صاحبزادے سے کہا کہ میں آپ کو ایک برادرانہ مشورہ دے رہا ہوں اور وہ یہ کہ آپ اس کیس کے پیچھے نہ بھاگیں اس لئے کہ اس میں آپ کو کچھ نہیں ملے گا۔ حضرت مولانا شہیدؒ کے صاحبزادے نے تحقیقاتی ٹیم کو بتایا کہ میں اس کا یہ ''برادرانہ'' مشورہ سن کر حیران بھی ہوا اور غصہ بھی سخت آیا۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا آپ اس آگ کو محسوس کر سکتے ہیں جو میرے سینے میں لگی ہوئی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں یقیناً محسوس کرتا ہوں لیکن کچھ چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو ملکی مفاد میں نہیں ہوتیں، یہ ذو معنی جملے تحقیقاتی ٹیم کے لئے بہت اہم تھے اور ٹیم کے ممبران نے اس کا بطور خاص نوٹس لیا۔ تحقیقاتی ٹیم کے ممبران نے اس دوران اپنے اپنے ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے حضرت مولانا شہیدؒ کے ان معتقدین (جو مختلف حساس اداروں میں مختلف عہدوں پر کام کر رہے ہیں) سے بھی بار بار رابطے کئے اور ہر ایک کو الگ الگ اسی جواب کا سامنا تھا کہ اس مسئلے کو زیادہ کریدنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک صاحب نے تو اپنے ایک آدمی کو بھیج کر حضرت مولانا شہیدؒ کے صاحبزادے کو تنبیہی انداز میں پیغام بھجوایا کہ اس مسئلے کو چھوڑ دیں وگرنہ یہ کام آپ کے لئے بھی خطرناک ہوسکتا ہے۔

اس ساری صورتحال کا بغور جائزہ لینے کے بعد تحقیقاتی ٹیم نے اس موقع پر اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ حضرت مولانا شہیدؒ کی گذشتہ پانچ چھ مہینوں کی مصروفیات اور معمولات کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ اس کی وجہ یوں محسوس کی گئی کہ حالات اور واقعات یہ اشارے دے رہے تھے کہ اس کاروائی میں ایجنسیز یا حکومت کا کسی نہ کسی انداز میں ہاتھ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر حکومت کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ جہاں تک

حکومت کیخلاف مولانا شہیدؒ کی تنقید کی بات تھی تو وہ عرصہ 30/25 سال سے ہر حکومت کو اس کی غلط بات پر تنقید کا نشانہ بنایا کرتے تھے۔ آخر اب ایسی کونسی نئی بات تھی کہ ایجنسیز یا حکومت کو ایسی ظالمانہ کاروائی کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ بلاشبہ حضرت مولانا شہیدؒ نہ تو حکومت کے لئے کسی قسم کا خطرہ تھے اور نہ ملک کے لئے۔

تحقیقاتی ٹیم نے اس موقع پر اپنی تفتیش کا رُخ حضرت مولانا شہیدؒ کی طرف موڑ لیا۔ ان کی گذشتہ پانچ چھ مہینوں کی مصروفیات کی معلومات جمع کی گئیں، ان کی تقریباً تین چار مہینے کی تقاریر، اخباری بیانات کا بغور مطالعہ کیا گیا۔ پھر تعزیت کے لئے آنے والے علماء، طلباء، دانشور، سکالر، سیاست دان اور احباب سب کو تحقیقاتی ٹیم کی ممبران نے الگ الگ اپنے اپنے طور پر کریدنا شروع کیا، اور آہستہ آہستہ تحقیقاتی ٹیم کو اس کے شروع میں بیان کردہ سوالات کے جوابات ملنا شروع ہو گئے یعنی ایجنسیز یا حکومت کو ان سے کیا خطرہ یا نقصان کی توقع تھی کہ انہوں نے اس طرح کی ظالمانہ کاروائی کی۔

حقیقت کچھ یوں ہے کہ حضرت مولانا شہیدؒ جو ایک غیر متنازعہ اور بڑی ہی پیاری شخصیت کے مالک تھے کو مختلف دینی، سیاسی و دیگر تنظیموں کے طلباء علماء اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ تمام مذکورہ بالا حلقے ان کے ہاتھ پر بیعت ہو جائیں دوسرے معنوں میں وہ ان کو اس بات پر آمادہ کر رہے تھے کہ وہ تمام تنظیموں کے لئے اتحاد کا باعث بن جائیں۔ یہ صورت بعینہ کچھ اسی طرح کی تھی جیسے کہ افغانستان میں حالات کی بے انتہا خرابی اور آپس میں لڑنے مرنے کے بعد ابتداً پچاس طلباء نے ایک غیر متنازعہ شخصیت کے ہاتھ پر بیعت کی اور چند مہینوں میں پورے افغانستان پر چھا گئے ٹیم کی تحقیق کے مطابق حضرت مولانا شہیدؒ نے ابھی تک اس تجویز پر حامی نہیں بھری تھی۔ جس کی وجہ شاید ان کی منکسر المزاجی اور ان کا مزاج تھا جس کے مطابق وہ ایک تحریکی ذہن رکھنے والے شخص نہیں تھے۔ اس کا ثبوت یہ بھی ہے کہ بہت پہلے کئی مواقع پر لوگوں نے ان کو کہا کہ وہ الیکشن میں حصہ لیں اور وہ لوگ ان کو یقین دلاتے تھے کہ ان کی کامیابی یقینی تھی۔ لیکن ایسے تمام

موقعوں پر ان کا جواب دوٹوک تھا کہ وہ صرف اور صرف خدمت کرنا چاہتے تھے۔

اس ساری تفصیل کے بعد ایک ایک کر کے ان سوالات کے منطقی جوابات کی طرف آتے ہیں پہلا سوال یہ تھا کہ حضرت مولانا شہیدؒ کو شہید کرنے میں آخر کسی کو کیا فائدہ تھا یا ان سے کسی کو کیا خطرہ تھا۔

جواب اب بالکل واضح ہو چکا ہے۔یعنی حکومت اس انداز میں کسی قسم کا اتحاد یا ایسی کوئی صورت جس میں عملی طور پر اسلامی نظام کے قیام کی بات ہوتی ہو کو برداشت نہیں کر سکتی اور یہ بات نہ تو امریکہ پسند کرے گا اور نہ کوئی اور اس کا ہمنوا ملک۔ یہاں پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کچھ عرصہ قبل حضرت مولانا شہیدؒ نے افغانستان کا دورہ بھی کیا تھا جہاں انہوں نے اسامہ بن لادن سے بھی ملاقات کا تھی۔واپسی پر ان سے کچھ علماء نے درخواست کی کہ آپ اپنی اس ملاقات کو ہر کسی سے ذکر نہ کریں لیکن اسے ان کی سادگی بھی سمجھیں اور جرات بھی کہ انہوں نے آتے ہی پہلے ہی جمعہ کے خطبے میں کھل کر اسامہ بن لادن سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کیا اور ان کی خوب تعریفیں کیں اور کہا کہ وہ ایک سچا مسلمان اور مجاہد وقت ہے۔دوسری طرف وہ کچھ عرصے سے ہر دوسرے تیسرے ہفتے جب بھی سفر

پر وہاں سے گزر رہوتا تو جنرل ظہیر الاسلام عباسی سے جیل میں ملاقات بھی کرتے تھے' مزید یہ کہ وہ کافی عرصہ سے سعودی عرب میں مقیم امریکی فوجوں کے خلاف بہت زور وشور سے تقاریر بھی کر رہے تھے اور ابھی کچھ ہی عرصہ قبل امریکہ کے خلاف ایک ریلی مرکزی جامع مسجد سے امریکن سینٹر تک لے کر گئے تھے اور اس میں امریکہ کے خلاف بہت سخت تقریر کی تھی۔اس ریلی کو عالمی پریس نے بہت کوریج دی اور اسے انگریزی میں (Death to America) یعنی ''امریکہ کی موت'' کا نام دیا تھا۔اسی طرح ابھی کچھ عرصہ قبل ایک بہت بڑے اجتماع میں انہوں نے بڑے زوردار انداز میں کہا تھا کہ وہ دن دور نہیں کہ جب (ایک طالب علم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) امریکی صدر ہمارے ایک چھوٹے طالب علم کے سامنے ناک رگڑنے پر مجبور ہوگا۔ یقیناً ایجنسیز ان کی ان ملاقاتوں اور ان کی انہی

سرگرمیوں کے بارے میں رپورٹیں حکومت اور فوج کو بھیجتے رہے ہوں گے اور یقیناً امریکی سی آئی اے بھی اس بارے میں پوری طرح آ گاہ رہی ہوگی، مزید یہ کہ حضرت مولانا شہیدؒ کچھ عرصہ سے طالبان کی بہت زیادہ حمایت کر رہے تھے۔ امریکہ کی مخالفت میں بہت سرگرم تھے اور اسلامی نظام کے قیام کے لئے اپنی تقاریر میں بہت زور دے رہے تھے۔ اس ساری صورتحال نے ایجنسیز اور حکومت کو یہ تأثر دیا کہ شاید کوئی کھچڑی پک رہی ہے اور اگر مولانا شہیدؒ نے اپنے ہاتھ پر بیعت ہونے کی ایک دفعہ حامی بھر لی تو پھر شاید بات ان کے ہاتھ سے نکل جائے۔ تحقیقاتی ٹیم اس ساری صورتحال کے بعد اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ حکومت کو خطرہ تھا اور یہ کوئی ایسا ویسا خطرہ نہیں تھا۔ وگرنہ تنقید کی حد تک تو حضرت مولانا شہیدؒ گذشتہ پچیس تیس برس سے ہی ہر غلط بات پر حکومت کو تنقید کا نشانہ بناتے رہے تھے۔

دوسرا سوال کہ وہ ہر اس جگہ موجود تھے جہاں ان کو شہید کرنا آسان تھا تو عین گھر کے سامنے مسجد کو کیوں منتخب کیا گیا؟

اس کا جواب بالکل واضح ہے۔ ایجنسیز جب بھی اس قسم کی کوئی کاروائی کرتی ہیں تو وہ اس کے نفسیاتی پہلوؤں کو ذہن میں رکھ کر جگہ اور وقت کا تعین کرتی ہیں۔ دن کے وقت عین اس وقت جب کہ بہت زیادہ چہل پہل ہے اس کاروائی کا مقصد صرف اور صرف وہ نفسیاتی دباؤ تھا جو دوسرے علماء پر ڈالنا چاہتے تھے تاکہ وہ اس طرح کے کسی اتحاد یا کسی اور طرح کی سازش (ایجنسیز کی نظر میں) کا نہ سوچیں۔ مزید یہ کہ چونکہ شیعہ اور سنی کا کھاتہ تو کھلا ہی ہوا ہے اس لئے یہ کاروائی اسی کھاتے میں ڈالنے کی پوری کوشش کی گئی اور کی جا رہی ہے۔

ایک اور سوال کہ کاروائی کا وہ انداز کہ ٹہلتے ہوئے آئے نہ دیکھے جانے کا خطرہ نہ پکڑے جانے کا خوف نہ گاڑی دیکھے جانے کا اندیشہ؟

جواب بالکل واضح ہے کہ ایجنسیز اور حکومت کی پشت پناہی تھی پھر خوف کس بات کا؟ اس سلسلے میں پولیس کی مذکورہ بالا کاروائی مزید اس بات کی وضاحت کرتی ہے۔ اسی

میں اس سوال کا جواب بھی ملتا ہے کہ کیا یہ دہشت گردی کی کاروائی تھی؟ جواب سیدھا سادہ ہے کہ کاروائی کرنے والوں کا نشانہ صرف اور صرف حضرت مولانا شہیدؒ ہی تھے اور قاتل کو واضح ہدایات تھیں کہ صرف انہی کونشانہ بنانا ہے۔ اگر دہشت گردی کرنا ہوتی تو حضرت مولانا شہیدؒ کے ساتھ ان کو بھی نشانہ بنایا جاتا جو اس وقت ان کے بہت قریب تھے اور قاتل کے لئے گواہی کا سبب بن سکتے تھے لیکن چونکہ قاتل کو یہ واضح ہدایات ہوں گی کہ اور کسی کونشانہ نہ بنایا جائے اس لئے اس نے اپنی کاروائی کو حضرت مولانا شہیدؒ تک محدود رکھا۔

حکومت کی طرف سے اخبارات میں بے انتہا خاموشی

اس سلسلے میں ایک بہت ہی اہم نقطہ کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ اس وقعہ سے لے کر اب تک حکومت کی طرف سے اخبارات میں ایک بیان بھی کسی ایک اخبار میں نہیں چھپا۔ (یہاں یہ واضح ہو جائے کہ واقعہ کے دوسرے دن کے بیانات کو آپ زیر بحث نہ لائیں اس لئے کہ اتنے بڑے واقعے کے فوراً بعد وزیراعظیم اور صدر کے پریس سیکڑیری اپنی طرف سے ایک پہلے سے لکھا لکھایا بیان پریس کے لئے جاری کر دیتے ہیں جس کا علم اکثر اوقات وزیراعظم اور صدر کو بھی نہیں ہوتا۔ دوسرے دن کے علاوہ اگر کسی اخبار میں کسی نے بھی کوئی خبر پڑھی ہو جس میں وزیراعظم نے مولانا شہیدؒ کے بارے میں کسی بھی قسم کا کوئی بیان دیا ہو تو ہمیں ارسال کریں تا کہ ہم اپنی تصحیح کر سکیں۔) واضح ہو کہ انہی حالات کو دیکھتے ہوئے اور دلبرداشتہ ہو کر حضرت مولانا شہیدؒ کے چھوٹے صاحبزادے عبدالرشید غازی نے 6 نومبر کو مرکزی جامع مسجد میں بعد از نماز جمعہ ایک جامع اور مدلل پریس کانفرنس کی جس میں واضح طور پر کہا کہ:

> ''میرے والد کا قتل نہ تو دہشت گردی کی کاروائی تھی اور نہ فرقہ وارانہ، بلکہ یہ ایجنسیز یا دوسرے الفاظ میں حکومت وقت کی منظّم اور منصوبہ بند کاروائی تھی''

اس بات کو پاکستان کے اور بین الاقوامی پریس نے بالکل واضح طور پر بیان کیا۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ابھی تک (23 نومبر 1998) حکومت کی طرف سے اس پر کسی قسم کی کوئی تردید نہیں آئی۔ یہ اس بات کی طرف دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے جو کچھ پریس کانفرنس میں کہا وہ بالکل حقیقت پر مبنی ہے۔ حکومت کی اس مجرمانہ اور مکمل خاموشی سے تو مزید یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ شاید حکومت پر بھی کسی قسم کا دباؤ ہے اور یہ دباؤ یقیناً امریکہ کا ہی ہوسکتا ہے۔ اب تو یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ایجنسیز اور حکومت نے یہ کام امریکہ کے دباؤ میں کیا ہے اور یہ کہ حکومت کی طرف سے مکمل خاموشی اپنے آقا امریکہ کو یہ تاثر دینا ہے کہ حکومت بہت مضبوط اور مستحکم ہے اور یہ کہ اتنی بڑی شخصیت (جو کہ امریکہ کی نظر میں ناپسندیدہ ہو) کو بڑے آرام سے اپنے آقا امریکہ کی خاطر راستے سے ہٹا سکتے ہیں۔

ایک اور غور طلب نکتہ یہ ہے کہ جس لڑکے کا اوپر ذکر کیا گیا اور جس کو قاتل کے طور پر تمام موقع کے گواہان نے شناخت بھی کیا اس کو پولیس نے یہ کہہ کر چھوڑا کہ ایک دو دن اس کی مصروفیات نوٹ کریں گے اور پھر اسے پکڑ لیں گے، اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اب یہ بتایا جارہا ہے کہ وہ لڑکا نہیں مل رہا اور پولیس والے اس کے لئے جگہ جگہ چھاپے مار رہے ہیں، کتنی حیرانگی کی بات ہے کہ پہلے چھوڑ دیا اور اب جگہ جگہ تلاش کر رہے ہیں، یہ بات کم از کم ہماری سمجھ سے تو بالاتر ہے۔

علماء کرام رابطہ کمیٹی برائے تفتیش:

۱۔ حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب
۲۔ حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحب نقشبندی
۳۔ حضرت مولانا قاضی عبدالرشید صاحب
۴۔ حضرت مولانا سید چراغ الدین صاحب
۵۔ حضرت مولانا ظہور احمد علوی صاحب
۶۔ حضرت مولانا محمد نذیر فاروقی صاحب
۷۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالروف صاحب

۸۔ حضرت مولنا اشرف علی صاحب
۹۔ حضرت مولانا عبدالمجید ہزاروی صاحب
۱۰۔ حضرت مولانا مفتی رویس خان صاحب
۱۱۔ حضرت مولانا محمد شریف ہزاروی صاحب
۱۲۔ حضرت مولانا میاں محمد نقشبندی صاحب
۱۳۔ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب

چندمبشرات:

خواب اگر چہ شرعی طور پر حجت نہیں ہوتے لیکن اچھے خواب بندے کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہونے کی علامت ہوتے ہیں۔خاص طور پر جب خواب دیکھنے والے علماء وصلحاء ہوں۔بخاری شریف کی ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے آنحضورﷺ نے فرمایا کہ:''**لم یبق من النبوة الا المبشرات قالوا وما المبشرات قال الرؤیا الصالحة**''

فرمایا نبوت کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا سوائے مبشرات کے صحابۂ کرام نے پوچھا یارسول اللہ مبشرات کیا ہیں تو آپ نے ارشادفرمایا اچھے خواب۔

بخاری شریف ہی کی دوسری روایت جو حضرت سعید خدریؓ سے منقول ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:''**الرؤیا الصالحة جزء من ستة واربعین جزء من النبوة**''

فرمایا اچھا خواب نبوت کے اجزاء میں سے چھیالیسواں جزء ہے۔

ذیل میں چند رویائے صادقہ پیش کئے جارہے ہیں جو حضرت شہیدؒ کی شہادت کے بعد بعض اہل محبت نے دیکھے۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اسلام آباد کے جنرل سیکرٹری حضرت مولانا قاری عبدالوحید قاسمی صاحب بتاتے ہیں کہ گزشتہ سال احقر کو اپنے اہل وعیال سمیت عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی۔۲۷رمضان المبارک کو مسجد نبوی میں قیام اللیل کے بعد نیند کا غلبہ ہوگیا تو کچھ دیر کیلئے لیٹ گیا۔خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ شہید اسلام حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ تشریف لائے ہیں ۲۲،۲۳ سال کے بالکل نوجوان لگ رہے تھے،چشمے لگائے ہوئے مسکرارہے ہیں سلام دعا کے بعد میں نے عرض کی کہ حضرت آپ پاکستان تشریف نہیں لاتے کیا آپ نے پاکستان چھوڑ دیا ہے۔

جواب میں فرمایا کہ نہیں ایسی بات نہیں ہے، میں تو روزانہ پاکستان آتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مولانا محمد عبدالعزیز اور حافظ عبدالرشید غازی ہر وقت وہاں پر موجود رہتے ہیں۔ اس کے بعد علماء کرام کی ایک بڑی جماعت نے حضرت شہید کا استقبال کیا اسی دوران تہجد کی آذان کی آواز کانوں میں گونجی تو میں بیدار ہو گیا فوراً اٹھا اور وضو کیا اور ریاض الجنۃ میں جا کر نوافل ادا کیے اور حضرت شہید کیلئے خوب دعائیں کیں اور روضۂ رسول پر حضرت شہیدؒ اور تمام مجاہدین کی طرف سے درود وسلام پیش کیا۔

جامعہ کے استاد اور مفتی مولانا دوست محمد صاحب بتاتے ہیں کہ میں نے حضرت شہیدؒ کو کئی دفعہ خواب میں دیکھا، حرمین شریفین کے سفر میں حرم کے اندر بھی خواب میں حضرت شہیدؒ کی زیارت ہوئی بہت ہی خوش وخرم نظر آرہے تھے۔

ایک دفعہ گھر میں خواب میں آپ کی زیارت ہوئی آپ انتہائی آرام دہ اور خوبصورت بستر پر آرام فرما ہیں اور آپ کے قریب کچھ نوجوان بھی سو رہے ہیں جن کو کبھی حضرت آواز دیکر اپنے پاس بلا بھی لیتے ہیں، میں نے پوچھا حضرت کیا حال ہیں؟ فرمانے لگے الحمدللہ میں بہت خوش ہوں اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم اور احسان ہے اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت مجھے میسر ہے اس دوران خوشی سے آپ کا چہرہ کھل رہا ہے اور ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ ہے۔ آپ کی دائیں بائیں سونے والے نوجوان اپنی شکلوں سے دینی مدارس کے طلباء اور مجاہد لگ رہے تھے۔

☆......تبلیغی جماعت کے ایک دیندار ساتھی نے حضرت مولانا محمد عبدالعزیز مدظلہ کو اپنا خواب سنایا کہ ایک رات میں نے حضرت شہیدؒ کو خواب میں دیکھا اور آگے بڑھ کر میں نے حضرتؒ کے ساتھ معانقہ کیا۔ حضرت مسکراتے ہوئے فرمانے لگے کہ جب سے میں گیا ہوں آرام سے نہیں بیٹھا۔ انشاء اللہ العزیز میں ان تمام شاہوں کے تخت الٹ کے رکھ دوں گا۔

☆......اسی طرح ایک صالح اور دیندار دوست نے حضرت مولانا محمد عبدالعزیز

صاحب کو بتایا کہ میں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ حضرت شہید اسمبلی ہال کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کے سامنے پگڑیاں پہنے ہوئے بہت سے نورانی چہرے والے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اتنے میں مفکر اسلام حضرت مفتی محمود صاحبؒ تشریف لا رہے ہیں اور حضرت شہید کو یہ فرماتے ہوئے آگے بڑھا دیتے ہیں کہ آپ ان علماء کی قیادت کریں اور ان کے سامنے تقریر کریں۔

☆......ایک اور دیندار ساتھی نے حضرت مولانا محمد عبدالعزیز صاحب کو بتایا کہ میں نے حضرت شہیدؒ کو ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ آپ انتہائی چمکدار اور صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور ان کے کپڑوں کے اوپر المغفرۃ المغفرۃ المغفرۃ (معاف کردہ) تین مرتبہ لکھا ہوا تھا۔

☆......جامعہ فریدیہ میں پڑھنے والے دورۂ حدیث کے ایک طالب علم نے اپنا خواب بیان کیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جامعہ کے چمن میں تشریف فرما ہیں، نہایت ہی بارونق منظر ہے، احقر نے حاضر خدمت ہو کر تمام آداب بجالاتے ہوئے سلام عرض کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت مولانا محمد عبداللہ شہید رحمہ اللہ کے بارے میں استفسار کیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''وہ تو جنت الفردوس میں بھی ایک اعلیٰ ترین مقام میں ہیں اور مسکراتے ہوئے انہوں نے اپنے رب سے ملاقات کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''عبداللہ تم قیامت تک اسی طرح مسکراتے رہو''۔

☆......علامہ عبدالرشید غازی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ بیٹھا تھا کہ ایک آدمی آیا جو بظاہر دین دار اور نیک صالح معلوم ہو رہا تھا اور حضرت والد صاحب کو اپنا ایک خواب سنایا ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سرکار دو عالمؐ ایک جگہ تشریف فرما ہیں اور آپ کے ساتھ صحابۂ کرام بھی بیٹھے ہوئے ہیں اس دوران آنحضورﷺ فرمانے لگے کہ ''عبداللہ آ گیا''، ہم نے جب مڑ کر دیکھا تو آپ آ رہے تھے اور میں نے آپ کو پہچان لیا۔ آپ کے سر پر عمامہ تھا چنانچہ آپ آئے اور سرکار دو عالم

کے ساتھ مصافحہ کیا اور آپ کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ اس طرح کئی لوگوں نے حضرت والد صاحبؒ کی زندگی میں ہی ایسے کئی خواب دیکھے تھے اور والد صاحبؒ کو سنایا تھا اکثر مجھے یاد نہیں ہیں۔

☆...... مدرسہ دارالہدیٰ راولپنڈی کے مہتمم حضرت مولانا عبدالرشید کوثر صاحب بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک عجیب وغریب خوبصورت جگہ ہے جہاں تمام شہداء کرام جمع ہیں اسی دوران مجھے کسی نے بتایا کہ حضرت سیدنا حضرت حسینؓ بھی مجاہدین کے ساتھ موجود ہیں میں بھی ایک دروازے سے اندر داخل ہوا دائیں اور بائیں طرف کرسیاں لگی ہوئیں ہیں۔ سارے شہداء کرام بیٹھے ہوئے ہیں اس دوران میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا عبداللہ شہیدؒ حضرت حسینؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں، اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔

بابِ پنجم

مجاہدانہ زندگی اور تحریکی کارنامے

ہجومِ رنج وغم دارو رسن صدمے زمانے کے
یہ سب ٹکڑے ہیں اک میری محبت کے فسانے کے

بابِ پنجم

مجاہدانہ زندگی اور تحریکی کارنامے:

حضرت شہیدؒ کی زندگی کا تحریکی پہلو

انہی کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہی کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے
اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخندانی

حضرت اقدس کی محنت اور جدو جہد کا محور دین اسلام کی حفاظت اور عام مسلمانوں کے سامنے صاف وہ حقیقی اسلام کو رکھنا تھا جو اللہ تعالیٰ کے رسول لے کر آئے ہیں۔ تا کہ وہ باطل قوتوں کی چیرہ دستیوں اور ان کے پھیلائے ہوئے خطرناک جال میں نہ آئیں۔ علمائے کرام اور بزرگانِ دین نے جتنی تحریکیں اسلام دشمن عناصر اور باطل فرقوں کی سرکوبی کے لئے شروع کیں ان تمام تحریکوں میں صفِ اوّل کے مجاہدین کی قطار میں اس مردِ مجاہد کا نام بھی چمکتا دمکتا تھا۔ حضرت شہیدؒ اہل کفر و باطل سے نبرد آزما تمام ہی جماعتوں اور جہادی تحریکوں و تنظیموں کی مکمل راہنمائی اور سرپرستی بھی فرماتے اور ان سے ہر ممکن تعاون بھی فرماتے اور ان میں عملی طور پر بھرپور حصہ لیتے۔ اس لئے ہر تحریک حضرت کو اپنا سرپرست سمجھتی تھی۔ اس کے علاوہ وہ تمام باطل تحریکوں کی مخالفت میں پیش پیش رہتے، خاص طور اپنی زندگی کے آخری ایام میں تو طالبان کی حمایت اور امریکی بربریت کی سخت مخالفت کرتے اور اس خلاف اور اہل حق کی حمایت میں مرکزی جامع مسجد کے منبر سے بھرپور آواز اٹھائی۔

حضرت شہید کی حق گوئی:

حضرت شہیدؒ نے ہر دور میں جابر حکمران کے سامنے اعلائے کلمۃ اللہ ،امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور ہر حکومت کی غلط وغیر شرعی پالیسیوں کے خلاف حق کہنے کا فریضہ بڑی جرات واستقامت کے ساتھ بحسن وخوبی انجام دیا۔اس پاداش میں متعدد بار حکومت نے مرکزی جامع مسجد (لال مسجد) میں اپنی مرضی کا خطیب لانے کی بھرپور کوشش کی مگر آپ کے غیور مقتدیوں اور متعلقین نے کمال وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے حکومت وقت کی ایسی کسی بھی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیا، باوجودیکہ آپ سرکاری ملازم تھے مگر آپ نے اس کی مطلقاً پرواہ نہ کی ۔مفکر اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ:

> ''تاثر یہ ہے کہ جو لوگ سرکاری ملازم ہوجاتے ہیں ان کے مزاج سے مولویت نکل جاتی ہے مگر دنیا جانتی ہے کہ مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ اتنے بڑے عہدے پر ہونے کے باوصف متصلب دیوبندی اور پختہ کار عالم دین رہے ۔انہوں نے حق گوئی کے معاملے میں کبھی سودے بازی سے کام نہیں لیا''۔

؎ آئین جواں مرداں حق گوئی وبے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت شہیدؒ کی صداقت:

اسلام آباد میں حضرت شہیدؒ نے تقریباً ۳۳ سالوں تک مرکزی جامع مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دیئے۔آپ کا یہ ۳۳ سالہ دور خاص طور پر جناب ذو الفقار علی بھٹو صاحب مرحوم کا دور حکومت حضرت شہیدؒ پر سخت آزمائشوں والا اور پُر آشوب گزرا ہے۔حکومت وقت کی طرف سے سخت اذیتیں اور تکلیفیں اٹھانی پڑیں جو آپ کے لئے دین میں صلابت اور بلندیٔ درجات کی واضح نشانیاں ہیں ۔حضور اقدس ﷺ کا ارشاد

گرامی ہے:

"یبتلی الرجل علی حسب دینه فان کان فی دینه صلباً اشتد بلاء ه وان کان فی دینه رقة ابتلی علی قدر دینه" (ترمذی ص:۶۵/ج:۲)

ترجمہ:-آدمی کی آزمائش اس کی دینداری کے لحاظ سے ہوتی ہے اگر اس کے دین میں خوب پختگی ہوتو آزمائش بھی سخت ہوتی ہے اور اگر اس کے دین میں نرمی ہوتو آزمائش بھی اتنی ہی نرم ہوتی ہے۔

حضرت شہیدؒ کی ذات گرامی بھی حق وصداقت، دیانت وشرافت سے بھری ہوئی تھی۔حق بات حق طریقے سے کہنے میں کسی قوت اور حکومتی طاقت وغیرہ کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔توحید اور حق بیان کرنے میں کسی کی ناراضگی اور خفگی کا خیال ہی نہ کرتے تھے۔۱۴ اگست کے دن پورا پاکستان آزادی کی سالگرہ منانے میں محو نظر آتا ہے،صرف سرکاری دفاتر اور دیگر عمارتیں ہی نہیں بلکہ کاریں،بسیں اور موٹر سائیکلوں تک سبز ہلالی پرچم سجائے سڑکوں پر فراٹے بھرتے ہوئے لوگوں کے آرام وسکون کو برباد کر دیتے ہیں،اسلام نے اوّل تو اس طرح کے تہواروں اور جشنوں کی زیادہ حوصلہ افزائی نہیں کی ہے اور جن مواقع پر خوشی منانے کا حکم دیا ہے تو اس کے ساتھ خوشی منانے کا طریقہ بھی بتلا دیا ہے۔اس لئے اگر جشن آزادی منانا بھی ہے تو اس میں بھی کوئی طریقہ اور سلیقہ ہونا چاہئے۔جشن اور خوشی کی آڑ میں دوسروں کے سکون وآرام کو برباد کر دینا اور لوگوں کو اذیت اور تکلیف دینا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہوسکتا۔ایسے ناجائز امور کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے آپ نے ایک مرتبہ ماہِ اگست میں جمعہ کے دن آزادی کے مفہوم پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"آج لوگ آزادی کا جشن مناتے ہیں یہ لوگ جس آزادی کا جشن مناتے ہیں وہ آزادی تو ہندوستان، یورپی ممالک اور

امریکہ میں بھی مسلمانوں کو حاصل ہے، نماز پڑھنے کی آزادی جیسے یہاں ہے، وہاں بھی ہے، روزہ رکھنے کی آزادی جیسے یہاں ہے، وہاں بھی ہے، حج کے لئے جیسے یہاں سے جاتے ہیں وہاں سے بھی جاتے ہیں، مدارس یہاں بھی ہیں وہاں بھی ہیں، قربانی جس طرح یہاں کرتے ہیں وہاں بھی کرتے ہیں۔ سوائے ہندوستان کے جہاں گائے کی قربانی کرنا قانوناً ممنوع ہے۔ یہاں آزادی مناتے ہوئے ہمارے وزراء حضرات تک پٹاخے چھوڑتے ہیں، سبحان اللہ، سبحان اللہ! کیا جشن آزادی منانے کا یہ انداز ہے؟ کیا آزادی منانے کا یہ طریقہ ہے؟ کہ باہر نکل کر سڑکوں پر موٹر سائیکلوں سے ریس لگاؤ اور عوام کو تنگ کرو۔ ان کی نیند حرام کرو، ان کا سکون برباد کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے''

؎ مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

راہِ حق میں حکومتی رکاوٹیں:

حضرت شہیدؒ کو ایذاء پہنچانے اور تکلیف دینے میں حکومت کی ہٹ دھرمی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ ایک دفعہ حکومت نے حضرت شہیدؒ پر قتل کا جھوٹا مقدمہ بنا کر گرفتار کرنے کی کوشش کی، حالانکہ حضرت شہیدؒ ان جرائم کے بارے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ حضرت تو یکجہتی اور رواداری کا پیکر تھے۔ چنانچہ حضرت کے خلاف قتل کیس کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے گئے۔ (یہ قتل مرید حسن یزدانی کا تھا جو شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے تھے) وارنٹ گرفتاری کی اطلاع حضرت شہیدؒ کو قبل از وقت مل گئی۔ آپ نے ان حالات میں بھی آنحضورﷺ کی غار ثور والی سنت کو زندہ کرتے ہوئے تین دِن تک اپنے ایک معتقد کے گھر میں روپوش رہے۔ اسی دوران آپ کی ضمانت کروادی گئی۔ کافی عرصہ

تک عدالت میں کیس چلتا رہا بالآخر حضرت شہیدؒ کو اللہ تعالیٰ نے اس جھوٹے مقدمے سے اس طرح بری کردیا کہ دنیا کی بھی آنکھیں کھل گئیں۔ یہ صرف اور صرف حضرت کے اخلاص ،سچائی ،دیانت اور نیم شب دعاؤں کی برکت تھی کہ کچھ ہی عرصے کے بعد یزدانی کا قاتل خود یزدانی ہی کا اپنا ایک قریبی شیعہ ساتھی نکلا۔اس کیس سے بری ہونے کے کچھ ہی دنوں بعد رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہوگیا۔ رمضان المبارک میں حضرت کی نماز تراویح کا انداز یہ ہوتا تھا کہ ہر ترویحہ یعنی چار رکعتوں کے بعد تراویح میں پڑھی گئی آیتوں کے تفسیری واقعات اور مسائل کا خلاصہ بیان فرماتے تھے۔اس مرتبہ جب ابتدائی تراویح میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا وہ واقعہ آیا جہاں بنی اسرائیل کے ایک قاتل شخص کا ذکر آیا ہے،آیات کا خلاصہ بیان فرمانے کے بعد حضرت شہیدؒ نے اپنا مذکورہ واقعہ ذکر فرمایا کہ جس طرح بنی اسرائیل کے مذکورہ خاندان کے افراد نے خود ہی اپنے ایک شخص کو قتل کر کے اس قتل کا خوب ڈھنڈورا پیٹا اور خود ہی اس ڈھنڈورا کے شکار ہوکر رہ گئے ،گائے کو ذبح کرنے کے بعد گوشت کا ٹکڑا مقتول میت پر مارا گیا تو اٹھ کر اس نے قاتل کا نام بتلایا، جو اس کا قریبی عزیز تھا، پھر وہ مرگیا۔ یزدانی کو بھی شیعوں نے خود قتل کیا اور میرے خلاف قتل کا جھوٹا مقدمہ دائر کردیا۔لیکن اللہ تعالیٰ تو تمام بھیدوں کو جانتے ہیں۔ قدرت کی طرف سے فیصلہ یوں ہوا کہ اس آدمی کا قاتل اس کا قریبی ساتھی ہی نکلا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے بری کردیا۔ یہ حکومت اور روافض کی ملی بھگت تھی تا کہ وہ مجھے حق بات کہنے سے روک سکیں،حق بات بیان کرنا اور حق بات کرنا گویا حضرت کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا اس طرح کے واقعات ان کو نہ کبھی دبا سکے اور نہ جھکا سکے اور مستقل مزاجی سے اعلائے کلمۂ حق کا فریضہ حسب سابق ادا کرتے رہے۔

اگر چہ بت ہوں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لا الٰہ الا اللہ

حاکم وقت کے غلط کاموں کی مخالفت:

دین کی اشاعت، اس کی سربلندی کے لئے اپنا تن من لگا دینا، دین متین کی خدمت کی خاطر اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کو خاک میں ملا دینا، راہِ حق میں مصائب وآلام کو خندہ پیشانی کے ساتھ جھیلنا اور ان کے مقابلے میں ڈٹ کر حق کا دامن تھامے رکھنا علمائے حق کا شیوہ ہوتا ہے۔

مرکزی جامع مسجد اسلام آباد جب سے بنی ہے اس وقت سے لے کر آج تک اس میں حق ہی بیان ہوا ہے حق گوئی اور بے باکی حضرت شہیدؒ کے نمایاں اوصاف میں سے تھے، حکومت وقت جتنی رکاوٹیں کھڑی کرتی اور جتنی مشکلات پیدا کرتی حضرت اقدس کے ارادے اور عزائم مضبوط سے مضبوط تر ہوتے جاتے۔

حضرت اقدس نے کبھی بھی مداہنت سے کام نہ لیا۔ وہ وقت کے جابر حکمرانوں کو ان کی غلطیوں اور کج روی پر علی الاعلان اور برملا ٹوک دیتے۔ باطل کے منہ زور طوفان اور بلا خیز سیلابوں کو روک کر ان کا رُخ موڑتے رہے، ان کی حق وصداقت کی نواؤں نے ہمیشہ حکومت کے ایوانوں میں لرزہ طاری کئے رکھا، شہر اسلام آباد کے صنم کدوں میں ان کی صدائیں برابر گونجتی رہیں، وہ ہمیشہ دینی غیرت وحمیت سے سرشار ہو کر کسی مصلحت کے بغیر کلمۂ حق کہنے میں مولانا محمد علی جوہر مرحوم کے اس شعر کے عین مصداق رہے ۔

؎ توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

ان کی حق گوئی کو ایوب خان کا مارشل لاء روک سکا اور نہ ضیاء الحق کی خوش اخلاقی، کرم نوازی اور اچھے مراسم رام کر سکے، انہوں نے صدر ایوب خان اور صدر ضیاء الحق کے مارشل لاء کے دور میں بھی حق بات کی، جب کہ کوئی بھی مارشل لاء کے خوف سے کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ عورت کی حکمرانی کی شرعی حیثیت کو بھی واضح کیا اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ میاں نواز شریف کے غلط کاموں کو بھی برملا غلط کہا اور انہوں نے طالبان

تحریک اور عظیم مجاہد اسامہ بن لادن کی اس آڑے وقت میں بھی حمایت کی اور برسر منبر ان کے ساتھ اپنے تعلق کا اظہار کیا اور ان سے بھرپور تعاون کیا جبکہ ان کا نام لینا بھی جرم سمجھا جاتا تھا۔ آپ عمر بھر طاغوتی طاقتوں اور عالمی سامراجی قوتوں کے مقابلے میں سینہ تان کر ڈٹے رہے اور اس کی پاداش میں متعدد بار جیل بھی جانا پڑا ان کے جسم پر بجلی کے کرنٹ لگائے گئے، بے پناہ ظلم وستم کیا گیا لیکن وہ کسی چیز کی پرواکئے بغیر اپنی دھن میں لگے رہے اور حق وصداقت کے علم کو بلند سے بلند تر کرنے میں مصروف رہے۔ ذوالفقار علی بھٹو اور بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں حضرت شہیدؒ کو کچھ زیادہ تکالیف جھیلنی پڑیں، اور کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑا، اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے دور حکومت میں قادیانی سر اٹھانے کی زیادہ کوشش کرتے تھے اسلام کی بنیادیں اور مسلمانوں کو کھوکھلا کرنے کے لئے اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کی کوششوں میں مصروف رہتے تھے، اور مرکزی جامع مسجد کے منبر ومحراب سے ان کے خلاف بھرپور آواز اٹھتی تھی، اور صحافتی حلقے مرکزی مسجد کی اس آواز کو زیادہ اہمیت دیتے تھے، جس کی وجہ سے آپ حکومتی حلقوں کے دلوں میں کھٹکتے رہتے تھے۔

؎ شوق میری لے میں ہے، شوق میری نے میں ہے
نغمۂ اللہ ہُو میرے رگ وپے میں ہے

اوقاف کے ایک آفیسر کی سازش:

حضرت اقدس فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ اوقاف کے ایک بڑے آفیسر صاحب نے میرے خلاف ایک اچھی خاصی رپورٹ تیار کی کہ فلاں فلاں وجوہات کی بناء پر مولانا عبداللہ کو ان کے عہدے سے معطل کیا جائے، مجھے معلوم نہیں کہ اس میں اس نے کس قسم کے ثبوت اکٹھے کر رکھے تھے، وہ صاحب یہ فائل چیف سیکرٹری جناب خواجہ حامد صاحب کے پاس لے کر جانا چاہتے تھے اور جس میٹنگ میں وہ صاحب یہ فائل لے کر ان کے پاس آیا تا کہ ان کے سامنے یہ تمام رپورٹیں آ جائیں اور وہ میرے خلاف فیصلہ کر دے، اتفاق سے میں اس سے قبل ہی خواجہ صاحب کے پاس پہنچ گیا، میٹنگ کے دوران ہی میرے متعلق گفتگو

شروع ہوئی تو خواجہ صاحب فرمانے لگے کہ میں تو حضرت مولانا صاحب سے بہت متأثر ہوں، کیوں کہ میرا بھائی صاحب جو کافی عرصہ سے شراب نوشی کا عادی تھا مولانا صاحب کی ایک ہی تقریر سن کر اس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شراب نوشی سے توبہ کر لی ہے اور اب پانچ وقت کی نمازوں میں بھی پابندی سے حاضر ہوتا ہے، ان کی عظمت اور شان کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ یہ سن کر اس نے وہ رپورٹ خواجہ صاحب کے سامنے پیش ہی نہیں کی اور چپ چاپ واپس چلا گیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت شہید کی مدد فرمائی اور سازش ناکام ہوگئی۔

جھوٹے مقدمات:

حضرت شہیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ بندہ کی جمعہ کی تقاریر پر اکثر مقدمات بنتے رہتے تھے۔ چونکہ یہ ساری کارروائی بدنیتی پر مبنی ہوتی تھی اس لئے بارہا حکومتی اہلکاروں سے غلطیاں بھی سرزد ہوتی تھیں۔ کئی دفعہ میں نے جمعہ بھی نہیں پڑھایا تب بھی مجھ پر مقدمہ قائم کیا گیا اور گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوئے۔ بطور لطیفہ سنایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں عمرہ ادا کرنے کیلئے گیا تھا تو سی آئی ڈی والوں نے اوپر تک میرے خلاف رپورٹ لکھ کر عدالتی کارروائی کرائی چنانچہ واپسی پر عدالت نے مجھے طلب کر لیا۔ کہ آپ نے فلاں جمعہ میں حکومت کیخلاف سخت تقریر کر کے فلاں فلاں جرم کا ارتکاب کیا ہے، میں نے چھٹی کا لیٹر دکھایا کہ میں تو اس دن پاکستان میں تھا ہی نہیں۔ میں نے وہ جمعہ حرم شریف میں پڑھا تھا تو پھر میں مجرم کس طرح بن گیا؟ یہ سن کر جج صاحب لاجواب ہو گئے اور مجھے بری کر دیا۔

ایک مرتبہ جمعہ کے خطبہ پر عدالت نے مجھے پھر طلب کر لیا کہ آپ نے فلاں تاریخ کے جمعہ میں حکومت کیخلاف تقریر کی ہے۔ میں عدالت میں حاضر ہوا اور جج صاحب کو بتایا کہ مجھ پر الزام ہے کہ میں نے فلاں تاریخ کو جمعہ میں خلاف قانون سخت لہجہ میں تقریر کی ہے یہ مذکورہ تاریخ جمعہ کی نہیں بلکہ بدھ کے دن کی تاریخ ہے اور میں نے کبھی جمعہ کے علاوہ کسی دن جمعہ کی نماز نہیں پڑھائی۔ جج صاحب یہ سن کر خاموش ہو گئے اور مجھے بری کر دیا۔

چونکہ حکومتی حلقوں کو ان کی کمزوریوں اور غلط کاموں پر آپ متنبہ کرتے رہتے تھے

،جس کی وجہ سے آپ حکومتی حلقوں کے دلوں میں کھٹکتے رہتے تھے۔ مرکزی جامع مسجد کے منبر ومحراب اور خاص طور پر حضرت اقدس کی خطابت کو میڈیا والے بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے، اور وہاں کی ہر تقریر کو وہ ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے اس لئے حکومتی ارکان کوئی نہ کوئی بہانہ تراش کر حضرت کو مرکزی جامع مسجد کی امامت اور خطابت سے ہٹانیکی کوشش کرتے رہتے تھے، کئی دفعہ اسلام آباد کی دیگر چھوٹی مساجد میں آپ کا تبادلہ ہوا لیکن آپ نے ہمت اور جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مرکزی جامع مسجد کو نہ چھوڑا اور نہ آپ کے معتقدین اور مقتدیوں نے آپ کو مرکزی جامع مسجد سے جانے دیا، کبھی کبھار آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے تنخواہ دو یا نہ دو ہر صورت میں اپنی امامت اور خطابت کو اسی مسجد میں جاری رکھوں گا، چنانچہ آپ کے اس پختہ عزم اور لوگوں کے احتجاج کے سامنے ہر دور کی حکومت بے بس نظر آتی اور آپ کو نہ چاہنے کے باوجود بھی کچھ نہ کرسکی۔

قبرستان والی مسجد میں تبادلہ:

ایک دفعہ آپ کو حکومت کی طرف سے ایک خط موصول ہوا، آپ نے جب خط کھول کر دیکھا تو اس میں قبرستان والی مسجد میں تبادلہ کا پروانہ تھا یہ اسلام آباد کے قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے خط پڑھ کر مسکراتے ہوئے آپ نے جیب میں ڈال دیا اور فرمانے لگے کہ ''میرا تبادلہ فلاں مسجد میں کر دیا گیا ہے۔ پھر ازراہِ تفنن فرمانے لگے کہ اب تک تو میں زندوں کو خطاب کرتا رہا اور اب حکم ملا ہے کہ میں مُردوں کو بھی خطاب کروں تاکہ وہ بھی مستفید ہوں''!

مرکزی جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے پر پابندی

حضرت شہیدؒ کا متعدد بار تبادلہ ہوا اور لوگوں کے احتجاج اور حضرت کے عزم کے سامنے ہر بار حکومت خود ہی اپنا آرڈر واپس لیتی رہی، جب یہ حربہ ناکام ہوا تو حکومت نے ایک مرتبہ تبادلہ کے ساتھ ساتھ آپ پر یہ پابندی بھی لگادی کہ آپ آئندہ جمعہ کی نماز

مرکزی جامع مسجد میں نہیں پڑھا سکتے۔ یہ بھٹو حکومت کا دور تھا اور جمعہ پڑھانے کی صرف پابندی ہی نہیں لگائی گئی بلکہ جمعہ کے دن مرکزی مسجد کے چاروں طرف پولیس کی بھاری نفری بھی تعینات کردی گئی۔ لیکن نفس پرست حکمران حق کی قوت سے آشنا نہ تھے، ادھر حضرت شہیدؒ نے بھی مصمم ارادہ فرما لیا تھا کہ میں نے جمعہ کی تقریر انشاء اللہ العزیز مرکزی مسجد ہی میں کرنی ہے اور نماز بھی میں نے خود ہی پڑھانی ہے اور اخبار میں بھی بیان دیا کہ کل مرکزی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز میں خود ہی پڑھاؤں گا۔ مرکزی مسجد کے ساتھ ہی متصل بائیں طرف ایک بڑا جمعہ بازار لگتا تھا جو آج کل اتوار کے دن لگتا ہے جب کہ اس دور میں جمعہ کے دن لگا کرتا تھا کیونکہ اس زمانے میں جمعہ کے دن چھٹی ہوا کرتی تھی چنانچہ آپ اپنے خاص معتمد ساتھی جناب حاجی شعیب صاحب کے گھر تشریف لے گئے۔ جمعہ کے وقت سے کچھ دیر پہلے حاجی صاحب کے ساتھ جمعہ بازار کی طرف نکلے اور حضرت اقدس نے ایک ٹوپی والا لمبا برقعہ پہن کر اپنے پورے جسم کو اس طرح ڈھانپ لیا تھا کہ بدن کا کوئی حصہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا اور حاجی صاحب کے ہاتھ میں پلاسٹک کی ٹوکری تھی جو بازار سے سودا سلف لانے کیلئے استعمال ہوتی ہے آپ حاجی صاحب کے ساتھ کچھ دیر تک بازار میں گھومتے رہے اور کچھ خریداری بھی کی اس کے بعد مسجد کا رُخ کیا اور کسی دوسری طرف توجہ ہی نہ کی چنانچہ آپ اپنی زبان پر کلام پاک کی تلاوت جاری رکھتے ہوئے مسجد کے ایک چھوٹے دروازے سے اندر داخل ہوئے جبکہ صبح سے مسجد کے چاروں طرف پولیس کا سخت پہرہ تھا۔ پولیس والوں کے پوچھنے پر حاجی صاحب نے کہا کہ اس بوڑھی کو پانی پلانا ہے۔ جس پر پولیس نے اجازت دیدی۔ حاجی صاحب مولانا کو لئے وضو کی جگہ تک پہنچ گئے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے پولیس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور آپ نے مسجد کے ہال کے اندر داخل ہوتے ہی برقعہ اتار دیا جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو مرکزی مسجد نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی اور لوگوں کے نعروں نے پولیس والوں کو حیران کر دیا ،آپ کے منبر پر پہنچنے تک نوجوانان اسلام نے مسجد کو نعروں سے مزین رکھا لیکن حضرت

اقدس نے جب منبر پر بیٹھ کر ہاتھ بلند کر کے خاموش رہنے اور مسجد کے تقدس کا خیال رکھنے کا حکم دیا تو ایسی خاموشی چھا گئی جیسے مسجد میں کوئی بھی موجود نہیں ہے، اس کے بعد مرکزی مسجد کے منبر سے حضرت کی پراثر آواز ''الحمدللہ وکفیٰ'' کے الفاظ کے ساتھ فضا میں بلند ہوئی تو سینکڑوں پولیس اہلکار اپنے افسران سمیت ششدر رہ گئے کہ یہ کیا ہو گیا؟ پھر آپ نے میانہ روی کو سامنے رکھتے ہوئے بڑے پیار سے ناصحانہ انداز میں تقریر کی، اور جمعہ کی نماز بھی پڑھائی۔

بھٹو دور میں معطّلی کا ایک اور واقعہ:

ذوالفقار علی بھٹو کے زمانے میں ایک دفعہ آپ کو معطل کیا گیا تو آپ جمعہ کی نماز پڑھانے کے بعد کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ آپ تمام حضرات تشریف رکھیں میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں یہ بات میں نے تقریر میں کسی حکمت کے تحت نہیں کہی تھی پھر فرمانے لگے کہ آپ میں سے سب نہیں تو اکثر لوگ سرکاری ملازم ہوں گے، آپ حضرات سے پوچھتا ہوں کہ کوئی ڈپٹی سیکرٹری ہو یا سیکشن آفیسر ہو، آئی جی ہو یا سیکرٹری ہو یا معمولی چپڑاسی یا ملازم ہو اس کو ادارہ یا حکومت معطل کر دے تو کیا وہ ملازم معطل ہونے کے بعد ایک منٹ بھی اپنی سرکاری کرسی پر بیٹھ کر کوئی کام انجام دے سکتا ہے؟ اور اگر کام کر دیا تو وہ قابل قبول سمجھا جائے گا؟ حاضرین نے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ آپ کو معلوم ہے کہ مجھے مرکزی جامع مسجد کی امامت اور خطابت سے معطل کر دیا گیا ہے اور آرڈر میری جیب میں ہے لیکن میں نے تقریر بھی کی، اور نماز جمعہ بھی پڑھائی اور آپ لوگوں نے میری اقتداء میں نماز پڑھ لی تو کیا آپ لوگوں کی نماز ہو گئی؟ سب یک زبان ہو کر کہنے لگے کہ جی ہاں ہماری نماز ادا ہو گئی پھر حضرت فرمانے لگے کہ عجیب بات ہے کہ ابھی آپ حضرات کہہ رہے تھے کہ معطل شدہ ملازم نہ تو کوئی ڈیوٹی دے سکتا ہے اور نہ اس کا کوئی کام قابل قبول ہے اور اب کہہ رہے ہیں کہ نماز ادا ہو گئی۔ اب سب خاموش ہو گئے............ پھر حضرت خود ہی فرمانے لگے کہ مسئلہ تو یہی ہے کہ آپ سب کی نماز ادا ہو گئی یہ منبر رسول ہے

منصب امامت ہے اس منبر کی نسبت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے اس کی نسبت حکومت کی طرف نہیں ہے، اس لئے اس منصب سے کوئی حکومت اور کوئی طاقت اپنی قوت کے بل بوتے پر کسی کو ہٹا نہیں سکتی۔ جب تک کہ شریعت مطہرہ کی رو سے وہ عزل کا مستحق نہ بنے، ہم اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اس منصب کے قابل ہی نہ رہیں تو اور بات ہے ورنہ اس منصب سے کوئی کسی کو محروم نہیں رکھ سکتا۔ میں حکومت کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ تمہارا آرڈر یہ پڑا ہے آ کر لے جاؤ۔ میں تو دین بیان کرتا رہوں گا اللہ تعالیٰ مجھ سے دین کی اشاعت کا کام لے رہے ہیں، یہی میرا مقصد زندگی ہے مجھے تمہاری تنخواہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس تقریر کے بعد ابھی دوسرا جمعہ نہیں آیا تھا کہ حضرت کو حکومت کی جانب سے ایک اور خط موصول ہوا جس میں یہ حکم تھا کہ آپ کے معطل کرنے کا حکم واپس لے لیا گیا ہے آپ کو اپنے منصب پر دوبارہ بحال کیا جاتا ہے۔

یہ تو چند واقعات ہیں ان کے علاوہ بھی آپ پر انتہائی کٹھن اور مشکل حالات آئے ہیں لیکن آپ کی جرأت اور استقامت قابل رشک ہی نہیں بلکہ علماء اور طلباء کے لئے مشعل راہ بھی ہے جس کو اپنانا اس دور میں ہر طالب علم اور عالم دین کے لئے ضروری ہے۔

باطل پرست حکومتوں کے خلاف آواز اور حضرت کا اغواء

حضرت شہیدؒ کی زندگی ایک تحریکی اور انقلابی قسم کی زندگی تھی، باطل فرقوں، خودغرض اور باطل حکومتوں کی آنکھوں میں آپ کانٹے کی طرح کھٹکتے تھے، مرکزی جامع مسجد کے منبر سے نکلنے والی آپ کی پرزور اور پراثر گرجدار آواز ان کے لئے شمشیر بے نیام کا کام کرتی تھی، حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الايمان۔(الحدیث)

ترجمہ: جوتم میں سے کسی برائی کو دیکھے تو چاہئے کہ
اس کو ہاتھ سے تبدیل کر دے اگر اس کی طاقت نہیں
تو اپنی زبان سے تبدیل کر دے اور اگر اس کی بھی
طاقت نہیں تو دل سے اس کو برا سمجھے، اور یہ ایمان کا
ادنیٰ درجہ ہے۔

حکومت کے غلط کاموں کو ہاتھ سے روکنا تو ممکن نہیں ہے، یہ تو حکومت کا کام ہے کہ وہ ناجائز امور اور غلط کاموں کا سد باب کرے، البتہ ایسے غیر شرعی کاموں کے خلاف آواز اٹھائی جاسکتی ہے، عوام اور خاص طور پر علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ زبان کے ذریعے ان تمام غیر شرعی کاموں کے خلاف آواز بلند کریں جو شریعت کے خلاف ہیں، خواہ وہ عوام کی طرف سے ہوں یا حکومت کی طرف سے۔ حضرت شہیدؒ بھی خلاف شرع امور میں حکومت کو برملا ٹوکتے تھے لیکن حضرت شہیدؒ کا انداز بیاں ایسا ہوتا تھا کہ حکمت کے ساتھ حق بات کہنے کا فرض نہایت احسن طریقے سے پورا فرماتے تھے مثلاً ایک دفعہ بھٹو مرحوم نے دعویٰ سے کہا تھا کہ میری کرسی بہت مضبوط ہے اور میری پارٹی بھی سب سے بڑی پارٹی ہے۔ جواب میں حضرت نے فرعون کے دعویٰ کی تمثیل دیتے ہوئے فرمایا کہ فرعون بھی کہتا تھا کہ میری کرسی بہت مضبوط ہے اور میری پارٹی بھی بڑی مضبوط ہے اور میں ناقابل شکست ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو دریا میں غرق کر کے نشان عبرت بنا دیا۔

یہی وجہ تھی کہ خود پسند اور خود بین حکمران حضرت کو گاہے بگاہے مختلف انداز میں تکالیف دے کر اپنے دل کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے رہتے، لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ بہادری، شجاعت، بے خوفی اور حق گوئی پر استقامت کس چیز کا نام ہے؟

اس سلسلے میں ایک مرتبہ آپ کو اغوا بھی کیا گیا، اغواء کا قصہ کبھی کبھی آپ خود بھی سنایا کرتے تھے۔ ایک بار چند ساتھیوں کے پوچھنے پر آپ نے وہ واقعہ سناتے ہوئے فرمایا:

حضرت شہید کا اغواء:

''۱۳مارچ ۱۹۷۵ء کی شام کے وقت عصر کی نماز سے کچھ دیر پہلے چند نوجوان ایک سفید کار میں میرے گھر آئے اور ایک شرعی مسئلہ پوچھنے کے بہانے مجھے گھر سے باہر بلوایا، اور بتایا کہ مسئلہ کافی لمبا ہے اس لئے آپ گاڑی میں تشریف رکھیں تاکہ تفصیل سے مسئلہ کی تفصیلات سے ہم آگاہ ہوسکیں، میں ان کی گاڑی میں بیٹھ گیا بیٹھتے ہی انہوں نے کوئی دوائی مجھے سنگھانے کی کوشش کی، میں سمجھ گیا کہ ان کا مقصد کچھ اور ہے، میں نے قدرے دفاع کرتے ہوئے ہاتھ مار کر اسے گرادیا اور ان کے ساتھ بھرپور مزاحمت کی جس کی وجہ سے ان کی گاڑی کا ایک شیشہ بھی ٹوٹ گیا۔لیکن وہ پانچ آدمی تھے سارے نوجوان اور طاقتور قسم کے جوان تھے اوران کے پاس اسلحہ بھی تھا۔کافی کوشش کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ میں قابو میں نہیں آرہا تو ان سے ایک شخص (صوفی غلام مصطفیٰ جس کو بعد میں بھٹو کے ساتھ پھانسی ہوئی تھی) نے پستول دکھا کر مجھے مزاحمت کرنے سے روکا۔اس کے بعد انہوں نے میرا سر نیچے کی طرف دبا دیا پھر میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر دونوں ہاتھوں کو پیچھے لے جاکر کمر پر باندھ دیئے۔اسی حالت میں میں نے ان سے کہا کہ عصر کی نماز کا وقت ہے مہربانی کرکے مجھے نماز پڑھنے دیں، وہ کہنے لگے کہ ہاں ہم بھی مسلمان ہیں آپ کوضرور نماز پڑھنے کا وقت دیا جائے گا ، لیکن موقع نہ دیا گیا ، بہرکیف! اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں باوضو تھا، دوران سفر ہی اشاروں کے ساتھ نماز ادا کرتا رہا، اور تمام سفر میں قرآن کریم

کی تلاوت میں مشغول رہا،تقریباً پانچ گھنٹوں کے بعد انہوں نے گاڑی ایک جگہ کھڑی کردی،اور مجھے ایک اندھیرے کمرے میں بند کردیا وہاں میں نے ان سے قضائے حاجت کا تقاضا کیا تو وہ کہنے لگے کہ کپڑوں میں ہی کردو، میں نے کہا نہیں ان کپڑوں میں تو میں نے نمازیں پڑھنی ہیں، کچھ دیر بعد انہوں نے میرے ہاتھ کھول دیئے اور بیت الخلاء میں لے گئے۔ جب میں قضائے حاجت سے فارغ ہوا تو میرے ہاتھ دوبارہ باندھ دیئے گئے میں نے تمام نمازیں اسی حالت میں ادا کیں۔ اس کے بعد جب کھانے کا وقت ہوا تو میرے پاس کھانے کے لئے کچھ لے کر آ گئے ، چونکہ میرے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے اس لئے انہوں نے اپنے ہاتھوں سے ہی مجھے کھانا کھلایا،اس حالت میں مجھے الحمدللہ سکون کے ساتھ نیند بھی آ جاتی ، وہ مجھے دیکھ کر حیران بھی ہوجاتے کہ ہم اس کو جان سے مارنے اور قتل کرنے کی دھمکیاں دے رہے ہیں اور یہ آرام کے ساتھ سکون سے سو رہا ہے، اس کو تو اپنی جان کی بھی فکر نہیں ہے اور کوئی پرواہ بھی نہیں ہے۔

ظالموں کا ایک بھیانک مشورہ:

اس کے بعد جس بھیانک مشورے میں وہ مشغول ہوئے اُسے سن کر میرے اوسان خطا ہوگئے۔ میں نے فوراً استغفار پڑھ لیا اور الحاح وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگ لیں وہ آپس میں یہ مشورہ کررہے تھے کہ میری ڈاڑھی صاف کردی جائے ، میں فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگیا اور التجاء کردی ، یا

رب ! آج تک اس سنت رسول (ﷺ) کی حفاظت کی اب میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں میں تو مجبور ہوں تو ہی اپنی قدرت دکھا ، اور ان کو اس عمل سے باز رکھ ۔اے اللہ تو اپنے محبوب نبی کی سنت کی حفاظت فرما، اور اس کے بعد میں مسلسل قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول رہا،تھوڑی دیر کے بعد وہ اٹھے اوران میں سے ایک آدمی داڑھی منڈانے کا سامان اٹھا کر لے آیا، سامان دیکھ کر میری توجہ باری تعالیٰ کی طرف مزید مبذول ہوگئی،اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی مجھ پر کرم فرمایا اوراپنی قدرت کا ایسا کرشمہ دکھایا کہ جس کا میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کسی اور کام کی طرف منتقل کردیئے ، وہ لوگ قینچی اوراسترا ہاتھوں میں اٹھائے کسی گفتگو میں ایسے مشغول ہوگئے کہ باتیں کرتے کرتے وہ اس کمرے سے باہر نکل گئے ، میں نے اپنے رب کا شکرادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دماغوں کو کسی اور جانب پھیر دیا ، وہ اس میں مشغول ہوگئے ، میری ڈاڑھی کی اللہ تعالیٰ نے اس طرح حفاظت فرمائی ، میرے اللہ ! تیری کیا نرالی شان ہے؟

میٹھی نیند:

اس کے کچھ دیر بعدانہوں نے مجھے ایک کرسی پر بیٹھایا پھر ایک چار پائی لائی گئی اور مجھے اس پر لٹا کر ایک رسی کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دیا اور بجلی کے کرنٹ والی ننگی تاریں میرے چہرے کے بالکل قریب کردیں اورایک پستول میں میرے سامنے ہی گولیاں بھر دی گئیں پھر پستول کو میری چھاتی کے اوپر

رکھ دیا، اور مختلف قسم کے سوالات کرنا شروع کر دیئے۔ ان کے انداز سے مجھے ایسا لگا کہ اب تو یہ مجھے شہید کر دیں گے لیکن الحمد للہ مجھے کوئی خوف یا ڈر نہ لگا بلکہ مجھے خوشی ہوئی اور میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کیوں کہ شہادت تو میری دلی تمنا تھی، جو میرے خیال میں اب پوری ہونے والی تھی۔

مجھ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم تھا خوف اور ڈر کا وقت تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے قلب میں اطمینان اور سکون بھر دیا تھا۔ بجلی کی ننگی تاریں میرے چہرے کے قریب تھیں، پستول سینے پر رکھا ہوا تھا، تفتیش کا انداز انتہائی غضبناک تھا۔ جان سے مارنے کی دھمکیاں دی جارہی تھیں، جبکہ مجھے شہادت کی تمنا تھی خوشی حاصل ہورہی تھی کہ آج یہ دلی تمنا پوری ہونے والی ہے، محبوب سے ملاقات کا وقت آنے والا ہے۔ رات کا سناٹا تھا، پھر بھی دل اطمینان اور سکون کی نعمت سے لبریز تھا، دل میں شہداء کرام کے درجات تھے، زبان پر کلمۂ طیبہ اور درود شریف کا مسلسل ورد جاری تھا،

؎ نقش ہیں سب نا تمام خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

لیکن عجیب بات یہ تھی کہ اس حالت میں مجھے گاہے گاہے نیند بھی آجاتی تھی، جب میں سونے لگتا تو وہ میرے سر پر کھڑے ہو کر ایک دوسرے کے سامنے حیرانگی کا اظہار بھی کرتے رہتے تھے، اور مجھے جگا کر ڈرانے دھمکانے کی کوشش بھی کرتے تھے، پھر سوال کا سلسلہ شروع کر دیتے، ان میں ایک آدمی کہنے لگا

مولانا صاحب ! ننگی تاریں آپ کے چہرے کے قریب ہیں پستول چھاتی پر ہے گویا کہ موت آپ کے سر پر کھڑی ہے، اور آپ کو اس حالت میں نیند آ رہی ہے، یہ تو آج ہم نے عجیب بات دیکھی، میں نے ان سے کہا کہ ہاں مجھے نیند آ رہی ہے اور اس کی وجہ مجھے بھی معلوم نہیں ہے، مجھے تم سے ذرہ بھر بھی خوف نہیں ہے، اگر تم مجھے مار ڈالو گے تو میں شہید ہو جاؤں گا، شہادت تو میری دلی تمنا ہے مجھے خوشی ہوگی۔

ے مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا اللہ
سایۂ شمشیر میں اس کی پنہ لا اللہ

اغواء کی وجہ:

اسی دوران ایک شخص نے زوردار اور غضبناک انداز میں کہا کہ مولانا صاحب ! آپ کو اپنی جان اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی جان پیاری ہے یا نہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں مجھے اپنے بچے پیارے ہیں اور اس کا کون انکار کرتا ہے، تم جو اصل بات پوچھنا چاہتے ہو وہ پوچھ لو میں بتا دوں گا، وہ کہنے لگے کہ محترم ذوالفقار علی بھٹو کی اہلیہ نصرت بھٹو کی امریکی صدر کے ساتھ ڈانس کرنے کی تصویر آپ کو کہاں سے ملی تھی اور اب وہ کہاں ہے؟ میں نے ان کو ٹھیک ٹھیک جواب دیا اور وہ جگہ بھی بتلا دی جہاں سے وہ تصویر مجھے ملی، پھر وہ کہنے لگے کہ آپ نے جمعہ کے دن اس کے خلاف تقریر کیوں کی؟ میں نے جواب دیا کہ مجھے یہ بات بہت بری لگی کہ مسلمانوں کا حکمران امریکی صدر کی بیوی کے ساتھ ڈانس کرے اور اس کی بیوی امریکی صدر کے ساتھ ڈانس کرے، یہ

حرکت ان کو زیبا نہیں دیتی یہ مسلمانوں کی تہذیب کے سراسر خلاف ہے اور یہ بات میں نے حکمت کے انداز میں ضرور کی ہے میں نے کوئی گالی نہیں دی، یہاں تک کہ میں نے بھٹو صاحب کا نام بھی نہیں لیا اور اتنا کہنے کا میں حق رکھتا ہوں میں نے شرافت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا اور مسجد میں بھی میں نے وہ فوٹو کسی اور کو نہیں دکھایا تھا۔ اس کے بعد وہ فوٹو مجھ سے چند اور ساتھیوں نے لے لیا اور کسی طرح یہ فوٹو سیاسی لوگوں کے ہاتھ لگ گیا اور انہوں نے اس کو بہت اچھالا، اس میں میرا کیا قصور ہے؟ اس کے بعد انہوں نے مجھ سے کچھ تحریر لی اور اس پر دستخط کروائے اور میرے ہاتھ پاؤں کھول دیئے، اس کے بعد مجھے مزید دو دنوں تک اس کال کوٹھڑی میں قید رکھا گیا اور جب تیسری رات مجھے یقین ہو گیا کہ یہ لوگ اب مجھے شہید نہیں کریں گے اور مجھے چھوڑ دیں گے تو رات بھر مجھے نیند ہی نہیں آئی۔ اس انتظار میں تھا کہ یہ لوگ کب مجھے چھوڑیں گے، کب میں گھر پہنچوں گا اور بچوں سے ملوں گا۔ یہ بات بڑی عجیب تھی کہ جب موت سر پر منڈلا رہی تھی تو نیند خوب آ رہی تھی اور جب آزادی اور بچنے کا یقین ہو گیا تو نیند سرے سے اڑ گئی، کوشش کے باوجود نیند نہ آئی۔

اور رہائی مل گئی:

جب میرے اغواء ہونے کی خبر پھیل گئی تو پورے ملک میں تشویش کی لہر دوڑ چکی تھی اور ملک میں مظاہرے شروع ہو چکے تھے خصوصاً حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ جو مجھ پر ہمیشہ انتہائی شفقت فرماتے تھے انہوں نے جمعہ کے دن حکومت کو

الٹی میٹم دیا کہ مولانا عبداللہ صاحب اگر ایک دو دن میں نہ آئے تو حکومت کا گھیراؤ کیا جائیگا اور اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے یہ صورت بھی پیدا کردی کہ حکومت کے ایک بڑے آفیسر نے ایک بزرگ عالم دین کو نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتلا دیا کہ مولانا عبداللہ صاحب کوایف ایس ایف کے اہلکاروں نے اغواء کیا ہے اور مولانا صاحب اس وقت حکومت کے پاس ہیں۔حکومت کا اصل مقصد تو مجھے اس طرح شہید کرنا تھا کہ کسی کو معلوم ہی نہ ہو کہ کس طرح شہید کردیا گیا ہے لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے ،اللہ تعالیٰ جب بچانا چاہتے ہیں تو اس کے اسباب خود ہی پیدا فرمالیتے ہیں جب مذکورہ آفیسر کے ذریعے حکومت کا راز فاش ہوگیا تو علماء کرام خاص طور پر حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ نے حکومت کو چند دن کا الٹی میٹم دیدیا اور کہا کہ ہمیں معلوم ہوگیا کہ مولانا صاحب حکومت کے پاس ہیں اگر ان کو کچھ ہوا تو میں کسی وزیر کی زندگی کی ضمانت نہیں دے سکتا۔ چنانچہ حکومت کو جب اس کا اندازہ ہوا کہ اس کا راز فاش ہو چکا ہے اور علماء کرام اور عوام مشتعل ہیں تو انہوں نے مجبورا مجھے چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور مجھ پر سختی بھی نسبتاً کم کردی اور اس کے بعد زبردستی مجھ سے ایک تحریر لکھوائی گئی کہ میں حکومت وقت کیخلاف آئندہ کچھ نہیں کہوں گا پھر تھوڑی دیر بعد خود ہی کہنے لگے کہ اس تحریر کے بعد کتنے دنوں میں آپ اس کی خلاف ورزی شروع کردینگے؟ میں نے جواب دیا کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوگی ویسے ہی ہوگا۔ چنانچہ رات کے آخری پہر سے کچھ پہلے میری آنکھوں پر دوبارہ پٹی باندھی گئی ،اور میرے ہاتھ اس لئے نہیں باندھے گئے کہ

مسلسل بندھے رہنے سے بہت زیادہ سوج گئے تھے پھر مجھے ایک گاڑی میں بٹھایا گیا، اور رات کے اس اندھیرے میں دور کسی جنگل میں پھینک کر چلے گئے، یہ بہت بڑا وسیع وعریض جنگل تھا جہاں مجھے چھوڑا گیا تھا اس کے سامنے ایک بہت بڑا بارانی تالاب تھا، اور آس پاس ہر طرف جنگل ہی جنگل تھا اس وسیع وعریض اور گھنے جنگل میں سوچ بچار کر کے میں ایک طرف چل پڑا، کافی دیر چلنے کے بعد مجھے کچھ روشنی نظر آئی، یہ ایک مختصر سی بستی تھی جب میں بستی میں داخل ہوا تو فجر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا پہلے میں نے نماز ادا کی اس کے بعد اس بستی کے ایک آدمی سے پوچھا کہ یہ کونسا علاقہ ہے وہ کہنے لگا کہ یہ منڈی بہاؤالدین کی ایک دورافتادہ بستی ہے، بہر حال لوگوں سے راہنمائی لے کر میں کسی طرح ایک بس اسٹاپ تک پہنچ ہی گیا اور بس میں بیٹھ کر منڈی بہاء الدین شہر تک پہنچ گیا، پھر وہاں سے بذریعہ بس اسلام آباد پہنچ گیا۔ جب میں مرکزی جامع مسجد پہنچا تو مسجد میں کثیر تعداد میں علماء کرام اور عوام جمع تھے اور انتہائی پریشان نظر آرہا تھے کیوں کہ ان کو میرے متعلق کچھ معلوم نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں زندہ بھی ہوں یا نہیں۔

کون سی وادی میں ہے کون سی منزل پہ ہے
عشق بلا خیز کا قافلۂ سخت جان

چنانچہ لوگوں نے جب مجھے صحیح سلامت دیکھا تو انتہائی خوش ہوئے اور سب اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرر ہے تھے۔ مغرب کا وقت تھا میں نے نماز پڑھائی اور درس قرآن دیا اور اس کے بعد لوگوں کے سامنے مختصر انداز میں اپنا واقعہ بیان کیا، اور سب نے اللہ

تعالیٰ کا شکرادا کیا،جس نے ہمیں دشمن کے ہاتھوں سے صحیح سلامت بچا کراپنے گھر تک پہنچا دیا۔وللہ الحمد علیٰ ذٰلک۔

؎ جس حال میں جینا مشکل ہے
اس حال میں جینا لازم ہے

محدث عصرحضرت شیخ بنوری رحمہ اللہ کی دعائیں:

حضرت شہیدؒفرماتے تھے کہ جب میں نے یہ واقعہ اپنے شیخ اوراستاد محدث عصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے سامنے بیان کیا اور نیند کی وہ کیفیت بتلائی تو استاذ محترم فرمانے لگے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

" اذ یغشیکم النعاس أمنة منه " (سورۂ انفال آیت/۱۱)

میدان جنگ میں نیند اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانی ہوتی ہے اور یہ بھی اسی قبیل سے ہے اور حضرت نے مجھے بہت تسلیاں دیں اور حکمت وبصیرت کے ساتھ دین متین کی محنت میں کوشاں رہنے کی نصیحت کی ،اور جی بھر کر مجھے دعاؤں سے بھی نوازا،اللہ تعالیٰ حضرت کی قبر کو نور سے بھر دے(آمین)

تحریک ختم نبوت:

علماء ومشائخ کا مقدس گروہ نہایت نامساعد اور حوصلہ شکن حالات میں بھی ہمیشہ اسلام کا پرچم بلند کرنے میں کوشاں رہا ہے یہ علمائے حق اور مشائخ عظام ہی کا نورانی گروہ تھا جس نے دین اسلام کے خلاف کی جانے والی تمام سازشوں اور فتنوں کا قلع قمع کیا ان بڑے فتنوں میں سے ایک مرزائیت کا فتنہ ہے جس کی ساری عمارت جھوٹ ،فریب اور دھوکے کی بنیاد پر قائم ہے انگریزوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی غلامی میں رکھنے کے لئے اور ان کے دلوں سے جذبۂ جہاد ختم کرنے کی خاطر ہر طرح سے کوششیں کیں۔اس مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے انہوں نے اپنے ایک زرخرید ایجنٹ مرزا غلام احمد قادیانی کے ذریعہ سرزمین ہند میں قادیانیت کا شجرِ خبیثہ بودیا،جس نے ان کی

سرپرستی میں ناموس رسالت اور قصرِ ختم نبوت میں نقب لگانے کی مکروہ سازش کی، اور جہاد کی منسوخی کا اعلان کردیا۔

اس خطرناک سازش کا علمائے دیوبند نے خاص طور پر آگے بڑھ کر مقابلہ کیا اور ناموس رسالت اور مسئلہ ختم نبوت کے لئے اپنی متاع زیست کو وقف کردیا۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے اس فتنے کا علمی محاسبہ کیا اور حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی قیادت میں تحفظ ختم نبوت کی عظیم تحریک چلی جس میں پچاس ہزار سے زائد غلامانِ رسول نے ناموسِ رسالت کے لئے اپنی جانیں نچھاور کردیں، بالآخر ۱۹۷۴ء کے آخر میں محدث عصر مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اور مفکر اسلام مفتی محمود رحمہ اللہ نے تمام مکاتب فکر کی قیادت کرتے ہوئے اسلام کے خلاف اس خطرناک سازش کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن کردیا اور آئین پاکستان میں بھی قادیانیت کو اسلام سے خارج کروادیا۔

تحریک ختم نبوت میں حضرت شہیدؒ کا کردار:

۱۹۷۴ء کے اوائل میں حضرت شہیدؒ نے تحریک ختم نبوت میں مکمل طور پر شمولیت اختیار کرلی، اور صف اوّل کے مجاہد بن کر اس سازشی اور باطل جماعت کے خلاف سینہ سپر ہوگئے، محدث عصر حضرت بنوری رحمہ اللہ اور مفکر اسلام مفتی محمود رحمہ اللہ حضرت شہیدؒ سے بہت محبت کرتے تھے اور انہی کی دعاؤں اور توجہ کی وجہ سے آپ کے اندر توکل، شجاعت اور مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت کے خلاف جہاد کا جذبہ جیسے اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے۔

تحریک ختم نبوت میں شرکت اور مرزائیت کے خلاف مرکزی جامع مسجد سے بھرپور آواز اٹھانے کی پاداش میں ۱۹۷۴ء میں تقریباً پانچ دفعہ آپ کو گرفتار کیا گیا، اور ہر بار راولپنڈی سنٹرل جیل کے علاوہ جہلم، فیصل آباد اور ہری پور کی جیلوں میں محبوس رکھا گیا، بالآخر ے ستمبر ۱۹۷۴ء کو پورے ملک کے علماء کرام، طلبہ اور عوام کی جدوجہد اور قربانیوں کے نتیجے میں ختم نبوت کا مسئلہ حل ہوگیا اور حکومت نے مرزائیوں کو باقاعدہ طور پر پاکستان کے

قانون میں کافر تسلیم کرلیا، اور قومی اسمبلی نے یہ فیصلہ سنایا" جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (جو کہ آخری نبی ہیں) کے خاتم النبین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے وہ آئین اور قانون کے لحاظ سے مسلمان نہیں ہے"۔

اس وقت تک حضرت شہیدؒ جیل کے اندر ہی تھے اور بعد میں حضرت شہید کو رہائی ملی، حضرت شہیدؒ خود ہی فرماتے ہیں کہ:

> ''یہ پہلا موقع تھا کہ جیل کے اندر ہونے کی وجہ سے رمضان المبارک میں قرآن کریم بھی نہ سنا سکا، بہرحال مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ کم از کم پاکستان کے آئین میں تو اس فتنے کا قلع قمع ہوگیا اور یہ فیصلہ قانون کا حصہ بنا ورنہ اس سے پہلے قادیانی قانون کے اعتبار سے حکومت کی نظروں میں مسلمان تھے۔''

جنرل ضیاء الحق اور تحریک ختم نبوت:

ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ حکومت میں مرزائیوں کو کافر تسلیم کرلیا گیا تھا، لیکن وہ اب بھی اپنے آپ کو مسلمان کہلواتے تھے، ان کی عبادت گاہیں باقاعدہ طور پر بند نہیں ہوئی تھیں۔ وہ اپنی عبادت گاہ کو مسجد کے نام سے پکارتے تھے اس کیلئے مسجد کی طرح مینار بھی بنایا جاتا تھا پابندی سے اذان بھی دی جاتی تھی اور وہ مسلمانوں جیسی اصطلاحات بھی استعمال کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کی مزید سرکوبی کرنے کی ضرورت تھی، حضرت شہید سمیت تحریک ختم نبوت کے دیگر مشائخ عظام رحمہم اللہ کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح ان کی ان خفیہ سرگرمیوں، عبادت گاہوں، دوسرے مراکز اور وہ اصطلاحات جو مسلمان استعمال کرتے ہیں ان سب کے استعمال کرنے پر پابندی لگ جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں متعدد بار ان کی ملاقاتیں جنرل ضیاء الحق مرحوم سے بھی ہوئیں اور انہوں نے اپنی کوشش مسلسل جاری رکھیں یہاں تک کہ ان کے دور میں ہی یہ قانون بھی باقاعدہ طور پر پاس ہوگیا کہ

''پاکستان میں نہ تو قادیانی کوئی مسجد بنا سکتے ہیں، نہ وہ
اذان دے سکتے ہیں اور نہ ہی وہ اپنے آپ کو اشارۃً یا
کنایۃً مسلمان کہلوا سکتے ہیں''

ضیاءالحق مرحوم کا قلم:

جس اجلاس میں یہ قانون پاس ہوا تھا اس میں مختلف جماعتوں سے تعلق رکھنے والے علمائے کرام موجود تھے سب کی موجودگی میں یہ فائل مرحوم ضیاءالحق کے سامنے پیش کی گئی تو اس وقت حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ صدر ضیاءالحق مرحوم کے ساتھ ہی تشریف فرما تھے، حضرت فرماتے تھے کہ:

''ان دستاویزات پر جس قلم سے ضیاء الحق مرحوم نے
دستخط کئے تھے وہ قلم برکت کے لئے میں نے مانگ لیا
کیوں کہ اس مبارک قلم سے اتنا بڑا اور اہم قانون پاس
ہوا تھا جس کی نسبت سے یہ قلم نہایت ہی بابرکت ہو گیا
اور اب بھی یہ قلم میرے پاس ہے''

اور آخر عمر تک یہ قلم حضرت ہی کے پاس رہا۔

ہاتھ کس نے چومے اور قلم کون لے اڑا:

حضرت شہیدؒ فرماتے ہیں کہ صدر ضیاءالحق مرحوم ایک نمازی آدمی تھے وہ اکثر مجالس میں باوضو رہتے تھے، اور اس مجلس میں بھی باوضوء تھے، نماز کا وقت آیا تو میں نے اذان دی اور پیر طریقت حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ نے نماز پڑھائی جب سب نماز سے فارغ ہوئے تو نماز کے بعد جماعت اہلحدیث کے ایک بزرگ عالم دین جناب عبدالقادر صاحب روپڑی مرحوم صدر ضیاءالحق سے کہنے لگے کہ آج مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے اور میری خواہش ہے کہ آپ کے اس ہاتھ کو چوم لوں جس سے آپ نے بل پر دستخط کئے ہیں اور یہ کہتے ہوئے جنرل صاحب کی طرف بڑھے تو جنرل صاحب یہ کہتے

ہوئے پیچھے ہٹ گئے کہ میں تو بہت گناہ گار آدمی ہوں میرے ہاتھ آپ کیوں چومتے ہیں۔اس وقت اتفاق سے مولانا شریف جالندھری صاحبؒ وہاں قریب ہی موجود تھے وہ بڑے پیارے انداز میں ازراہِ تفنن فرمانے لگے کہ:

''صدر صاحب! یہ وہابی لوگ ہیں ہاتھ چومنے کے قائل نہیں ہیں، آج انہیں ہاتھ چوم لینے دیں آج ہی ہاتھ چومنے کا انہیں خیال آیا ہے''

پھر مولانا عبدالقادر صاحب روپڑی کی طرف متوجہ ہوکر فرمانے لگے کہ:

''چوم لیں نا اب کیوں نخرے کرتے ہیں ورنہ میں چوم لوں گا''

حضرت شہیدؒ فرماتے تھے کہ میرا قلم لے لینا بعض لوگوں کو پسند نہ آیا چنانچہ کچھ عرصے بعد ایک رسالہ میں ایک مضمون چھپا جس کا عنوان یہ تھا ''ہاتھ کس نے چومے اور قلم کون لے اڑا'' اس کے نیچے یہ بھی لکھا تھا کہ صدر ضیاء الحق صاحب کا قلم بہت قیمتی ہوگا اس لئے مولانا صاحب نے لینے میں پہل کی۔ حالانکہ وہ قلم ایک سادہ سا عام قلم تھا، معمولی قیمت کا تھا میں نے تو صرف برکت کے لئے لیا تھا اور کوئی مقصد نہیں تھا، ایک بہت بڑا تاریخی فیصلہ اس مبارک قلم کے ذریعے ہوا تھا اور کوئی وجہ نہ تھی۔

تحریک نظام مصطفیٰ:

تحریک نظام مصطفیٰ بھی ایک بڑی تحریک تھی اس میں بھی حضرت شہیدؒ کا بڑا اہم کردار تھا اور بڑے پیمانے پر کام کیا۔اس تحریک میں حضرت شہیدؒ کی کوئی گرفتاری وغیرہ عمل میں نہیں آئی البتہ مختلف مساجد اور مدارس میں ترتیب کے ساتھ مسلسل جلسے ہوتے رہتے تھے جن میں علمائے کرام کے بیانات بھی ہوتے اور لوگوں کو اس طرف متوجہ کرتے۔ مرکزی جامع مسجد اسلام آباد اس تحریک کے لئے بھی مرکزی حیثیت رکھتی تھی، اس سلسلے میں اس مسجد میں متعدد مرتبہ جلسے اور کانفرنسیں منعقد ہوئیں، مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب، شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب، حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب اور

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ الحدیث عبداللہ درخواستی صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کے علاوہ تمام علمائے کرام اس سلسلے میں متعدد بار یہاں تشریف لاتے رہے اور حضرت شہیدؒ بھی ان کے مشوروں میں شریک ہوتے۔

مرحوم ضیاءالحق اور نظام زکوٰۃ کا اعلان:

پاکستان کے تمام صدور اور وزرائے اعظم حضرات میں سے مرحوم صدر ضیاءالحق ایسے راہنما ہیں جن کا علماء حق کے ساتھ کافی تعلق اور قرب رہا ہے اور ان کے دورِ حکومت میں کئی اسلامی قوانین بھی بنے، زکوٰۃ کے بارے میں ان کے دور میں جو نظام بنایا گیا تھا اس کا اعلان جنرل ضیاءالحق مرحوم نے بذات خود مرکزی جامع مسجد اسلام آباد میں آ کر جمعہ کی نماز کے بعد کیا تھا، اس موقع پر پاکستانی میڈیا یہ ساری کارروائی براہ راست نشر کر رہا تھا حضرت شہیدؒ فرماتے تھے کہ ابھی قادیانیوں نے مختلف انداز میں اپنی خفیہ سرگرمیاں جاری رکھی ہوئی تھیں اس لئے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جمعہ کی تقریر میں قادیانیوں کے خلاف میں نے کچھ باتیں کیں اور کہا کہ محترم صدر صاحب! آپ موجود ہیں اور اللہ کے فضل وکرم سے اسلامی قوانین کے نفاذ کا آغاز بھی کرنا چاہتے ہیں لیکن میں کہوں گا کہ جب تک آپ کی حکومت میں قادیانی موجود ہیں اسلامی قوانین نافذ نہیں ہو سکتے، پہلے ان سے نجات حاصل کرنا اشد ضروری ہے۔

حضرت شہیدؒ جنرل ضیاءالحق مرحوم کی نیکوکاری کی وجہ سے ان کی بہت قدر کرتے تھے، لیکن جب بھی دین کے خلاف کوئی امر پیش آیا یا کوئی غیر شرعی قانون بنا تو حضرت نے برملا ان کی مخالفت کی اور علی الاعلان ان پر تنقید کی۔

بے نظیر کا دور:

حضرت شہیدؒ کو دھمکیاں تو ہر دور حکومت میں ملتی رہیں لیکن اس مرد مجاہد کی زبان کو کوئی بند نہ کر سکا، اس کے بعد جب بے نظیر بھٹو کا دور آیا تو اس نے بھی اپنے والد کا طریقہ اپنایا اور وہ بھی اسلام اور علمائے کرام کے خلاف برسرِ پیکار رہی، خاص طور پر پولیس کے

ذریعہ حضرت کوجھوٹے مقدمات میں ملوث کر کے کئی بار گرفتار کرنے کی کوشش کرتی رہی اور طاقت کے ذریعہ جھکانے کی مسلسل کوششیں کرتی رہی لیکن اپنے والد کی طرح یہ بھی اس میں ناکام رہی اور حضرت شہید کی حق گوئی میں سرِ موفرق نہ آیا۔

گرفتاری کا ایک بھونڈا انداز:

بے نظیر ہی کے دورِ حکومت میں ان کے ایماء پر ایک مرتبہ مئی ۱۹۹۰ء میں درس قرآن کریم کے بعد تمام نمازیوں کی موجودگی میں مسجد سے اس انداز میں گرفتار کیا گیا جیسے کسی اشتہاری مجرم کو گرفتار کیا جاتا ہے، ان کے اس طرح گرفتار کرنے سے مسجد میں موجود تمام لوگ حیران بھی تھے اور مشتعل بھی۔ گرفتاری کے بعد حضرت کو سخت پہرے میں کہسار تھانے میں تمام رات رکھا۔ لیکن اس بارے میں کچھ نہیں بتلایا گیا کہ حضرت کو کیوں گرفتار کیا ہے؟ اور کہاں رکھا گیا ہے؟ دوسرے دِن صبح دس بجے وہاں سے دس، پندرہ پولیس والوں کی نگرانی میں سینٹرل جیل راولپنڈی لے جایا گیا، جیل کے سپرنٹنڈنٹ نے جب دیکھا تو پولیس والوں سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ انہوں نے بتلایا کہ یہ مرکزی جامع مسجد اسلام آباد کے خطیب مولانا محمد عبداللہ صاحب ہیں، تو وہ کہنے لگا ان کے لئے تو دو پولیس والے ہی کافی تھے ایک پوری فوج ظفر موج کی کیا ضرورت تھی؟ یہ سن کر وہ سب شرمندہ ہو گئے اور خاموش ہو گئے، چند دونوں تک آپ جیل ہی میں رہے، جیل کے اندر معلوم ہوا کہ مدرسے کے چند طالب علموں نے اسلام آباد میں کچھ اشتہارات لگائے تھے جن کی وجہ سے آپ کو گرفتار کیا گیا ہے، حضرت فرماتے تھے کہ جن اشتہاروں کی وجہ سے مجھے گرفتار کیا گیا تھا نہ تو ان کے بارے میں مجھے معلوم تھا اور نہ ہی میں نے وہ اشتہارات دیکھے تھے، میری گرفتاری کے بعد سب سے پہلے تہران ریڈیو سے یہ خبر نشر ہوئی کہ مرکزی جامع مسجد اسلام آباد کے خطیب مولانا محمد عبداللہ کو ان کی مسجد سے گرفتار کر کے امامت اور خطابت سے معطل کر دیا گیا ہے۔

حضرت کی رہائی کے لئے تحریک:

حضرت شہیدؒ کی گرفتاری پر علمائے کرام، مدارس کے طلباء اور عوام نے مل کر ایک

تحریک شروع کی ،اسلام آباد اور راولپنڈی میں جلسے جلوس ہوئے اور بھرپور مظاہرے شروع ہوگئے ان مظاہروں کی وجہ سے دیگر علمائے کرام کو بھی گرفتار کر کے حضرت کے پاس جیل میں پہنچادیا گیا،لیکن پھر بھی مظاہرے اور جلسے جلوس جاری رہے،اسمبلی میں بھی بھرپور آواز اٹھائی گئی ،حکومت کے خلاف اشتہارات لگائے گئے ،تو حکومت نے معاملے کی سنگینی کو بھانپتے ہوئے حضرت شہیدؒ کو رہا کردیا لیکن دوسرے تمام ساتھیوں کو بدستور جیل میں رکھا گیا ،حضرت شہیدؒ جب جیل سے نکلے تو پہلے سے بھی زیادہ بھرپور انداز میں حکومت کے خلاف تحریک کو آگے بڑھایا جس کی وجہ سے مجبور ہوکر حکومت نے دیگر علمائے کرام کو بھی رہا تو کردیا لیکن حکومت نے انتقامی کارروائی کرتے ہوئے حضرت شہیدؒ کو مرکزی جامع مسجد کی امامت سے معطل کردیا ۔لیکن اس کے باوجود آپ بدستور مرکزی مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے رہے،بالآخر مجبور ہوکر حکومت نے حضرت کی معطّلی کا آرڈر خود ہی واپس لے لیا۔

وزیر داخلہ سے ملاقات:

اس زمانے میں وفاقی وزیر داخلہ چوہدری اعتزاز احسن تھے،اس نے اسمبلی میں حضرت سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی جس پر اسمبلی کے چیمبر میں ملاقات ہوئی اس دوران وہ کہنے لگا کہ ہم آپ کو بحال تو کردیں گے لیکن یہ نہ ہوکہ آپ منبر پر کھڑے ہوکر کل اعلان کردیں کہ کہاں چلے گئے وہ وزیر صاحب جنہوں نے مجھے معطل کردیا تھا،حضرت فرمانے لگے کہ میں اس قسم کی باتیں نہیں کرتا ایسی باتیں کرنا تو چھوٹے پن کا مظاہرہ کرنا ہے مجھے تو بھٹو صاحب نے اغواء کروایا تھا لیکن میں نے ان کے خلاف آج تک کوئی ناشائستہ بات نہیں کی ہے اور نہ ہی کوئی غیر مہذب انداز میں منبر سے آواز اٹھائی ہے ۔چوہدری صاحب کہنے لگے کہ ہوسکتا ہے کہ ہماری حکومت نہ رہے پھر آپ اس قسم کی باتیں کرنے لگیں حضرت فرمانے لگے کی اس طرح کی باتیں غیر مہذب ہیں آپ چلے جائیں یا حکومت میں رہیں بہر صورت یہ باتیں ناشائستہ ہیں اور جو لوگ چلے گئے ہیں ان کے بارے میں بھی میں نے آج

تک اس طرح کی بات نہیں کی ہے جس کی وجہ سے منبر رسولؐ پر انگلی اٹھانے کا کسی کو موقعہ ملے، البتہ مثبت انداز میں دین الٰہی کی اشاعت اور حق بات کہنے کو میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ اس فرض کو ادا کر رہا ہوں اور کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے زندہ رکھے، اس کے بعد سے شہادت کے دن تک کبھی بھی مرکزی مسجد سے معطّلی کے آرڈر جاری نہیں ہوئے۔

علماء کرام کی حق گوئی:

بھٹو مرحوم کے دور میں جمعرات کے دن حضرت شہید کو اغوا کیا گیا تھا جمعہ کے دن صبح کے وقت حضرت مولانا مفتی رویس خان صاحب کو گرفتار کیا گیا جو اس زمانے میں اسلام آباد کی کسی بڑی مسجد میں امام اور خطیب تھے اور اس وقت میر پور آزاد کشمیر کے قاضی ہیں وہ بتاتے ہیں کہ پولیس والے مجھے گرفتار کر کے لے جا رہے تھے کافی دیر کے بعد راستے میں جمعہ کی نماز میں ایک خطیب صاحب گرجدار آواز میں بھٹو حکومت کیخلاف تقریر کر رہے تھے غالباً یہ جہلم کا علاقہ تھا ان کی تقریر سن کر ایک پولیس والا اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ سن لو ہم ایک مولوی کو پکڑ کر لے جا رہے ہیں اور دوسرا ابھی حکومت کیخلاف بول رہا ہے ہم کس کس کو پکڑیں۔

اسی طرح ایک مرتبہ نواز شریف صاحب کے دورِ حکومت میں جب حضرت شہیدؒ رؤیت ہلال کمیٹی کے چیئرمین تھے، عید الفطر بظاہر قرائن سے جمعہ کے دن آ رہی تھی، غالباً یہ رمضان المبارک کا آخری جمعہ تھا، تقریر میں حضرت فرمانے لگے کہ ایک حکومتی وزیر صاحب کا (جو بہت بڑے لیڈر بھی سمجھے جاتے ہیں) مجھے فون آیا کہ مولانا صاحب! آپ عید کا اعلان جمعہ کے بجائے جمعرات کو کر دیں اور عید کی نماز بھی جمعرات کو پڑھا دیں ہم آپ کو خوش کر دیں گے، میں نے جواب میں کہا واہ واہ! کیا بات ہے؟ اللہ تعالیٰ تو عید جمعہ کے دِن لائے، عبداللہ کون ہوتا ہے جمعرات کے دن عید کا اعلان کرنے والا؟ اگر عید جمعہ کے دن ہے تو اسی دن ہوگی۔ پھر فرمانے لگے کہ یہ حکومتی لیڈر سمجھتے ہیں کہ جمعہ کے دِن عید ان کی حکومت پر بھاری ہوتی ہے، ان کو اپنی کرسی کی فکر ہو جاتی ہے، ہمارے لیڈر حضرات معلوم

نہیں جمعہ اور عید کی نماز پڑھتے بھی ہیں یا نہیں؟ اس لحاظ سے جمعہ کے دن عید ان پر کیا بھاری ہوگی؟ جمعہ کے دِن عید تو ان حکمرانوں پر بھاری ہوتی تھی جو اپنے ملک یا علاقے کے خلیفہ یا گورنر ہونے کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کی امامت وخطابت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ کیوں کہ اس امام کو ایک خطبہ عید کا دینا پڑتا تھا اور پھر جمعہ کے وقت جمعہ کا خطبہ دینا پڑتا تھا، دو خطبے ایک ہی دن جمع ہوجاتے تھے جس میں قدرے مشقت تھی اور یہ لیڈر صاحبان تو بمشکل عید اور جمعہ کی نماز پڑھ لیتے ہیں ان پر کیا بھاری ہوگی؟ معلوم نہیں آج کل کے حکمران اس کو بھاری کس معنی میں سمجھتے ہیں؟ عید اور جمعہ کی نماز ایک ہی دن پڑھنے سے کیوں ڈرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی انہیں سمجھ دے۔

ظلم وتعدی کی انتہاء:

حضرت شہیدؒ کو اپنی حق گوئی اور حکومتی راہنماؤں کی خلاف شرع امور اور ان کی کج رویوں پر آواز بلند کرنے کی وجہ سے تقریباً ہر دور میں مشکلات اور صبر آزما حالات کا سامنا رہا لیکن نواز شریف کے آخری دور حکومت میں تو ظلم وتعدی کی انتہاء ہوگئی، حضرت کو شہید کر کے مرکزی جامع مسجد سے اٹھنے والی آواز کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کر دینے کی کوشش کی گئی پھر ستم بالائے ستم یہ کہ آپ کے قاتلوں کی پشت پناہی کی گئی، اور ان کے خلاف کوئی مؤثر تفتیش کرنے کی بجائے ان کو بھاگنے کا موقع دیا گیا اور سرسری بھاگ دوڑ کے بعد فائل کو ردی کی ٹوکری میں ڈال کر مظلوم کو فریاد کرنے سے بھی روک دیا گیا، لیکن ؎

وقت پہنچائے گا جس دن کیفر کردار تک
خود الٹ دیں گے یہ مجرم اپنے چہروں سے نقاب

عالم اسلام کے بزرگان دین اور حضرت شہیدؒ:

عالم اسلام کے بڑے بڑے علمائے کرام اور بزرگان دین میں سے متعدد حضرات نے مرکزی جامع مسجد اسلام آباد میں یا تو حضرت کی اقتداء میں نماز ادا کی ہے یا امامت اور خطابت فرمائی ہے۔ ان بزرگان دین میں سے امام کعبہ عبداللہ بن السبیّل نے ایک مرتبہ

مرکزی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھائی، مسجد نبوی کے امام شیخ عبدالعزیز صالح بھی تشریف لائے اور جمعہ کی نماز پڑھائی، مصر کے مشہور قاری جناب قاری عبدالباسط صاحب بھی مسجد میں تشریف لائے اور تلاوت کے بعد حضرت کی اقتداء میں نماز ادا کی۔

دار العلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ بھی تشریف لائے اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک نہایت ہی پر اثر تقریر کی، ایک دفعہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ بھی تشریف لا چکے ہیں۔

پاکستان کے بڑے بڑے علمائے کرام اور بزرگان دین میں سے محدث عصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، مولانا عبدالشکور دینپوری صاحبؒ، حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی صاحبؒ، مولانا فضل الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا حق نواز جھنگوی صاحب شہیدؒ، مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی صاحب شہیدؒ، مولانا ایثار القاسمی صاحب شہیدؒ، وغیرہ بھی مرکزی مسجد میں تشریف لاتے رہے ہیں، اور مختلف امور میں مشورہ کرتے رہے ہیں، حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی صاحبؒ آخری بار مرکزی مسجد میں تشریف لائے تو بیان بھی فرمایا یہ بیان ان کی زندگی کا آخری بیان تھا، اس کے بعد کچھ ہی دنوں بعد ان کا انتقال ہو گیا اور کسی بیان کا موقع نہ ملا۔

مرکزی مسجد میں مفتی محمود صاحبؒ کی تقریر:

حضرت شہیدؒ فرماتے تھے کہ میرے استاد مکرم مفکر اسلام مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ جب تک حیات رہے، گاہے گاہے مرکزی جامع مسجد میں تشریف لاتے رہے اور متعدد بار دیگر نمازیں اور جمعہ کی نمازیں بھی پڑھائیں۔ ایک مرتبہ جمعہ کی نماز سے پہلے مسنون وقت تک تقریر فرمائی اور فرمایا کہ نماز جمعہ جلدی پڑھنا مسنون ہے جو لوگ دیر سے پڑھتے ہیں وہ اچھا نہیں کرتے ہیں پھر تقریر کے بعد خود ہی نماز جمعہ کا وقت ایک گھنٹہ مقدم کر دیا میں نے عرض کیا کہ حضرت! اتنی جلدی لوگ نہیں پہنچ سکیں گے تو حضرت فرمانے لگے

کہ تمہیں یہ ڈر ہے کہ لوگ نماز جمعہ میں کم ہو جائیں گے ایسا نہیں ہوگا لوگ ضرور آئیں گے اور پہلے سے زیادہ آجائیں گے آپ فکر نہ کریں، اس کے بعد سے آج تک جمعہ کی نماز کا وقت وہی چل رہا ہے یعنی ایک بج کر پندرہ منٹ پر جمعہ کی نماز کھڑی ہو جاتی ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ لوگ پہلے سے زیادہ تعداد میں جمعہ کی نماز میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات جگہ کی تنگی کی وجہ سے چھت کے اوپر بھی صفیں بچھانی پڑتی ہیں، اور مسجد کا اندرونی اور بیرونی حصے تو تقریر شروع ہوتے ہی بھر جاتے ہیں۔

حضرت شہیدؒ سے غیر ملکی سربراہوں کی ملاقاتیں:

حضرت شہیدؒ کے ساتھ کئی ملکی اور غیر ملکی لیڈروں نے بھی ملاقاتیں کی ہیں، سعودی عرب کے شاہ خالد صاحب جب پاکستان تشریف لائے تو حضرت کی ملاقات شاہ خالد سے ہوئی اور کئی امور پر تفصیلی گفتگو ہوئی اس کے علاوہ عراق کے نائب صدر جب پاکستان آئے تو خاص طور پر حضرت کے ساتھ ملاقات کے لئے مرکزی مسجد آئے، اور حضرت کی اقتداء میں نماز پڑھی، اور نماز کے بعد کافی دیر تک آپس میں گفتگو کرتے رہے، ملکی سربراہوں میں سے چیف مارشل ایوب خان اور جنرل ضیاء الحق کی آپ سے متعدد بار ملاقاتیں ہوئیں اور آپ کی اقتداء میں نماز جمعہ بھی پڑھی۔ ان کے علاوہ غلام اسحٰق خان، فاروق لغاری، بلخ شیر مزاری اور دیگر چھوٹے بڑے کئی لیڈروں نے مسجد میں آکر آپ سے ملاقاتیں کیں اور اس کے علاوہ بھی مختلف اوقات میں ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں۔

اس سلسلے میں حضرت شہیدؒ سے ایک دفعہ جب پوچھا گیا کہ آپ کی کن کن سربراہوں سے ملاقاتیں ہوئی ہیں تو آپ نے فرمایا میرے نزدیک یہ ایک بے مقصد سی بات ہے ہر زمانے کے علمائے کرام اور صالحین کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ حکومت کے وزراء اور دیگر سیاسی و دنیاوی لوگوں سے ممکن حد تک گریز ہی کرتے رہے ہیں جن لیڈروں سے میری ملاقاتیں ہوئی ہیں یہ میری ذاتی خواہش یا دلچسپی کی وجہ سے نہیں ہوئی ہیں، یہ ملاقاتیں اتفاقی طور پر یا کسی ملکی اور ملی مسئلہ پر یا پھر ان کی خواہش پر ہوئی ہیں، اگر میں ذاتی طور پر اس

میں دلچسپی لے لیتا تو شاید ہی کوئی وزیر، کسی ملک کا وزیر اعظم یا صدر ایسا ہوتا جس سے میری ملاقات نہ ہوتی، لیکن یہ کوئی مقصد اور فخر کی بات نہیں ہے۔ بے مقصد بات ہے۔

اک کھیل ہے اورنگ و سلیماں میرے نزدیک
اک بات ہے اعجازِ مسیحا میرے آگے

ایک بزرگ عالم دین کی گواہی:

حضرت شہیدؒ کے معتمد ایک بزرگ عالم دین جو سفر و حضر میں اکثر حضرت کے ساتھ ہی ہوا کرتے تھے وہ فرماتے ہیں کہ

''عام طور پر بڑے لوگوں سے دور رہیں تو دِل میں ان کی عظمت، محبت اور عقیدت ہوتی ہے لیکن آدمی جوں جوں قریب بڑھتا جاتا ہے تو عظمتوں اور عقیدتوں کے وہ عالیشان محلات زمین بوس ہوتے چلے جاتے ہیں، مگر حضرت شہیدؒ وہ عظیم انسان تھے کہ میں ان کے جتنا قریب ہوتا گیا میرے دل میں ان کی عظمت اتنی ہی بڑھتی چلی گئی، مجھے ان کی رفاقت کا جتنا زیادہ موقع ملا میری عقیدت اور محبت میں بھی اسی قدر اضافہ ہوتا چلا گیا اور ہمارا باہمی تعلق روز بروز مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا، میں نے حضرت شہیدؒ کو بہت ہی قریب سے دیکھا ہے مجھے وہ اس عہد کے انسان نہیں لگتے تھے مجھے یوں لگتا تھا جیسے وہ قرون اولیٰ کے کسی کاروان کا کوئی بچھڑا ہوا مسافر ہے جو ہمارے زمانے میں آن وارد ہوا''۔

سچ تو یہ ہے کہ:

؎ رنگ ہو یا خشت وسنگ چنگ ہو یا حرفِ صوت

معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

تحریک امریکہ مردہ باد:

حضرت شہید کی حیات ہی میں افغانستان میں دینی مدارس کے طالبان اسلامی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوچکے تھے انہوں نے اسلامی قوانین کے نفاذ کی خاطر جو انداز اختیار کیا تھا وہ قابل دید تھا۔ عالم اسلام کا ازلی دشمن امریکہ چونکہ تحریک طالبان کو ناکام کرنے کیلئے کوشاں تھا۔ اس لئے ان کیخلاف فضاء قائم کرنے میں ہر میدان میں مصروف عمل تھا اور ہر قسم کا غلط اور من گھڑت پروپیگنڈہ کرکے طالبان کو دنیا والوں کے سامنے دہشت گرد ثابت کررہا تھا۔

مفتی دوست محمد صاحب بتاتے ہیں کہ جس زمانے میں افغانستان میں پروفیسر برہان الدین ربّانی کی حکومت تھی طالبان تحریک بھی شروع ہوچکی تھی، ربّانی صاحب نے کابل کے طالبان کے ہاتھوں فتح ہوجانے کے خوف سے پاکستانی علمائے کرام کو افغانستان کے دورے کی دعوت دی اور حضرت شہید کو بھی خصوصی دعوت نامہ بھیجا مگر حضرت تشریف نہیں لے گئے ایک موقع پر میں نے پوچھا کہ حضرت آپ ربّانی کی دعوت پر افغانستان کیوں نہیں گئے؟ تو فرمانے لگے

> ’’ڈوبتے کو تنکے کا سہارا چاہئے۔ اب ربانی کی حکومت ڈوب رہی ہے، تو اپنے مفاد کیلئے علمائے کرام کو استعمال کرنا چاہتا ہے۔ ہم کیوں اسکی حکومت کو بچانے کے گناہ میں شریک ہوں، طالبان تو اسلامی نظام نافذ کررہے ہیں‘‘۔

حضرت شہید نے تحریک طالبان کے ساتھ تعاون، ان کی مالی معاونت، ان کی ہر قسم کی حمایت اور امریکہ کے من گھڑت اور جھوٹے پروپیگنڈہ کے ردعمل میں ’’تحریک امریکہ مردہ باد‘‘ کے نام سے بھرپور انداز میں ایک تحریک شروع کی تھی۔ حضرت شہیدؒ ہر جمعہ کی تقریر میں نیز عام جلسوں میں لوگوں کو طالبان کی خاطر مالی اور جانی قربانی دینے کی

ترغیب دیتے تھے اور دعائیں بھی خوب کرتے تھے۔

الحمدللہ حضرت کے اس عمل سے طالبان کیلئے کافی آسانیاں بھی پیدا ہونی شروع ہوگئی تھیں اور حضرت شہیدؒ کی کاوشوں سے کفریہ طاقتوں کیخلاف شاید پہلی بار حضرت شہیدؒ ہی کی قیادت میں ملک کی تقریباً تیس سے زائد دینی جماعتیں متحد ہوچکی تھیں۔اس سلسلے میں ان کے کئی اجلاس مرکزی جامع مسجد اسلام آباد اور دیگر مقامات میں ہوچکے تھے اور متعدد بار جلوس اور ریلیاں مرکزی جامع مسجد اور دوسری مختلف مساجد سے نکالی گئی تھیں جن میں جزیرۃ العرب سے امریکی افواج کو نکالنے کا مطالبہ اور اس سلسلے میں ہر قسم کی مہم میں بھرپور طریقے سے ساتھ دینے کا اعلان بھی کیا گیا تھا چنانچہ ایک مرتبہ ایک عظیم الشان ریلی سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا:

''تاریخ کی بدترین دہشت گردی اور سب سے بڑا ظلم جو امریکہ نے دو اسلامی ملکوں (افغانستان اور سوڈان) پر ڈھایا ہے اور جو شب خون مارا ہے تاریخ میں اس کی مثال نہیں مل سکتی اور یہ بھی آپ کی اطلاع کیلئے عرض ہے کہ اسلام آباد میں امریکہ، کینیڈا اور تمام یورپی ممالک کے سفارتخانے بند ہوچکے ہیں ظاہر ہے کہ چور جب چوری کرتا ہے تو اس کو پتہ ہوتا ہے کہ میں چوری کررہا ہوں کہیں گھر والے جاگ نہ جائیں۔

دنیا کے سب سے بڑے ظالم امریکہ نے دنیائے اسلام کے سارے مسلمانوں کو للکارا ہے اور آج اگر اسلامی ملکوں کے تمام سربراہ اور مسلمان اس ظلم عظیم اور بربریت کیخلاف اکٹھے نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ ان کو کبھی معاف نہیں فرمائیں گے اسی طرح ان حکمرانوں کو تاریخ بھی معاف نہیں کریگی۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء.

تم یہود ونصاریٰ کو دوست مت بناؤ۔
اورآپ صلیٰ اللہ علیہ وسلم کا ارشادمبارک ہے کہ:

اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب.

یعنی یہود ونصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔
اورآپ ﷺ نے اپنے دور میں جزیرہ نمائے عرب کے تمام علاقوں سے یہود ونصاریٰ کونکال دیا تھا،لیکن ہماری بدقسمتی دیکھئے کہ خلیج کی جنگ میں امریکہ نے مکاری اور چالاکی سے مصنوعی جنگ مسلط کرکے جزیرۃ العرب ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے مقدس مقامات حرمین شریفین کےقریب اپنے طیارے اور بحری بیڑے کھڑے کئے ہیں اور وہاں سے پوری دنیا کی قسمتوں کے فیصلے کرتا ہے ۔ یہاں تک کہ ہمارے ملک میں افسران کی تقرری تک امریکہ کرتا ہے ،غلامی اور بزدلی کی حد ہوگئی ہے ، مسلمان بھائیو! یہ تو ایک ٹیسٹ کیس ہے اس کے بعد ایٹمی دھما کہ کرنے والے اسلامی ملک پاکستان کا نمبر ہے اگر صورتحال یہی رہی تو پھر اللہ نہ کرے ہماری بھی خیر نہیں۔

اس سلسلے میں اسلام آباد میں مقیم طالبان حکومت کے سفیر،''تحریک امریکہ مردہ باد'' کے راہنماؤں اور خاص طور پر حضرت شہیدؒ سے مسلسل رابطے میں رہتے تھے ۔ یہ تعلقات اس وقت کی حکومت کو ناپسند تھے اور حکمران خائف تھے کہ طالبان کی طرز کی حکومت اسلامی کی طرح کوئی اسلامی تحریک پاکستان میں بھی شروع نہ ہوجائے حالانکہ اس وقت کے وزیراعظم جناب نوازشریف اپنے آپ کو اسلام پسند قوتوں میں شمار کرتے تھے۔

اس کے علاوہ رؤیت ہلال کمیٹی کے چیئرمین ہونے کے باوجود شریعت بل کے مسئلہ پر حضرت شہیدؒ نے واضح طور پر حکومت کے ساتھ اختلاف کیا اور جمعہ کی چھٹی ختم

کرنے اور سودی نظام کو تحفظ دینے کے علاوہ دیگر لادینی اقدامات پر حکومت وقت کے خلاف جمعہ کے خطبات میں سخت تقریریں کیں اور ان سب تقاریر کا مقصد محض اعلائے کلمۃ اللہ تھا۔ چنانچہ حضرت شہیدؒ کی حق گوئی اور ''تحریک امریکہ مردہ'' کو ختم کرنے کیلئے یہود ونصاریٰ اور ان کے گماشتے حضرت شہیدؒ کو راستے سے ہٹانے میں بالآخر کامیاب ہو گئے اور حضرت کو شہید کر دیا۔

؎ جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روح امم کی حیات کشمکش انقلاب

اس طرح حضرت شہیدؒ نے دین متین کی خاطر اپنی جان تو دیدی لیکن اسلام دشمن اور کفریہ طاقتوں کو کسی جگہ بھی معاف نہیں کیا اور آخر دم تک انہیں للکارتے رہے۔ جس کی تفصیل پاکستان کے جید علمائے کرام کی قائم کردہ تحقیقاتی ٹیم کی تفتیشی رپورٹ میں آچکی ہے اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ حضرت شہیدؒ کی شہادت کے ٹھیک ایک سال بعد اکتوبر کے مہینے میں نواز شریف حکومت بھی برطرف کر دی گئی اور وہ اپنے اہل وعیال اور خاندان کے دیگر افراد کے ہمراہ ملک بدر کئے گئے۔

؎ دیکھے جو کوئی دیدۂ عبرت نگاہ ہو

نماز جمعہ کا خطبہ:

حضرت شہیدؒ جب بھی خطبہ دینے کیلئے سفید کپڑوں میں ملبوس ہو کر اور سیاہ رنگ کا جبہ زیب تن فرما کر منبر پر جلوہ افروز ہوتے تو آپ کی شخصیت اور زیادہ پروقار نظر آتی تھی اسی طرح آپ کے بیان میں روح بلالیؓ اور تلقین غزالیؒ کا حسین امتزاج نظر آتا تھا۔ آپ عربی خطبہ اس جذبے اور سوز وگداز سے پڑھتے تھے کہ اس کا ایک ایک لفظ سامعین کے قلوب پر اثر انداز ہوتا تھا۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پَر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

آپ نماز جمعہ میں اکثر وبیشتر جوخطبہ پڑھا کرتے تھے اس میں پہلا خطبہ آنحضورؐ کے منقولہ خطبات میں سے ہے اس لئے ہر جمعہ کو آپ یہی خطبہ اہتمام کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔اس کو احباب کے استفادہ اور ریکارڈ کی غرض سے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

الخطبة الاولیٰ (پہلا خطبہ)

الحمدلله. الحمدلله الذی لم یزل ولا یزال حیا قیوما عالما قدیرا مدبرا سمیعا بصیرا . ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له ونکبره تکبیرا . ونشهد ان سیدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله الذی ارسل الی الناس کافة بشیرا ونذیرا . اما بعد فیا ایها الناس ان لکم معالماً فانتهوا الیٰ معالمکم وان لکم نهایة فانتهوا الیٰ نهایتکم .فان العبدا لمؤمن بین مخافتین بین اجل قد قضیٰ لایدری ماالله قاض به وبین اجل قد بقی لا یدری ماالله صانع بهٖ . فلیتزود العبد المؤمن من نفسه لنفسه ومن حیاته لموته ومن شبابه لکبره ومن دنیاه لأخرته . الا ان الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم للآخرة . فوالذی نفسی بیده ما بعدالموت من مستعتب ولا بعدالدنیا دار الا الجنة او النار اما بعد فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم واذا سألک عبادی عنی فانی قریب . اجیب دعوة الداع اذا دعان . فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلهم یرشدون اقول قولی هذا استغفرالله لی ولکم ولسائر المسلمین فاستغفروه انه هو الغفور الرحیم .

الخطبه الثانیه (دوسرا خطبه)

الحمدللهالحمدللهنحمده ونستعینه ونستغفره ونؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا. من یهده الله فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له . اما بعد فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم بسم الله الرحمن الرحیم ان الله وملائکته یصلون علیٰ النبی یا ایها الذین آمنوا صلوا

عليه وسلموا تسليما. اللهم صل على محمد وعلىٰ جميع اخوانه من الانبياء والمرسلين وعلىٰ آله واصحابه اجمعين . وقال النبى عليه الصلوٰة والسلام ارحم امتى بامتي ابو بكر واشدهم فى امر الله عمر واصدقهم حياء عثمان واقضٰهم على وقال عليه الصلوٰة والسلام فى هؤلاء الاربعة وفى طلحة وزبير وعبدالرحمن بن عوف وسعد بن ابى وقاص وسعيد بن زيد وابى عبيدة بن الجراح رضى الله عنهم كلهم فى الجنة . وقال عليه الصلوٰة والسلام فى سيدنا معاوية رضى الله عنه اللهم اجعله هاديا مهديا واهد به . وصلىٰ الله علىٰ جميع الصحابة والتابعين خصوصا علىٰ ازواج النبى صلى الله عليه وسلم وعلىٰ بناته الاربعة زينب ورقية وام كلثوم وفاطمة وعلىٰ سيدنا سيدالشهداء حمزة وعلىٰ سيدى شباب اهل الجنة الحسن والحسين رضى الله عنهم . اللهم انصر الاسلام والمسلمين اللهم ايد الاسلام والمسلمين اللهم انصر جميع المسلمين فى سائر البلاد والاقطار اللهم انصر عساكر المسلمين والمجاهدين فى كل مكان خصوصا فى فلسطين وكشمير وشيشان اللهم انصر الطلاب فى افغانستان . اللهم اهلك الكفرة والمبتدعة والمشركين والمرتدين واليهود والنصارىٰ ومن والاهم من امريكة وغيرها . اللهم شتت شملهم ودمر ديارهم ومزق جمعهم وخالف بين كلمتهم وزلزل اقدامهم وانزل بهم باسك الذى لا ترده عن القوم المجرمين. عباد الله رحمكم الله؛ ان الله يامر بالعدل والاحسان وايتاء ذى القربىٰ وينهىٰ عن الفحشاء والمنكر والبغى يعظكم لعلكم تذكرون . اذكروا الله يذكركم وادعوه يستجب لكم ولذكر الله تعالىٰ اعلىٰ واعز واجل واهم واتم واعظم واكبر . والله يعلم ما تصنعون.

بابِ ششم

غیر ملکی سفر نامہ

مؤمن کے جہاں کی حد نہیں ہے
مؤمن کا مقام ہر کہیں ہے

باب ششم

غیر ملکی سفرنامہ:

حضرت شہیدؒ کے اسفار اندرون ملک تو تسلسل کے ساتھ ہوتے رہتے تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ صبح ایک شہر میں ہوئی تو شام دوسرے شہر میں اور اگلی فجر کے وقت کسی اور مقام میں ہوتے۔

ان کے علاوہ حضرت شہید نے بیرون ممالک کے بھی کئی سفر کئے ان میں سے اکثر و بیشتر سفر ان ممالک کی طرف سے دعوت پر ہوئے ہیں یا کوئی اسلامی کانفرنس ہوئی جس میں حضرت اقدس کو بھی دعوت دی گئی یا کبھی حکومت پاکستان کی طرف سے کسی مسئلہ میں نمائندگی کا موقع مل جاتا۔ آپ کی پوری زندگی میں حرمین شریفین کے علاہ کوئی سفر ایسا نہیں ہے جو اپنے ذاتی مقصد کیلئے کیا ہو۔

کئی مرتبہ اسلامی کانفرنسوں کی وجہ سے عراق کے سفر کئے۔ وزارت اوقاف کی دعوت پر کئی دفعہ کویت جانے کا موقع بھی ملا متعدد بار مصر بھی جانا ہوا' جن میں سے اکثر جامعہ ازہر مصر کی دعوت پر ہوئے اور کئی کئی دن مصر میں قیام ہوتا' تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں دو مرتبہ انگلستان جانے کا موقع بھی ملا۔ ایک مرتبہ حکومت انڈونیشیاء کی دعوت پر وہاں گئے کچھ عرصہ وہاں قیام بھی رہا اس کے علاوہ عرب امارات جانے کا اتفاق بھی ہوتا رہتا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجتماع میں شرکت کیلئے ہندوستان بھی گئے' افغانستان کی طرف تو متعدد بار سفر کئے۔ طالبان کے دور حکومت میں علماء کرام کا ایک بہت بڑا وفد لیکر قندھار اور کابل گئے جہاں ملا عمر' اسامہ بن لادن اور طالبان حکومت کے سرکردہ لیڈروں کے ساتھ ملاقاتیں بھی کیں اس کے علاوہ اردن اور فلسطین کا سفر بھی کیا۔ انہی اسفار کے دوران حضرت شہید کو یہ فضیلت بھی حاصل ہوئی کہ وہاں پر مدفون کئی انبیاء کرام کے مزارات پر

حاضری دی۔ کئی صحابۂ کرام' بزرگان دین کے مزارات کی زیارت اور اسلام کے نامور فاتحین کی مرقد پر فاتحہ خوانی کے علاوہ مقدس مقامات اور دیگر عجائبات کی زیارت یہ سب ایسے مشاہدات ہیں کہ ان پر الگ الگ مضامین درکار ہیں۔ جگہ اور وقت کی کمی کے باعث کچھ مختصر معلومات اور مشاہدات پیش خدمت ہیں۔

زیارت حرمین شریفین:

پھر پیش نظر گنبد خضریٰ ہے حرم ہے
پھر نام خدا ' روضۂ جنت میں قدم ہے
پھر منت دربان کا اعزاز ملا ہے
یہ ان کا کرم ' ان کا کرم ' ان کا کرم ہے

غیر ملکی سفروں میں حضرت اقدسؒ کا پہلا سفر حج بیت اللہ کے ارادے سے اس مقدس مقام کی طرف ہوا جو ساری دنیا اور سارے جہاں سے افضل اور محترم ہے انسان کا ایمان جس قدر کامل ہوتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کے شعائر اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار مبارکہ سے محبت، تعلق اور لگاؤ ہوتا ہے۔ حرمین شریفین کی زیارت ایک بہت بڑی سعادت اور عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے خوش نصیب بندوں کو کامقدر فرماتے ہیں۔

یہ سفر اگر محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہو تو اس میں قدم قدم پر رحمتوں کی برسات ہوتی ہے اور ایک ایک لمحہ معرفت الٰہیہ والا سفر بن جاتا ہے۔

حضرت اقدسؒ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں زمانۂ طالب علمی ہی سے ان مقدس مقامات کی زیارت اور حج بیت اللہ کی خواہش اور تمنا تھی لیکن ظاہری اسباب اس قدر مہیا نہ تھے کہ حج بیت اللہ کے سفر اور زادراہ کیلئے کافی ہوسکیں۔ حضرت شہیدؒ فرماتے تھے کہ دور طالب علمی کے بعد بھی متعدد بار حرمین شریفین کی زیارت کا ارادہ کر کے حتیٰ المقدور کوشش بھی کی لیکن بوجوہ یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔

بالآخر ۱۹۷۰ء میں آپ نے حج بیت اللہ کا قصد فرمایا اور بحری جہاز کے ذریعہ اس

عظیم مقصد کیلئے روانہ ہو گئے ۔ حضرت اقدس خود ہی فرماتے تھے کہ یہ سفر بحری جہاز کے ذریعہ سمندری راستے سے ہوا۔ عجیب منظر تھا کہ نیچے تا حد نظر پانی ہی پانی اور اوپر آسمان کی نیلی چھت کے علاوہ کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اس طرح پہلی بار حرمین شریفین اور دوسرے مقدس مقامات کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ روضۂ اقدس اور دوسرے مقامات مقدسہ پر اللہ تعالیٰ کی بے پناہ نعمتوں، رحمتوں اور انوارات سے مستفیض ہونے کا موقع ملا۔ واپسی تک تمام سفر میں میرے تقریباً تیرہ سو روپے خرچ ہوئے، والحمدللہ علیٰ ذلک۔

حرمین شریفین کی زیارت کیلئے دوسری بار روانگی:

اس کے بعد ۱۹۷۳ء میں دوسری مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حج بیت اللہ کیلئے قبول فرمایا اور اس مرتبہ یہ سفر خشکی کے راستے ایک قافلے کی شکل میں ہوا اس قافلے کا امیر بھی حضرت شہیدؒ ہی کو مقرر کیا گیا۔ چنانچہ یہ قافلہ پاکستان سے روانہ ہو کر ایران، عراق اور کویت وغیرہ کا سفر کرتے ہوئے اپنی منزل مقصود سعودی عرب جا پہنچا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ حرمین شریفین کی سفر کیلئے مختلف صورتیں پیدا فرماتے رہے اور زندگی کے آخری ایام تک متعدد بار سفر ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں ان مقدس مقامات کی زیارت کیلئے شرف قبولیت نصیب ہوتی رہی۔ حضرت شہید کے نواسے جناب حافظ عمر فاروق صاحب سلمہٗ بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت اقدسؒ کی معیت میں مجھے بھی حجاز مقدس کا سفر نصیب ہوا۔ میں نے اس دوران آپ کو قریب سے دیکھا کہ سفر میں آپ یا تو قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول ہوتے یا درود شریف پڑھتے رہتے، صرف ضرورت کے مطابق بات چیت کر لیتے۔ مدینہ منورہ کے سفر میں تو خاص طور پر کثرت سے درود شریف ہی پڑھتے رہتے تھے اور جب تک مدینہ منورہ میں قیام فرماتے تو زیادہ تر وقت مسجد نبوی کے اندر ذکر و عبادت میں مشغول رہتے اور ساتھ ساتھ روضۂ رسول پر بار بار حاضری کی سعادت بھی حاصل کرتے رہتے۔

مدرسہ یوسفیہ کے مہتمم حضرت مولانا انوارالاسلام صاحب فرماتے ہیں کہ جب بھی مجھے معلوم ہوتا کہ حضرت بھی حج یا عمرہ کیلئے حرمین شریفین تشریف لائے ہیں تو میری

کوشش ہوتی کہ حضرت ہی کے ساتھ میرا وقت گذرے اس لئے اکثر ہم ایک ہی جگہ بیٹھ جاتے تھے۔ایک مرتبہ مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شہید حج کیلئے تشریف لا چکے ہیں تو میں نے مسجد نبوی میں آپ کو بہت تلاش کیا لیکن ملاقات نہ ہوسکی ایک دفعہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے عشاء کی نماز کا وقت ہوگیا اور میں ایک جگہ نماز ادا کرنے کیلئے صف میں کھڑا ہوگیا نماز کے بعد اچانک میری نظر پڑی کہ حضرت میرے قریب ہی بیٹھے ہوئے دعا مانگ رہے ہیں اورآنکھوں سے آنسو جاری ہیں قریب پہنچ کر میں نے عرض کیا کہ حضرت میرے لئے بھی دعا فرمائیں آپ نے میری طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا کہ:

''اس رب کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے تو سارے علمائے کرام، طلباء اور تمام متعلقین کیلئے دعا مانگی ہے''

ایک دفعہ ہم حرم شریف میں بیٹھے ہوئے تھے فرمانے لگے کہ آج انشاءاللہ ہم نے بیت اللہ شریف کے اندر جانا ہے اور انشاءاللہ آپ کو بھی لے جاؤں گا۔میں نے عرض کیا حضرت بیت اللہ کا دروازہ کھلنا تو بہت مشکل نظر آتا ہے وہ تو بڑے بڑے لوگوں کیلئے کھولا جاتا ہے میں نے یہ اس لئے کہا کہ بظاہر دروازہ کھلنا ممکن نظر نہیں آرہا تھا۔دور دور تک اس کے آثار نہیں تھے۔حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو کیا مشکل ہے اور انشاءاللہ ایسا ہوگا چنانچہ ابھی دس پندرہ منٹ نہیں گذرے تھے کہ حکومت کا کوئی وزیر یا اہم آدمی آئے جن کیلئے فوراً بیت اللہ کا دروازہ کھول دیا گیا ہم بھی ان کے ساتھ وہاں پہنچ گئے اور ان کے ساتھ بغیر کسی رکاوٹ کے حضرت بھی اندر پہنچ گئے چونکہ میں بھی حضرت کے ساتھ ہی تھا اس لئے میں بھی ساتھ ساتھ اندر پہنچ گیا حالانکہ وہاں پر کھڑے اہلکاروں میں سے کوئی نہ حضرت کو جانتا تھا اور نہ مجھے میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب حضرت شہید کی برکت اور کرامت ہی تھی ورنہ ہم جیسے لوگوں کو کہاں یہ نصیب ہوتا۔

؎ کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

تبوک کا سفر:

حضرت شہیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ حجاز مقدس کی طرف الحمدللہ متعدد بار سفر ہوئے ۔ مدینہ منورہ میں مقیم ایک دوست کی دعوت پر ایک مرتبہ تبوک جانے کا موقع بھی ملا۔ جب ہم تبوک پہنچے تو سخت گرمی پڑ رہی تھی تقریبا ہر ہوٹل اور گھر میں ائر کنڈیشنر لگے ہوئے تھے وہاں کی گرمی دیکھ کر انسان سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آنحضورﷺ اور آپ کے جانثار صحابہؓ کرام نے انتہائی گرمی کے موسم میں مدینہ منورہ سے تبوک تک کا تقریبا آٹھ سو کلومیٹر کا پرمشقت سفر پیدل اور اونٹوں پر کیسے طے کیا تھا۔ نیز مسلمانوں کے پاس جنگی ساز وسامان اور سواریوں کی کمی، معاشی تنگی اور روم جیسی اپنے زمانے کی سپر پاور کے ساتھ مقابلہ، (جس میں روم کے بادشاہ ہرقل نے چالیس ہزار افراد کو ہر طرح کے جنگی ساز وسامان کے ساتھ مسلح کر کے بھیجا تھا۔) ان انتہائی کٹھن اور صبر آزما حالات میں رومیوں کے ساتھ جنگ ہوئی کہ تصور کر کے انسان حیرت واستعجاب کا مجسمہ بن جاتا ہے۔ اس غزوہ میں آنحضورﷺ کے بہت سے معجزات بھی ظاہر ہوئے اور جس جگہ آپؐ خیمہ زن تھے اب وہاں ایک خوبصورت مسجد بھی بنائی گئی ہے۔

پاکستان کی فوج کا ایک دستہ بھی وہاں موجود تھا ان سے بھی ملاقات ہوگئی اور پاکستانی فوج کے ایک آفیسر کی درخواست پر وہاں پر موجود فوجی نو جوانوں سے ''جہاد اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرنے والوں کے فضائل'' کے موضوع پر قرآن وحدیث کی روشنی میں مختصر سا خطاب کرنے کا موقع بھی ملا اور الحمدللہ بڑا فائدہ ہوا۔

اس سفر میں تبوک سے واپسی پر ہم خیبر کے اس مشہور قلعہ پر بھی گئے جہاں غزوۂ خیبر واقع ہوا تھا۔ یہ پورا علاقہ یہودیوں کا تھا جو ہر وقت مسلمانوں کیخلاف سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ بالآخر تنگ آ کر آنحضورﷺ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کر کے خیبر پر حملہ کر دیا اور تقریبا بیس دن کے محاصرے کے بعد خیبر فتح ہوا اور حضرت علیؓ نے قلعہ کے اوپر چڑھ کر علمِ فتح نصب کر دیا۔

اسی غزوہ میں مرحب نامی پہلوان اور حضرت علیؓ کے درمیان مقابلہ بھی ہوا اور وہ حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوا اس کی پوری تفصیلات سیرت کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ خیبر کا قلعہ اب کافی بوسیدہ ہو چکا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور مبارکہ:

سرورکائنات جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت کا موقع تو متعدد بار اللہ تعالیٰ نے حضرت شہیدؒ کو نصیب فرمایا۔ اس کے علاوہ دوسرے ممالک کے اسفار میں حضرت شہیدؒ کو کچھ اور انبیاء علیہم السلام، صحابۂ کرام اور بزرگان دین کی قبور مبارکہ کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ جس کی قدرے تفصیل پیش خدمت ہے۔

عراق کا سفر:

حضرت شہید فرماتے ہیں کہ عراق کے سفر میں موصل شہر میں تقریباً چار انبیاء علیہم السلام کے مزارات پر بھی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی جن میں سے دو انبیاء کرام کے نام اس وقت مجھے یاد ہیں، حضرت ادریس علیہ السلام اور شیث بن آدم علیہ السلام۔ ان کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور دیگر بزرگان دین کے مزارات پر جانے کا بھی شرف حاصل ہوا۔

مذکورہ جلیل القدر انبیاء علیہم السلام، صحابۂ کرام اور بزرگان دین کے مزارات پر حاضری اور سلام عرض کرنے کی سعادت پر ہم نے (شرکائے وفد) اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور ہم سب کے دل باغ باغ تھے۔ **وللہ الحمد علیٰ ذلک.**

حضرت علیؓ کا مزار:

حضرت شہیدؒ فرماتے ہیں کہ عراق کے شہر نجف میں ہم نے وہ عمارت بھی دیکھی جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ حضرت علیؓ کا مزار ہے ان کے مزار کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کہاں ہے اور نہ ہی یہ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ نجف میں جو مزار آپ کی طرف منسوب ہے وہ واقعی آپ ہی کا مزار ہے۔ اس کے بارے میں سنا تھا کہ ایک آدمی نے

خواب دیکھا تھا جس میں اس کو بتلایا گیا تھا کہ اس جگہ حضرت علیؓ مدفون ہیں جس کے بعد لوگوں نے اس جگہ مزار بنالیا جبکہ حضرت علی کی تدفین کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ بہر حال مشہور بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی قبر یہیں ہے واللہ اعلم بالصواب۔اس کی زیارت بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں نصیب فرمائی۔

اس کے علاوہ کوفہ شہر کی جامع مسجد میں جہاں حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا اور اسی حملے میں آپ شہید بھی ہوگئے تھے وہ جگہ بھی ہمیں دکھائی گئی۔نشاندھی کیلئے اس جگہ پر ایک چھوٹا سا کتبہ لگا ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے اس مسجد میں متعدد بار نمازیں پڑھانے کا موقع بھی فراہم فرمایا۔ولله الحمد علی ذلک.

امام غائب کا تصور:

ایک اسلامی کانفرنس کے سلسلے میں ایک دفعہ علماء کرام کا ایک وفد عراق گیا تھا جس میں احقر (حضرت محمد عبداللہ شہیدؒ) بھی شامل تھا اس سفر میں ہمیں وہاں پر وہ غار بھی دیکھنے کو ملا جس کے بارے میں اہل تشیع کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ امام غائب یہاں چھپ گیا ہے اور کہتے ہیں امام کے چھپنے کا یہ واقعہ تیسری صدی ہجری میں ہوا اور اصل قرآن کریم بھی انہی کے ساتھ ہے اور بعض لوگوں نے یہ بات بھی خوب پھیلائی کہ ہم ان کی زیارت بھی کرتے ہیں اور ان سے ملاقات کا شرف بھی حاصل کرتے رہتے ہیں۔لوگوں نے ان کی باتوں پر یقین کرلیا اور مجاوروں کو نذرانے بھی دینے شروع کردیئے۔بادشاہ وقت کو جب اس پروپیگنڈے کے بارے میں علم ہوا تو انہوں نے ان کیخلاف سخت کارروائی شروع کردی تو یہ لوگ کہنے لگے کہ وہ اب نہ کسی سے ملاقات کرینگے اور نہ ہی کسی سے بات کرینگے اور قیامت سے کچھ عرصہ پہلے ہی نکلیں گے اور اصل قرآن کریم بھی اپنے ساتھ لیکر آئیں گے اس کے علاوہ ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ امام غائب کے ظہور سے پہلے کسی اور امام کی تقلید درست ہی نہیں بلکہ امام غائب کا انتظار کرنا لازم ہے جب وہ آئیں گے تو انہی کی تقلید کرنی ہوگی۔
شیعوں کے عقیدے کے مطابق جس غار میں یہ امام چھپا ہوا ہے وہ غار عراق

میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے تقریبا ایک سو پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر سامرہ کے مقام پر واقع تھا۔ ہم کئی مرتبہ غار کے اندر تک بھی گئے غار کے اندر بہت سی کتابیں بھی رکھی ہوئی تھیں لوگ وہاں رو رو کر دعائیں مانگ رہے تھے۔

''امام جی! آپ جلدی تشریف لائیں ساری دنیا آپ کا انتظار کر رہی ہے''

یہ سلسلہ ہر وقت جاری رہتا ہے وہاں پر ایک بڑا سا گنبد بھی بنا ہوا ہے ایک لمبا چوڑا مینار بھی ہے اور بہت سارے مجاور بھی ہر وقت باہر بیٹھے رہتے ہیں۔ ہم ایک مرتبہ غار سے باہر آئے تو ایک سکول کا طالب علم ہمارے پاس آ کر ہاتھ ملانے لگا تو میں نے عربی میں اس سے اس کا نام پوچھا اس نے اپنا نام ''علی عمیر'' بتایا۔ میں نے غار کی طرف اشارہ کر کے اس کے متعلق پوچھا کہ اس کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں تو وہ بچہ کہنے لگا کہ خدا کی قسم یہ تو بے حقیقت بات ہے یہ لوگ تو خود فریبی میں مبتلا ہیں ہمارا عقیدہ وہ نہیں جو ان مجاوروں کا ہے۔

سامرہ کا ایک نوجوان:

جس جگہ ہماری رہائش گاہ تھی وہاں ایک نوجوان سے ہماری ملاقات ہوئی جو سامرہ شہر کا رہنے والا تھا۔ باتوں باتوں میں اس سے میں نے کہا کہ اگر امام غائب میری موجودگی میں نکل آیا تو میں اس سے ضرور پوچھوں گا کہ امام صاحب! آپ یہ بتائیں کہ آپ کے عقیدے کے مطابق اصل قرآن کریم تو آپ کے پاس تھا تو آج تک صدیوں سے کروڑوں مسلمان نعوذ باللہ غلط قرآن پڑھ رہے ہیں۔ نمازوں میں بھی یہی قرآن پڑھا جاتا ہے اور اصل قرآن تو آپ لیکر غار میں چھپے رہے اس کا گناہ کس کو ہوگا؟ جواب میں وہ نوجوان کہنے لگا شیخ صاحب! آپ اس مسئلہ کی فکر نہ کریں یہ مسئلہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا کبھی حل ہونے والا نہیں۔ میں نے پوچھا وہ کیسے! کہنے لگا کہ شیخ صاحب! جب تک وہ امام غائب نہیں نکلتا اس وقت تک ان لوگوں کا کام چلتا ہی رہے گا، مجاوروں کی دال روٹی چلتی رہے گی اور اگر وہ غار سے نکل بھی آیا تو یہی مجاور لوگ اس کی گردن دبوچ کر پھر غار کے اندر

چھپا دینگے کیونکہ وہ نکل آیا تو ان کی روٹی کوٹھی سب ختم ہو جائے گی ان کی دکان تو ہمیشہ کیلئے بند ہو جائے گی۔

ہمارے ساتھی مسکراتے ہوئے فرمانے لگے اس کی بات بالکل ٹھیک ہے۔

اردن کا سفر:

اردن کے سفر میں حضرت یوشع بن نون، حضرت شعیب علیہما السلام، حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور دیگر صحابۂ کرام اور بزرگان دین کے مزارات پر حاضری دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ وللہ الحمد علیٰ ذلک۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر مبارک کے قریب ایک پرانا سا کنواں ہے اس کنویں کے بارے میں ہمیں بتایا گیا کہ یہ وہ کنواں ہے جہاں سے حضرت شعیب علیہ السلام کی دونوں صاحبزادیاں پانی بھرنے کیلئے آتی تھیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکل کر یہاں پہنچ گئے تھے اس پورے واقعہ کا ذکر سورۂ قصص میں مفسرین نے پوری تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

غزوۂ مؤتہ کے شہدائے عظام:

غزوہ مؤتہ ۸ھ میں واقع ہوا۔ آنحضور ﷺ نے بصریٰ (شام) کے بادشاہ کے پاس اسلام کی دعوت کیلئے ایک خط لکھا اور ایک صحابی حضرت حارث بن عمیرؓ کو دیکر بادشاہ کے پاس بھیجا تھا۔ بادشاہ نے اس وقت کے معاہدے اور قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حضرت حارث بن عمیرؓ کو قید کر لیا اور بے دردی سے شہید کر دیا۔ جب آنحضور ﷺ کو حضرت حارث بن عمیرؓ کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے تمام صحابۂ کرام کو جمع فرمایا اور شام کے بادشاہ کے خلاف لشکر کشی کیلئے روانہ کر دیا۔

اردن میں ایک جگہ جہاں سرور کائنات ﷺ کا روانہ کیا ہوا لشکر کفار کے ساتھ معرکہ آراء ہوا تھا اس جگہ کا نام مؤتہ ہے اور اس معرکہ کا نام غزوۂ مؤتہ ہے اس لشکر کو روانہ کرتے ہوئے سید کونین ﷺ نے تین صحابہ کی شہادت کی پیش گوئی پہلے ہی

فرمادی تھی۔ تاجدار دو عالم نے صحابہؓ کے لشکر کو جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ اگر تمہارے امیر یعنی حضرت زید بن حارثہؓ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر طیارؓ تمہارے امیر ہونگے اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ تمہارے امیر ہونگے۔ چنانچہ غزوۂ مؤتہ میں ایسا ہی ہوا اور تین جلیل القدر صحابی یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے اور مسلمانوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو امیر مقرر فرمایا اور ان کی امارت میں ہی مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی جس جگہ یہ معرکہ پیش آیا وہاں سے کچھ فاصلے پر ایک بستی ہے وہاں آج بھی ان تین صحابۂ کرام کی قبور موجود ہیں۔ حضرت شہیدؒ فرماتے ہیں ہم ان قبور کی زیارت کر رہے تھے کہ ایک معمر آدمی ہمارے ساتھ تھا وہ بظاہر ایک نیک اور صالح انسان معلوم ہو رہا تھا ایسے شخص سے اس قسم کی غلط بیانی کی امید نہیں کی جا سکتی تھی ان کا کہنا تھا کہ آج کل تو یہ بات نہیں پائی جاتی لیکن آج سے تقریبا پچاس ساٹھ برس قبل جس جگہ معرکہ ہوا تھا وہاں پر ہر سال معرکہ کی تاریخوں میں گھوڑوں کے دوڑنے کی آوازیں اور تلواروں کی جھنکار صاف سنائی دیتی تھی جیسے آپس میں جنگ ہو رہی ہو۔ ان آوازوں کو بہت سارے لوگوں نے متعدد بار سنا لیکن اب وہ بات نہیں ہے۔

اردن ہی میں ایک دوسرے مقام پر طاعون کی وباء سے بہت سے صحابۂ کرام شہید ہو گئے تھے ان تمام صحابۂ کرام کی قبور مبارکہ آج تک موجود ہیں جہاں دعا و سلام عرض کرنے کی سعادت الحمدللہ ہمیں نصیب ہوئی۔ **وللہ الحمد علیٰ ذلک.**

اصحاب کہف کا غار:

توحید کے شیدائی چند نوجوان جن کو قرآن کریم نے اصحاب کہف کے لقب سے بیان کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی شان کو بیان فرماتے ہوئے ایک مکمل سورۃ قرآن کریم میں نازل فرمائی ہے۔ اس سورۃ میں ان سرفروشان توحید کا ذکر ہے۔ اس واقعہ کو مفسرین حضرات نے قدرے تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ ان نوجوانوں کا بادشاہ ایک مشرک اور

ظالم انسان تھااوراپنی طاقت کے بل بوتے پرلوگوں سے شرک کرواتا تھا۔ یہ چندنوجوان توحید کے قائل تھے بادشاہ کے ظالمانہ رویہ سے تنگ آکراس بادشاہ کی مملکت سے بھاگ کھڑے ہوئے اورشہر سے باہرایک پہاڑ کی غار میں روپوش ہوئے اورآرام کی خاطرتھوڑی دیر کیلئے زمین پر لیٹے ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پرنیندکوغالب کردیااور یہ سو گئے اور ایک لمبےعرصے تک سوتے ہی رہ گئے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس بارے میں یوں بیان فرمایا ہے۔

ولبثوا فی کھفھم ثلث مائة سنین وازدادوا تسعا(الایه ۲۵)

ترجمہ: اور وہ لوگ غار میں نیند کی حالت میں تین سو برس تک رہے اورنو برس اوپر رہے۔

اتنا لمبا عرصہ سونے کے باوجودوہ سارے یہ گمان کرنے لگے کہ ہم ایک دن کا کچھ حصہ سوئے ہوں گے حالانکہ وہ تین سونو سال تک سوئے رہے۔جس وقت یہ بیدار ہوئے اس وقت پورا نقشہ بدل چکا تھا۔کئی نسلیں گذرچکیں تھیں اس واقعہ کی پوری تفصیل قرآن کریم میں سورۃ الکہف میں دیکھی جاسکتی ہے۔

حضرت شہیدؒفرماتے ہیں کہ یہ غاراردن کے شہرعمان میں ہےاور پہلے یہ پہاڑی شہر سے باہرتھی لیکن اب آبادی بڑھتے بڑھتے تقریباً شہر میں شامل ہوچکی ہے۔حضرت فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نےہمیں اس جگہ کی زیارت کا شرف نصیب فرمایاتواس وقت قرآن کریم کی وہ تمام آیات ذہن میں تھیں جواس واقعہ سے متعلق ہیں۔اللہ تعالیٰ نے عجیب انداز میں ان حضرات کی حفاظت فرمائی ہے کہ سورج کےطلوع اورغروب کے وقت سورج کی تپش ان تک نہیں پہنچ سکتی تھی البتہ روشنی اور ہوا مناسب مقدار میں اندر جاتی تھی غار کے اندر نیچے اترنے کیلئے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جہاں سے اترکرزائرین نیچے پہنچ سکتے ہیں۔

قریب ہی ایک مسجد بھی بنی ہوئی ہے جہاں لوگ نمازیں،نوافل وغیرہ پڑھتے ہیں اس غاراوراس کےآس پاس کا علاقہ صاف ستھرا ہے۔ان تمام جگہوں کو ہم نے غور سے دیکھا ایک شخص نے بتی جلاکرایک جگہ کی نشاندہی بھی کی کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں اصحاف

کہف کا کتا بیٹھا تھا تمام علامتیں آج بھی وہاں موجود ہیں دیکھنے والوں کی رہنمائی کیلئے کچھ تختیاں بھی لگی ہوئی ہیں جس سے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ یہ عقل والوں کیلئے عبرت کی علامات ہیں۔

حضرت سلمان فارسیؓ کے مزار پر حاضری:

حضرت شہیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسیؓ کا مزار مدائن میں ہے۔ مدائن کے علاقہ کو مسلمانوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی امارت میں حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں فتح کیا اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت سلمان فارسیؓ کو ان علاقوں کا گورنر مقرر کیا، وفات کے بعد وہیں مدفن ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس کی قبر کی زیارت کا بھی ہمیں موقع فراہم کیا۔

حضرت عبداللہ بن جابرؓ اور حضرت حذیفہؓ کا واقعہ:

حضرت سلمان فارسیؓ کی قبر کے ساتھ مزید دو صحابہ حضرت عبداللہ بن جابرؓ اور حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کی قبور بھی موجود ہیں۔ ان دو حضرات صحابہ کی قبریں پہلے دریائے دجلہ کے قریب تھیں غالباً ۱۹۳۳ء یا ۱۹۳۵ء میں یہ دونوں صحابہ کرام قاضیٔ وقت کو خواب میں آ کر کہتے ہیں کہ ہمیں دریا کے سیم نے بہت تنگ کیا ہے ہمیں ان قبروں سے نکال دو۔ یہ خواب قاضیٔ وقت نے دو تین دفعہ دیکھا۔ انہوں نے پریشان ہو کر علماء کرام کو بلا کر مشورہ کیا تو علماء کرام نے ایسی حالت میں جواز کا فتویٰ دیا جس کے بعد بادشاہ وقت اور قاضیٔ وقت کے علاوہ ہزاروں عوام کی موجودگی میں ان حضرات کی قبور مبارکہ کو کھولا گیا۔ تو واقعی طور پر دریا کی سیم قبروں کے اندر تک پہنچ چکی تھی لیکن دونوں جسد مبارک بالکل صحیح سالم تھے جیسے ابھی کسی نے دفنایا ہو۔ وہاں پر موجود ہزاروں لوگوں نے ان کی زیارت کی اور سینکڑوں عیسائی اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ اس کے بعد ان دونوں صحابہ کرام کو حضرت سلمان فارسی کی قبر کے قریب دفن کر دیا گیا۔

طالوت اور جالوت کی نہر:

قرآن کریم نے سورۂ بقرہ میں طالوت اور جالوت کی نہر کا ذکر فرمایا ہے۔ جہاں حضرت طالوت کے عمالقہ قوم کے ساتھ جہاد کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ ارشاد مبارک ہے۔

فلما فصل طالوت بالجنود قال ان الله مبتليكم بنهر فمن شرب منه فليس مني.ومن لم يطعمه فانه مني الامن اغترف غرفة بيده ....الآية.

ترجمہ: ''پھر جب طالوت فوجوں کو لے کر باہر نکلا تو انہوں نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ تم کو ایک نہر کے ذریعہ آزمانے والے ہیں پس جو شخص اس نہر کا پانی پئے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جو اسے نہ چکھے وہ بیشک میری جماعت سے ہے۔ سوائے اس کے جو ایک چلو اپنے ہاتھ میں لے لے''۔

حضرت شہیدؒ فرماتے ہیں کہ یہ نہر ہم نے بھی دیکھی ہے۔ مفسرین نے درج بالا آیات کی تفسیر میں لکھا ہے جب حضرت طالوت کا لشکر اس نہر پر پہنچا تو حضرت طالوت کے روکنے کے باوجود بعض لوگ صبر نہ کر سکے اور پیاس کی شدت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ پیٹ بھر کر پانی پی لیا۔ اس نافرمانی کی وجہ سے وہ آگے نہ جا سکے اور جہاد میں شریک ہونے سے محروم ہو گئے۔ بعض فرمانبرداروں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی تو جہاد میں شریک ہو کر فتح سے ہمکنار ہوئے۔

یہ نہر اسرائیل اور اردن کے درمیان میں ہے اور دونوں ملکوں کو تقسیم کرتی ہے۔ ہم سوچ رہے تھے کہ یہ کوئی بڑا دریا ہوگا لیکن یہاں پہنچ کر دیکھا کہ یہ تو ایک مختصر سی نہر ہے ہمارے بعض ساتھیوں نے ایک چلو پانی بھی نوش فرمایا۔

بحر مردار:

بحر مردار کی صورت میں قوم لوط پر عذاب الٰہی کی نشانی آج تک اور رہتی دنیا تک

مقام عبرت بنی ہوئی ہے۔اردن میں ایک دن معلوم ہوا کہ ہماری رہائش گاہ سے تقریباً اسی یا نوے کلومیٹر کے فاصلے پر بحر مردار ہے تو ہم سب کے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ بحر مردار کو بھی عبرت کی نگاہ سے ضرور دیکھا جائے۔مفسرین نے لکھا ہے کہ قوم لوط پر عذاب آنے سے پہلے سمندر کا یہ حصہ خشک زمین تھی اور ایک پورا شہر آباد تھا۔جب قوم لوط پر عذاب آیا تو شدید زلزلے کے باعث یہ زمین کئی میٹر سمندر سے نیچے چلی گئی اور ساری آبادی زیر آب آ کر غرق ہوگئی۔قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور وہ بستی اب تک سیدھے راستے پر موجود ہے، بلاشبہ
اس میں ایمان والوں کیلئے نشانی ہے''(سورۃ الحجرات)

سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہے:

''اور ہم نے سمجھنے والوں کیلئے اس بستی میں ایک کھلی نشانی چھوڑی ہے''

یہ پورا علاقہ سرسبز وشاداب اور ہری بھری وادیوں پر پھیلا ہوا ہے۔لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ بحر مردار کے شروع ہونے سے کچھ فاصلے پہلے یہ سرسبز وشادابی یکسر ختم ہو جاتی ہے اور بے آب وگیاہ ٹیالا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔جو چٹیل اور ناہموار زمین پر مشتمل ہے۔اس کا پانی اتنا کڑوا ہے کہ کوئی بھی جاندار پینے کیلئے یہ پانی استعمال نہیں کرسکتا۔اس پانی کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ یہاں کوئی ڈوب نہیں سکتا اگر کوئی تیرنا نہ بھی جانتا ہو وہ بآسانی اس میں تیراکی کرسکتا ہے ہمارے بعض ساتھیوں نے اس میں تیراکی بھی کی اور بعض ساتھی تو تیرتے ہوئے کافی دور تک چلے گئے۔لیکن کوئی مشکل پیش نہیں آئی جیسا کہ گہرے پانی میں تیرتے وقت آ جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس پانی میں کوئی ذی روح زندہ بھی نہیں رہ سکتا اسی لئے اس کا نام بھی ''بحر میت'' رکھا گیا ہے کیونکہ اس کا پانی زہریلا اور ثقیل ہے۔یہاں پر ایک اونچی سی جگہ بھی ہے جسے غالباً ''موجب'' کے نام سے پکارا جاتا ہے جہاں دراز قد کی شکل میں ایک پتھر کی مورتی بنی ہوئی ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا بت ہے۔جو درحقیقت ایمان والوں میں سے نہیں تھی۔واللہ اعلم

بالصواب۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ عذاب الٰہی آنے سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے ماننے والوں کو جو تعلیمات دیں ان میں یہ حکم بھی تھا کہ عذاب کے آنے کے بعد پیچھے کی طرف مڑ کر نہ دیکھا جائے۔ اس ہدایت پر حضرت لوط علیہ السلام کی اہلیہ نے عمل نہیں کیا اور پیچھے مڑ کر دیکھا تو عذاب کے طور پر پتھر کی مورتی میں تبدیل ہوگئی اور موجودہ اس مورتی کی ظاہری وضع قطع اور ہیئت بھی عورت کی شکل وصورت سے ملتی جلتی ہے۔

چونکہ ایسے مقامات پر (جہاں اللہ کا عذاب نازل ہوا ہو) زیادہ رکنا مناسب نہیں اس لئے ہم جلد ہی واپس لوٹے۔

مصر کا سفر:

مصر کے ایک سفیر جو پاکستان میں کافی عرصہ رہے ہیں اور جمعہ کی نماز پابندی کے ساتھ مرکزی جامع مسجد میں پڑھا کرتے تھے نیک صالح اور دیندار آدمی تھے۔ میرے ساتھ بھی اچھے مراسم تھے۔ اس وقت وہ مصر کی وزارت خارجہ کے کسی اہم عہدے پر فائز تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے مجھے اور بادشاہی مسجد لاہور کے خطیب حضرت مولانا عبدالقادر آزاد کو مصر آنے کی دعوت دی ہم نے ان کی دعوت قبول کر لی اور مصر کے سفر پر روانہ ہوگئے۔ اس وقت مصر میں پاکستان کے سفیر محترم راجہ ظفر الحق صاحب ہوا کرتے تھے جو میرے دیرینہ دوست ہیں۔ ان کو جب ہمارے مصر پہنچنے کا علم ہوا تو انہوں نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور کچھ وقت کیلئے ہمارے ساتھ بھی رہے اور الحمدللہ ان کے ذریعہ سے وہاں کے حالات سے آگاہی بھی ہوئی۔ ایک دفعہ وہ ہمیں اپنی گاڑی میں بٹھا کر سیر کیلئے ایک پرفضا مقام پر لے گئے جو فوجیوں کا کوئی مرکز تھا اور دریائے نیل کے اوپر کافی اونچائی پر واقع تھا۔ دریائے نیل کے بہنے کی آواز اور شور صاف سنائی دے رہا تھا۔ رات کافی دیر تک ہم وہیں رہے عشاء کی

نماز ہم نے وہیں پڑھی۔نماز میں میں نے قرآن کریم کی وہ آیات کریمہ تلاوت کیں جن کا ترجمہ یہ ہے:

''فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرادی اوراس میں یہ بات کہلوائی کہ اے میری قوم! کیا مصر کی سلطنت میری نہیں ہے اور دیکھو یہ نہریں میرے محل کے نیچے بہہ رہی ہیں کیا تم یہ چیزیں دیکھتے نہیں ہو اور موسیٰ کے پاس تو کچھ بھی سامان نہیں ہے۔تم بتلاؤ کہ میں افضل ہوں یا موسیٰ بلکہ میں ہی افضل ہوں اس شخص سے جو مال ودولت کے اعتبار سے بے قدر ہے۔اگر یہ پیغمبر ہوتا تو اس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن کیوں نہ ڈالے گئے۔ یا فرشتے اس کے جلو میں پر باندھ کر آئے ہوتے۔۔(سورۂ زخرف آیت ۵۱۔۵۲ سیپارہ ۲۵)

فرعون کو اپنی بادشاہت پر بڑا گھمنڈ تھا۔اور اسی بنا ہر اس قسم کی فضولیات بکتا رہتا تھا۔اللہ تعالیٰ نے اس کو آخر کار دریائے قلزم ہی میں غرق کردیا' یہ آیات تلاوت کرتے ہوئے جب فرعون کے غرق ہونے کا منظر آنکھوں کے سامنے آیا تو بے اختیار میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور ہچکی بندھ گئی' پیچھے سارے مقتدی بھی خوف الٰہی سے رونے لگے' بڑی مشکل سے میں نے اپنے آپ پر قابو پایا اور تمام ساتھیوں پر عجیب سی کیفیت طاری تھی۔

اس سفر میں ہم نے مصر کے ان تین اہراموں کو بھی دیکھا جو دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کو دیکھنے کیلئے اطراف عالم سے سیاح آتے رہتے ہیں یہ اہرام درحقیقت اپنی بناوٹ اور حجم کے اعتبار سے مخروطی شکل کی بڑی بڑی عمارتیں ہیں جن کی تعمیر میں پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں استعمال کی گئی ہیں۔اسی مقام پر پتھر کا بنا ہوا ابوالہول نامی مشہور زمانہ مجسمہ بھی ہے جس کا چہرہ مسخ ہے۔

فرعون کی لاش:

فرعون کی لاش کے بارے میں ہم نے سنا بھی تھا اور پڑھا بھی تھا کہ وہ اب تک اسی طرح محفوظ ہے لیکن دیکھنے کا موقع کبھی نہیں مل سکا تھا مصر کے سفر میں یہ تاریخی عبرت گاہ بھی دیکھنے کا موقع ملا۔

فرعون ایک ظالم جابر اور سفاک حکمران تھا جس نے ہزاروں بچے صرف موسیٰ

علیہ السلام کی آمد کو روکنے کیلئے قتل کروادیئے تھے اور وہ خدائی کا دعویٰ بھی کرتا تھا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا پیغمبر بنا کر ان کے پاس بھیجا۔فرعون نے حضرت موسیٰ کی نبوت کا انکار کیا ان کی مخالفت اور سرکشی میں حد سے بڑھنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو دریائے نیل میں غرق کر دیا اور قیامت تک آنے والے لوگوں کیلئے عبرت کا نشان بنا دیا اور اس کی لاش آج تک مصر کے عجائب گھر میں موجود ہے۔بعض مؤرخین کی تحقیق کے مطابق یہ اسی فرعون کی لاش ہے جو حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں دریائے نیل میں غرق ہوا تھا۔

حضرت فرماتے ہیں کہ ہم نے بھی فرعون کی اس لاش کو دیکھا اس وقت اس کے بدن پر جگہ جگہ پٹیاں بندھی ہوئی تھیں وہاں کے ایک ذمہ دار شخص نے پوچھنے پر بتایا کہ کچھ عرصے سے اس کا بدن خراب ہونے لگا تھا۔جلد بھر بھری ہو کر گرنے لگی تھی اس وجہ سے اسے فرانس لے جایا گیا جہاں اس کے بدن پر مخصوص قسم کے کیمیکل وغیرہ لگا کر واپس لایا گیا ہے۔یہ سن کر اور اس کی نعش کو دیکھ کر دفعۃً ذہن میں خیال آیا کہ جو شخص "انا ربکم الاعلیٰ" ''یعنی میں ہی تمہارا سب سے بڑا رب ہوں'' کا دعویٰ کر رہا تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح غرق فرمایا اور آج تک وہ لوگوں کیلئے نشان عبرت بنا ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ آج بھی اس طرح کے فرعونوں کو غرق کرنے اور نیست و نابود کرنے پر قادر ہے۔

سبحانه ما اعظم شانه لا يحد ولا يتصور.

بیت المقدس کی حاضری:

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ عراق، شام، اردن اور بیت المقدس جیسے تاریخی مقامات کو دیکھنے کے ذرائع پیدا فرمادیئے ورنہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ یہ خطہ صدیوں تک عالم اسلام کا مرکز رہا ہے۔انبیاء کرام، صحابۂ کرام اور عالم اسلام کے نامور فاتحین کے مزارات دیکھ کر عہد رفتہ کی تاریخ ذہن میں تازہ ہوگئی جو ہم نے کتابوں میں پڑھی تھی۔اور عالم اسلام کی موجودہ حالت زار اور باہمی نا اتفاقی پر دل و دماغ میں حزن و ملال تھا۔اسی نا اتفاقی اور بے حسی کی وجہ سے آج فلسطینی مسلمان قید و بند اور تنہائی کی زندگی گزار

نے پر مجبور ہیں۔

؎ یارب رکھیں گے پنبہ ومرہم کہاں کہاں
سوزِ دروں سے سارا بدن داغ داغ ہے

اردن کے سفر میں جو علماء کرام اور عمائدین ساتھ تھے سب کی خواہش تھی کہ مسلمانوں کے قبلۂ اول بیت المقدس میں بھی حاضری دی جائے۔ اس نیت سے ہم نے فلسطین کا سفر کیا۔ فلسطین میں جگہ جگہ چوکیاں قائم تھیں جس کی وجہ سے بار بار رکنا پڑتا تھا اور آگے جانے کی اجازت لینی پڑتی تھی۔ چند چوکیوں سے تو ہم گذر گئے۔ لیکن آگے جاکر ایک چوکی پر ہمیں روک دیا گیا اور پاکستانی ہونے کی وجہ سے آگے جانے کی اجازت نہ دی گئی۔ اس جگہ سے بیت المقدس کا کچھ حصہ صاف نظر آرہا تھا۔ جس کو ہم نے جی بھر کر دیکھا اور دو رکعت نفل نماز ادا کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا ضرور کی کہ ''اے اللہ ہم تو بیت المقدس کی زیارت کی غرض سے آئے تھے اور ارادہ تھا کہ بیت المقدس میں نماز ادا کریں، لیکن افسوس کہ اس کی صورت نہ بن سکی لیکن اس کے قریب ہی دو رکعت نماز ادا کر کے آپ کی بارگاہ میں دست بستہ دعا کرتے ہیں کہ بیت المقدس کو جلد آزادی عطا فرما اور تمام مسلمانوں کو اس میں نماز ادا کرنے کی صورت مقدر فرما......آمین۔

ہندوستان کا سفر:

؎ شاد باش و شاد زی اے سرزمین دیوبند
تو نے عالم میں کیا اسلام کا پرچم بلند
قوتِ فکر وعمل وہ سطوتِ زور کلام
ہے ثریا بھی ترے فرسان کے زیر کمند
چار سو آفاق میں ہے تیرے علم وفن کی دھاک
تیرے فرزندوں کے آگے بحر قطرہ کوہ سپند

حضرت شہیدؒ فرماتے ہیں کہ عالم اسلام کی مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند علوم

دینیہ کی حقیقی نگہبان ہے جس نے چہاردانگِ عالم میں اسلام کا پرچم بلند کیا۔ اس عظیم ادارے کو دیکھنے کا اشتیاق اور تمنا کس کو نہیں۔ جب دارالعلوم دیوبند کے عظیم الشان صد سالہ اجلاس کا پروگرام بنا تو اس اجلاس میں شرکت کے سبب اللہ تعالیٰ نے اس عظیم دینی درسگاہ کو بھی دیکھنے کی سعادت نصیب فرمائی اور عالم اسلام کے بڑے بڑے علماء کرام محدثین عظام اور اولیاء کرام کی زیارت اور ان کے مفید بیانات سننے کا موقع بھی ملا، اس جلسے میں شریک ہونے والے لوگوں کیلئے حکومت ہند نے سفر کی سہولت کے خصوصی انتظامات کئے تھے۔ شریک ہونے والوں میں علماء کرام کے علاوہ ایک بڑی تعداد میں عوام نے بھی بڑے جوش وجذبے سے شرکت کی تھی۔

اس کے علاوہ دارالعلوم دیوبند میں ایک اور کانفرنس کے سلسلے میں پاکستان کے علمائے کرام کے ایک وفد کے ساتھ بھی ہندوستان جانے کا اتفاق ہوا۔ دارالعلوم کے وسیع وعریض دارالحدیث میں مجلس کے انعقاد کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک اجتماع سے خطاب کرنے کا بھی موقع نصیب فرمایا۔ دارالحدیث مکمل طور پر علماء کرام سے بھرا ہوا تھا۔

اس سفر میں الحمد للہ دارالعلوم کے تمام شعبوں کو تسلی سے دیکھنے کا موقع ملا۔ وہ جگہ بھی دیکھی جہاں سے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنے ایک شاگرد شیخ الہند محمود حسنؒ سے انار کے ایک درخت کے نیچے اسلام کے اس مرکز کی ابتداء کی تھی اور انار کا یہ درخت آج بھی موجود ہے جس کی چھاؤں میں نہ جانے کتنے علمائے کرام محدثین عظام فقہائے کرام اور اولیاء کرام تیار ہوئے اور قیامت تک امت مسلمہ اس سے فیض حاصل کرتی رہے گی۔ دارالعلوم کے چپہ چپہ میں ایک عجیب روحانیت اور نورانیت ہے جسے محسوس کر کے ایمانی کیفیت بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔

اس سفر میں ہم نے ہندوستان کے دوسرے مقامات بھی دیکھے۔ دہلی بھی گئے جہاں مشہور مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفرؔ کی قبر، ولی کامل استاد العلماء والمحدثین حضرت شاہ ولی اللہؒ کی مرقد مبارک اور ان کے خاندان کے بزرگوں کی قبور پر دعاء وسلام کی سعادت بھی

نصیب ہوئی۔حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے دربار پر بھی حاضری کا موقع ملا۔ وللہ الحمد علیٰ ذلک۔

امارت اسلامیہ کے دیس میں:

روس کے تسلط سے آزادی حاصل کرنے کے بعد افغانستان میں تحریک طالبان نے تمام اسلام دشمنوں اور باطل تحریکوں کا قلع قمع کرنے کے بعد ایک مکمل اسلامی نظام نافذ کیا تو صرف اسلامی ممالک ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کی توجہ افغانستان کی طرف ہوگئی۔طالبان نصرت الٰہیہ کے ساتھ اسلامی قانون کا نفاذ کرتے ہوئے تقریباً پورے افغانستان پر چھا گئے امن پسند اور انصاف پرمبنی معاشرے اور ماحول کی بنیاد رکھ لی جس میں ہر فرد اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا تھا۔طالبان کی اس بے انتہا قربانی اور جدوجہد نے امت مسلمہ کے ہر فرد کے دل میں یہ آرزو اور تمنا اجاگر کر دی کہ وہ افغانستان جا کر بنفس نفیس اپنی آنکھوں سے اسلامی نظام کی بہاروں کا مشاہدہ کر لے۔

حضرت اقدسؒ جو کہ اکثر جہادی تنظیموں کی سرپرستی بھی فرماتے تھے پاکستان میں تحریک طالبان کے پرجوش حامی اور ترجمان تھے۔چنانچہ ایک مرتبہ اس سلسلے میں مجاہد اسلام امیر المؤمنین ملا محمد عمر اور عرب مجاہد اسامہ بن لادن سے ملاقات کیلئے افغانستان تشریف لے گئے اور کافی دنوں تک افغانستان میں امارت اسلامیہ کی پرسکون فضاؤں سے لطف اندوز ہوتے رہے۔دوسری مرتبہ علماء کرام کے ایک وفد کے ساتھ جس میں حضرت شہیدؒ کے علاوہ حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب' حضرت مولانا ظہور احمد علوی اور حضرت شہیدؒ کے چھوٹے صاحبزادے علامہ عبدالرشید غازی وغیرہ دوسرے علمائے کرام بھی شریک تھے افغانستان تشریف لے گئے اور ان تمام علماء کرام کی امیر المؤمنین ملا محمد عمر اور اسامہ بن لادن سے ایک خوشگوار اور تفصیلی ملاقات بھی ہوئی اور دوسرے مجاہد کمانڈروں اور قائدین تحریک کے ساتھ بھی کافی ملاقاتیں ہوئیں۔علامہ عبدالرشید غازی بتاتے ہیں کہ علمائے کرام کے ساتھ اسامہ سے ملاقات کے علاوہ تقریباً ایک گھنٹہ تک میں نے اسامہ بن لادن سے

الگ ملاقات کی جس میں مختلف امور کے بارے میں ان سے تبادلۂ خیال ہوا۔ میں نے ان کو بہت ہی متواضع ،فکرمند اور بااخلاق پایاعلامہ عبدالرشید غازی صاحب بتاتے ہیں کہ میں نے اسامہ بن لادن سے تقریباً ایک گھنٹہ انگریزی میں بات چیت کی اس دوران شیخ اسامہ نے پانی پیتے ہوئے درمیان میں گلاس رکھا تو میں نے وہ آدھا گلاس پانی اٹھا کر پی لیااوران سے کہا کہ یہ میں نے اس لئے پیا ہے کہ اللہ مجھے بھی مجاہد بنائے ،جس پر شیخ مسکرائے اور میرے لئے عربی میں دعا کی۔ حضرت شہیدؒ فرماتے تھے کہ افغانستان کے اس دورے میں طالبان کے اسلامی نظام سے مجھے بے حد خوشی ہوئی اس لئے شہادت تک حضرت شہیدؒ کی اکثر مجلسوں اور خاص طور پر نماز جمعہ کے بعد افغانستان کے طالبان کے حق میں دعائیں ضرور ہوتی تھیں۔

طالبان کا افغانستان:

افغانستان پہنچ کر وہاں کی سڑکوں شاہراہوں ،تباہ شدہ بستیوں اور دیگر عمارتوں کی حالت زار دیکھ کر احساس ہورہا تھا کہ وقت کے چنگیزوں اور ظالموں نے کتنی تباہی اور بربادی اس غریب اور نادار ملک میں مچائی ہے۔لیکن اس خستہ حالی اور تنگدستی کے باوجود طالبان کے افغانستان میں امن وامان اور نظم وضبط دیکھ کر ایسا لگا کہ دنیا میں اگر کسی کے پاس انتظام سنبھالنے کا سلیقہ ہے تو وہ صرف طالبان کے پاس ہے۔افغانستان میں داخل ہوتے ہی یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ طالبان نے ٹریفک کے نظام میں انگریزوں کے قانون یعنی بائیں طرف گاڑیوں کے چلنے کے نظام کو ختم کر کے سنت رسول کو زندہ کرتے ہوئے دائیں طرف ٹریفک چلانے کا نظام قائم کیا تھا۔ وہاں کے بعض مجاہد دوستوں نے بتایا کہ طالبان کے آنے سے پہلے اگر کوئی گاڑی والا قندھار سے کابل کی طرف سفر کرتا تو راستے میں کئی پھاٹکوں سے گزرنا پڑتا تھا جو راستے میں جگہ جگہ ہر علاقے کے نام نہاد کمانڈروں نے بنائے ہوئے تھے۔ ہر پھاٹک پر ٹیکس دینا پڑتا تھا جس کی وجہ سے عوام انتہائی مشکلات کا سامنا کررہے تھے اور پوری قوم اس انتظار میں تھی کہ ہمیں ظلم وستم سے نجات دینے والا مسیحا کب

آئے گا؟ بعض اوقات علاقہ کا حاکم جس گھر میں بھی گھس کر کسی کی عزت وعفت سے کھیلنا چاہتا تو اسے روکنے والا کوئی نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین ملا محمد عمر کی قیادت میں طالبان کو اس ظلم وستم اور بربریت سے نجات دینے والا مسیحا بنا کر بھیجا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے جرم وگناہ کی داستانوں کو ہمیشہ کیلئے دفن کر دیا۔ فسق وفجور کی غلاظتوں اور گندگیوں سے بھری اس دھرتی کو اسلام اور ایمان کی روشنی سے پاکیزہ اور قابل احترام بنا دیا۔

ایک خوشگوار واقعہ:

جہاد افغانستان جس کو مجاہدین نے کلہاڑیوں، پرانے طرز کی بندوقوں ڈنڈوں اور لاٹھیوں سے شروع کیا تھا بعد میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جدید اسلحہ سے لیس ہوئے لیکن اس کے باوجود جنگی سازوسامان کی کمی بھی تھی مثلاً ان کے پاس فضائیہ کی کوئی قوت نہ تھی مسافروں کی سواری کیلئے بھی آریانہ انٹرنیشنل ایئرلائن کے جو چند طیارے بچے تھے وہ بھی انتہائی بوسیدہ اور پرانے قسم کے تھے اور چند ہیلی کاپٹر تھے جو بوقت ضرورت استعمال میں لائے جاتے تھے۔ ایسے ہی ایک چھوٹے جہاز کے بارے میں حضرت شہیدؒ فرماتے ہیں کہ افغانستان کے سفر میں ایک دفعہ ہمیں کسی دوسرے شہر میں جانا پڑ گیا تو طالبان نے ہمارے لئے ایک چھوٹا سا پرانا جہاز فراہم کیا جس میں علمائے کرام کا وفد اور چند دیگر کمانڈر حضرات سوار ہوئے یہ طیارہ بھی طالبان جیسا حوصلہ لئے صرف آگے ہی بڑھنا جانتا تھا پیچھے کی جانب چلنے کے قابل ہی نہ تھا۔ چنانچہ جب جہاز کو اسٹارٹ کر کے پائلٹ نے آگے بڑھایا تو راہ میں بجلی کا ایک کھمبا آ گیا جہاز کو روک لیا گیا اب جہاز کو پیچھے کی طرف لے جانا تھا اور وہ پیچھے ہو نہیں سکتا تھا مجبوراً تمام علمائے کرام اور مجاہدین جہاز سے نیچے اترے اور سب نے مل کر جہاز کو دھکا لگایا، بڑی مشکل سے وہ تھوڑا سا پیچھے ہو گیا اور پائلٹ نے اس کو رن وے پر چلا کر اڑا لیا جہاز کو دھکا لگانا بھی ایک انوکھا واقعہ ہے۔ الحمدللہ خیر وعافیت کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچ گئے۔

باب ہفتم

مشاہیر علمائے کرام اور بزرگان دین کے مضامین

باب ہفتم

عالم باعمل مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہ

شہید اسلام حضرت مولانا عبداللہ صاحب (مرحوم) خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد و مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیۃ الفریدیہ اسلام آباد سے احقر کا تعارف اس وقت سے ہے جب وہ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن کراچی میں دورۂ حدیث کے طالب علم تھے اور احقر دارالعلوم کراچی میں مدرس تھا، مولانا کبھی کبھی دارالعلوم تشریف لاتے تھے اور محبت کے ساتھ احقر سے ملاقات کیا کرتے تھے، حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ملیر ٹنکی کی جامع مسجد میں خطیب مقرر کر دیا تھا تو کئی مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ جب وہ وطن جاتے تھے تو احقر سے جمعہ پڑھانے کیلئے فرمایا کرتے تھے احقر ان کی نیابت میں وہاں جا کر جمعہ پڑھاتا تھا، کبھی کبھی وہ اپنے گھریلو حالات کا بھی تفصیل سے بھی ذکر فرمایا کرتے تھے۔

تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد حضرت بنوری رحمہ اللہ نے ان کو اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد کی امامت وخطابت کیلئے مامور فرمایا سبحان اللہ یہ کیسا حسین انتخاب تھا اس کا جواب نہیں، مولانا مرحوم نے تادم آخر اپنا فرض منصبی پورا کیا یہاں تک کہ اسی مرکزی جامع مسجد میں اپنی جان...... جان آفریں کے سپرد کر دی، مولانا بلا امتیاز اسلام آباد کے تمام مسلم حلقوں میں یکساں مقبول اور محبوبیت کے مقام پر فائز تھے، وہ اسلام آباد (جو پاکستان کی مرکزی حکومت کا مستقر ہے) میں بلا خوف ملامت حق کا اظہار اور باطل کی تردید فرماتے تھے، ان کو انبیاء علیہم السلام کی حق گوئی و بیباکی کی سنت کی پیروی میں کیسی کیسی اذیتوں اور مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا اس کی داستان طویل ہے جس کی تفصیلات مرحوم کی سوانح

حیات میں دیکھی جاسکتی ہیں لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تھا کہ مولانا مرحوم کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہیں آئی۔

مرحوم کے مزاج میں تواضع، انکساری، سادگی قابل رشک حد تک موجود تھی وہ کبھی بھی کسی واقف یا اجنبی سے ملاقات میں تکلف نہیں برتتے تھے، ہرایک کے کام کیلئے کمربستہ رہنا ان کی فطرت میں داخل تھا، اسلام آباد مرکز میں کتنے لوگ ملک کے طول وعرض سے اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کیلئے آتے تھے وہ ممکنہ حد تک ہرایک کے ساتھ تعاون فرماتے تھے اور متعلقہ دفتروں کے چکر لگاتے تھے، اسلام آباد کے زمانۂ قیام میں جب بھی وہ کراچی آتے تھے تو ملاقات کیلئے ضرور جامعہ فاروقیہ تشریف لاتے اور ماضی کی یاد تازہ ہوجاتی تھی، مرحوم کے چہرے پر معصومیت ہمیشہ ایسے دلکش انداز میں نمایاں رہتی تھی کہ جس کو دیکھ کر یقین ہوتا تھا کہ اس شخص کے دل ودماغ میں خیرخواہی اور خلوص کے علاوہ کوئی دوسرا جذبہ موجود نہیں، خیال ہے کہ اس معصومیت نے آگے چل کر شہادت کا روپ اختیار کرلیا اور حق تعالیٰ نے ان کو معصومین کی ہم نشینی کا بلند مرتبہ عطا فرمادیا۔ فیا سبحان الله .

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ الفریدیہ اسلام آباد بھی حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی زیرسرپرستی قائم ہوئی تھی بعد میں حضرت مولانا مرحوم کو اس کی ذمہ داری بھی سپرد کی تو اس ادارے نے بھی خوب ترقی کی اب مولانا مرحوم کے لائق فرزند ارجمند مولانا محمد عبدالعزیز سلمہ اللہ تعالیٰ کی زیرقیادت یہ ادارہ مزید ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور پاکستان کے قابل رشک دینی مدارس میں شمار ہوتا ہے، حالانکہ شروع سے اہل زیغ وباطل وطغیان اس ادارے کے ساتھ بھی وہی معاملہ کرتے آئے ہیں جو اس قسم کے لوگوں کا معروف طریقہ ہے۔

اسلام اللہ کا دین ہے اس نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہوئی ہے۔ مخالفتوں کے طوفان اور عداوتوں کے جھکڑ اپنا اپنا جوش دکھاتے رہتے ہیں اور اس طرح قیمتی جانوں کا نقصان بھی ہوتا رہتا ہے لیکن مشاہدہ یہی ہوتا ہے کہ بڑی سے بڑی مصیبت بالآخر ختم ہوجاتی ہے اور ظلم وعدوان کے مرتکب طاغی وباغی اپنے کیفرکردار کو پہنچ کر نیست ونابود ہوجاتے ہیں اور اللہ بزرگ وبرتر کا دین اور اس کی حفاظت کرنے والی جماعت اور ادارے باقی رہتے

ہیں، اسلام سے مخلصانہ وابستگی کے ساتھ غیرت کی زندگی گزارنے والے، جام شہادت نوش کرنے والے دین کے خادم محبت وعقیدت کے ساتھ یاد کئے جاتے ہیں اور کہیں انکے دشمنوں کا نام آجائے تو اہل ایمان ان کی حیا سوز حرکتوں پر ان کے خلافِ اسلام اقدامات پر ناگواری اور نفرت ہی کا اظہار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مولانا مرحوم ومغفور کو اعلیٰ علیین میں بلند مرتبہ ومقام عطا فرمائے، ان کے پسماندگان کو صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائے، ان کی باقیات صالحات کو روزافزوں ترقی کے ساتھ حسنِ قبولیت سے سرفراز فرمائے۔آمین ثم آمین

جامع المحاسن والمکارم حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ

شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمہ اللہ

حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ کو دیکھا، بارہا دیکھا، ان کے کمالات اور خوبیوں کا جو تاثر میرے قلب پر نقش ہے انہیں میں لفظوں میں ادا کرنے سے قاصر ہوں۔

حضرت مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے، احقر کو بھی ان سے قلبی محبت تھی لیکن مشاہدہ کرتے وقت یہ کبھی خیال بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت شہادت کی بلندیوں تک پہنچنے کیلئے ہم سے رخصت ہونے والے ہیں، ان کے علم، عرفان، تقویٰ، حسن سیرت، حسن صورت، بلندی کردار، حسن گفتار، مخلوق کو راحت رسانی کا اہتمام ہر کس و ناکس کی ہر ممکن خدمت کیلئے ہر وقت کمربستہ رہنا، ان کی معاملہ فہمی، ہر معاملہ میں اعتدال پسندی، غرضیکہ کاملین اہل علم میں جو خوبیاں ہونی چاہیئے وہ سب حضرت کی شخصیت میں مجتمع تھیں، ان کے نقوش و تاثرات اب تک قلب پر چھائے ہوئے ہیں۔

حضرت شہیدؒ اعلیٰ درجہ کی فقیری اور درویشی کے مالک بھی تھے، اس کے ساتھ ساتھ اسلام آباد کے بے تاج بادشاہ بھی تھے۔ بڑے سے بڑے مسئلہ میں عمائدین سلطنت اور اہل جبر سے کبھی مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ ہمارے اکابر کی صحیح یادگار تھے، اکابر کی خوبیوں کے جامع تھے علم و دانش حق گوئی اور تواضع ان کا خاص شعار تھا، باجود حسن و جمال، حسن سیرت، جامعیت کمالات اور خوش پوشی کے اپنے کو ایسا مٹا رکھا تھا جیسے کہ ان کے تصور میں ان کا وجود ہی نہیں ہے۔

"اللهم اجعلنی فی عینی صغیرا وفی اعین الناس کبیرا"

کے کامل مصداق تھے دوسرے علماء اور خطباء کی طرح تقریبات، اجتماعات اور جلسوں میں مدعو کئے جاتے تھے اور بڑی چاہت سے ان کو بلایا جاتا تھا۔ بلانے والوں کے

دل ان کی عظمت سے لبریز ہوتے تھے۔لیکن اپنی بڑائی جتانا یا معاذ اللہ ناز ونخرہ کرنا یا اپنے کھانے وغیرہ کیلئے ہدایات کرنا یہ حضرت والا کی عادت نہیں تھی، ایک مقام میں میرا اور حضرت کا ایک جلسہ میں اجتماع ہوگیا، ان کا مرچوں سے پرہیز تھا لیکن خود ہی مجھے فرمایا میں کہتا نہیں کہ میرے لئے پرہیزی کھانا تیار کیا جائے، جو پکا ہوا آجاتا ہے مثلاً گوشت اس کی بوٹیاں پانی سے دھو کر کھالیتا ہوں، ایسی بے نفسی کی مثالیں بہت شاذ ونادر ملتی ہیں اور یہی دراصل علم کی شان ہے۔یہی بے نفسی اہل علم کی زیب وزینت ہے، اسی لئے بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ زیّن العلماء تھے۔زیّن الخطباء تھے، زیّن العارفین تھے، حسن ظاہر وباطن کا مرقع تھے۔اہل حق میں جو اکابر امت ہوئے ہیں ان کے مزاج مختلف تھے اور مختلف ہونے بھی چاہئیں۔

گلہائے رنگا رنگ سے ہے رونقِ چمن
اے ذوقؔ اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

باغ میں ایک ہی قسم کے پھول ہوں گو سب سے فائق ہوں تو باغ میں حسن پیدا نہیں ہوگا، اسی طرح سے گلستان اولیاء کو آراستہ کرنے کیلئے حق تعالیٰ نے مختلف مزاج اور مختلف شان والے علماء پیدا فرمائے ہیں۔سب کی شانِ افادیت نرالی ہے۔اس اختلاف مزاج کے موقع پر اکثر اہل علم بھی افراط وتفریط کا شکار ہوجاتے ہیں بلکہ تحزب اور پارٹی بازی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں حتیٰ کہ دوسرے مزاج کے علماء کی تنقیصِ شان پر اتر آتے ہیں۔یہ افراط وتفریط انتہائی مضر اور نقصان دہ ہے جس کے اثرات معاشرے پر چھائے رہتے ہیں، لیکن جہاں تک حضرت شہیدؒ مولانا عبداللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کا تعلق ہے یہ تو ہوسکتا ہے کہ قلبی وابستگی کسی شخصیت سے زیادہ ہو لیکن تمام مشائخ اور اکابر کی محبت، اکرام، احترام اور ان کی عظمتوں کا قائل ہونا یہ بات حضرت میں راسخ تھی، اس معاملہ میں انتہائی اعتدال پسند تھے، انتہائی شوق وذوق سے حضرت کو دعوت دیا کرتے تھے اور حضرت سب کے ہاں تشریف بھی لے جاتے تھے۔

سب کی خدمت سب کو نفع پہنچانے کی کوشش بھی کرتے تھے لیکن اکرام واحترام کا

پہلوملحوظ رکھتے ہوئے بعض کوافراط سے روکنے کیلئے کوشش بھی کرتے تھے۔اوراس کے لئے طریق کار پراحقر سے بھی حضرت نے مشورہ لیا۔غرضیکہ حضرت کی خوبیاں ایسی ہیں جو کئی دفتروں میں ہی سماسکتی ہیں۔

حضرت اقدس رحمہ اللہ کواللہ تعالیٰ بلندی درجات سے نوازے۔

نامور عالم دین حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ

محدث عصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوریؒ ٹاون کراچی کے فارغ التحصیل اور ہونہار شاگرد تھے۔ موصوف فراغت کے بعد ابتدائی سالوں میں کچھ عرصہ ماہنامہ ''بینات'' کراچی میں خدمات انجام دیتے رہے مگر جلد ہی حضرت بنوری قدس سرہ نے انہیں اسلام آباد کیلئے منتخب فرما کر بھیج دیا۔ موصوف نے اپنے شیخ و مربی کے انتخاب کی لاج رکھی اور اسلام آباد کی سنگلاخ وادی کو کلمہ حق سے معمور کر دیا۔ تاثر یہ ہے کہ جو لوگ سرکاری ملازم ہو جاتے ہیں ان کے مزاج سے مولویت نکل جاتی ہے مگر دنیا جانتی ہے کہ موصوف اتنے بڑے عہدے پر ہونے کے باوصف متصلب دیوبندی اور پختہ کار عالم دین رہے۔ انہوں نے حق گوئی کے معاملہ میں کبھی سودے بازی نہیں سے کام نہیں لیا۔ کہتے ہیں کہ سابق صدر مرحوم ضیاءالحق صاحب سے کسی نے کہا کہ آپ مصر، عرب کی طرح ان دینی مدارس کو سرکاری تحویل میں کیوں نہیں لے لیتے؟ اس پر انہوں نے کہا نہ بھائی نہ، دیکھو اسلام آباد میں ایک مولوی عبداللہ صاحب ہیں ہمارے قابو میں تو وہ بھی نہیں آتے۔ اگر سارے مولوی اکٹھے ہو جائیں گے تو ہم ان پر کیوں کر قابو پا سکتے ہیں؟

مولانا شہید کو بھٹو دور میں زدوکوب کیا گیا اغوا کر کے پہاڑوں میں پھینکا گیا۔ مگر موصوف نے حق گوئی کے معاملہ میں کبھی مصالحت نہیں کی۔ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے گوناں گوں اوصاف و کمالات سے متصف فرمایا تھا وہ ہر ایک کی ضرورت اور دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے تھے ان سے کسی کا دکھ درد دیکھا نہیں جاتا تھا۔

ان کے پاس اپنے کام سے جو بھی چلا جاتا مولانا اپنے کاموں کو مؤخر کر کے اس کے ساتھ چل پڑتے اور اس کا کام کرائے بغیر چین سے نہیں بیٹھتے تھے۔

مولانا کا قتل علم ودیانت اور شرافت ونجابت کا قتل ہے ایسے بے لوث اور مخلص علماء (جو اس دور میں حق کی علامت سمجھے جاتے ہیں) کا قتل کسی گہری سازش کا پیش خیمہ معلوم ہوتا ہے۔ عام تاثر یہ ہے کہ یہ حکومت اور ایجنسیوں کا کام ہے کیونکہ مولانا کا پاکستان میں ایک اثر تھا اور خصوصا اسلام آباد میں وہ ایک خاص مقام رکھتے تھے اور وہ حکومت کے غیر شرعی عزائم کی تکمیل میں رکاوٹ تھے اگر یہ سچ ہے تو سمجھنا چاہئے کہ یہ حکومت اور ایسی سوچ رکھنے والوں کی تباہی کا پروانہ ہے کیونکہ حق سے ٹکرانا اپنی تباہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے اگر حکومت یہ سمجھتی ہے کہ وہ اس طرح کے اوچھے ہتھکنڈوں سے حق کو مٹانے کی ناپاک کوشش میں کامیاب ہوجائیگی تو یہ اس کی بھول ہے۔

ان کا ایک کمال یہ تھا کہ وہ باقاعدہ کسی جماعت یا پارٹی میں شامل نہیں تھے۔ مگر اہل حق کی ہر جماعت کو اپنی جماعت اور ہر پارٹی کو اپنی پارٹی سمجھتے اسی طرح اہل حق کی ہر جماعت ان کو اپنا نمائندہ تصور کرتی۔ مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ نے اپنے علمی ذوق اور اشاعت دین حق کی غرض سے اسلام آباد میں جامعہ فریدیہ کے نام سے ایک معیاری دینی ادارہ قائم فرمایا تھا جہاں حفظ وناظرہ سے لیکر دورۂ حدیث اور تخصص فی الفقہ تک تمام علوم وفنون کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت شہیدؒ کے تمام کارناموں اور خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ان کیلئے صدقۂ جاریہ بنا کر درجات بلند فرمائے۔ اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

وصل اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد و آله و اصحابه اجمعین۔ آمین۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کی ناگہانی شہادت

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہ العالیہ

17/ اکتوبر ہی کو دوسرا المناک حادثہ حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ کی ناگہانی شہادت کا پیش آیا۔ میں 12/ اکتوبر سے چھ دن کیلئے اپنے عدالتی کام کے سلسلے میں اسلام آباد میں مقیم تھا۔ اسلام آباد حاضری کے موقع پر کسی طرح حضرت مولانا عبداللہ صاحب سے ملاقات ہوجایا کرتی تھی، مگر 12/ اکتوبر سے 17/ اکتوبر کے وقفے میں مجھے ان سے ملاقات کی سعادت حاصل نہ ہوسکی۔ ان کے فاضل صاحبزادے مولانا عبدالعزیز صاحب تقریباً روزانہ تشریف لاتے رہے، انہوں نے اپنے والدگرامی کا پیغام بھی پہنچایا کہ میں کسی وقت ان کی مسجد یا مدرسے میں حاضری دوں، میں نے اسے اگلے ہفتے پر مُحوّل کردیا اور حاضر نہ ہوسکا، مجھے کیا خبر تھی کہ اگلے ہفتے ان سے ملاقات مقدر نہیں، اور اب بصد حسرت والم ان کی قبر ہی پر حاضری ہوگی۔

17/ اکتوبر کی صبح بنوں کانفرنس میں شرکت کر کے رات کو پشاور سے کراچی پہنچا تو میرے بیٹے عزیزم مولوی عمران اشرف سلمہ، نے یہ جانکاہ خبر سنائی کہ آج ہی دوپہر کے وقت کچھ نامعلوم ظالموں نے حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب کو شہید کردیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ سے ہمارا تعلق زمانہ طالب علمی سے تھا۔ ہم دارالعلوم کراچی میں پڑھتے تھے اور وہ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحبؒ کے مدرسے جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن میں پڑھتے تھے (جو اس وقت مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کے نام سے مشہور تھا) دینی مدارس میں یہ طریق کار تو مدت سے رائج ہے کہ جمعہ کی شب میں طلبہ جمع ہوکر تقریر وخطابت کی مشق کیا کرتے ہیں۔ ان میں سے جو طلبہ

خطابت میں قدرے نمایاں ہو جائیں انہیں مدرسے سے باہر بھی خطابت کیلئے مدعو کیا جاتا ہے۔ حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ ایسے ہی طالب علموں میں ایک نمایاں حیثیت رکھتے تھے اور طالب علمی ہی کے زمانے میں ان کے حسن خطابت کی شہر کے دینی حلقوں میں خاصی شہرت تھی اور ان کی تقریر سننے کیلئے اطراف سے انہیں مدعو کیا جاتا تھا۔

خطابت کی حد تک اس قسم کی شہرت بہت سے طلبہ کو حاصل ہو جاتی ہے لیکن بسا اوقات خطابت کا شوق ایک تو طالب علم کا ذوق اور جذبۂ تحقیق کم کر دیتا ہے، دوسرے مجمع کی طرف سے اظہار پسندیدگی بعض اوقات انسان میں خود پسندی کا جذبہ پیدا کر دیتی ہے جو رفتہ رفتہ اسے اخلاص کی صراط مستقیم سے شہرت کی طلب کی طرف لیجاتی ہے۔ لیکن مولانا عبداللہ صاحبؒ کا معاملہ بالکل مختلف تھا۔ وہ صرف ایک اچھے خطیب ہی نہ تھے، ان میں کسی قسم کے عجب یا پندار کا بھی کوئی شائبہ نہ تھا، وہ ہمیشہ سے متواضع، منکسر المزاج اور خوش اخلاق انسان تھے جن سے مل کر انسان کو دل میں ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے۔ (مجھے یاد ہے کہ انہی کے ایک اور ہم سبق تھے جو انہی کی طرح اچھے خطیب تھے مگر خطابت کے زعم اور جوش میں وہ اساتذہ کی صحبت و تربیت سے غافل ہو گئے اس کے نتیجے میں خطابت ان کیلئے فتنہ بن گئی۔ اور آج ملک وملت کی خدمت کے حوالے سے انہیں کوئی جانتا تک نہیں۔)

اسی زمانے میں اسلام آباد کا نیا شہر تعمیر ہو رہا تھا اور دارالحکومت کو کراچی سے وہاں منتقل کیا جا رہا تھا، اسلام آباد کے نئے شہر میں اس وقت جو سب سے بڑی مسجد تعمیر ہوئی اس کا نام ''مرکزی جامع مسجد'' تھا چونکہ اس کا رنگ سرخ تھا، اس لئے لوگوں کی زبان پر ''لال مسجد'' کا نام مشہور ہو گیا۔ مولانا عبداللہ صاحبؒ اپنے اساتذہ کرام کے مشورے سے اس مسجد کے امام و خطیب مقرر ہوئے اور یہ مسجد ان کے فیض رسانی کا مرکز قرار پائی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اخلاص سے بھی نوازا تھا اور سوز دروں سے بھی۔ وہ علم و عمل سے بھی آراستہ تھے اور حسن عمل سے بھی۔

ان کے کلام میں حد درجہ تاثیر تھی اور شخصیت میں انتہائی جاذبیت، چنانچہ انہوں

نے اس مسجد کے ذریعے دعوت وتبلیغ اور اصلاح کا بڑا کام کیا۔ نہ جانے کتنی زندگیوں میں ان کی دعوت کے نتیجے میں انقلاب آیا، کتنے لوگوں کو دین کی صحیح معلومات بہم پہنچائیں، کتنی خرابیوں کی اصلاح ہوئی اور کتنے فتنے ان کی کوششوں سے فرو ہوئے۔ اس مسجد کا انتظام حکومت کے ہاتھ میں تھا، اس لحاظ سے وہ ایک سرکاری افسر تھے (اور اب ان کا عہدہ غالباً جوائنٹ سیکرٹری کے برابر تھا) لیکن انہوں نے یہ کام ملازمت کیلئے نہیں دعوت کی غرض سے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کیا تھا۔ لہٰذا حکومت سے ان کا یہ تعلق کبھی حق گوئی میں مانع نہیں ہوا۔ انہوں نے اس مسجد کے منبر ومحراب سے وہی بات کہی جو ان کے نزدیک دین کا تقاضا تھی اور حکومت کے قابل تنقید اقدامات پر نہ صرف یہ کہ کبھی سکوت اختیار نہیں کیا، بلکہ کھل کر حکومت کو اس کی غلط کاریوں پر ٹوکا اور بلاخوف لومۃ لائم حق کا پیغام پہنچاتے رہے۔

ایسی حکومتیں بھی آئیں جنہوں نے مولانا کے اس اخلاص، حق گوئی اور جذبے کی قدر کی اور ایسی بھی آئیں جنہوں نے انہیں اپنے راستے کا کانٹا سمجھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں غیر معمولی ہر دلعزیزی عطا فرمائی تھی، اس لئے ایک مرتبہ کے سوا انہیں براہ راست معزول کرنے کی جرأت تو کسی کو نہیں ہوئی، لیکن مختلف حکومتوں کی طرف سے انہیں تنگ کرنے کا سلسلہ بار بار جاری رہا، بعض حکومتیں تو خاص طور پر ان کے درپے آزار ہوئیں، انہیں ایک مرتبہ اغواء بھی کیا گیا، اور حق گوئی کی پاداش میں انہیں نہ جانے کتنی صعوبتیں اٹھانی پڑیں۔ ایک مرتبہ انہیں معزول کرنے کی بھی کوشش کی گئی، لیکن عوام (ان پر جان فدا کرتے تھے) نے اس کوشش کو اس طرح ناکام بنایا کہ بدخواہوں کو رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ سے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کا یہ مقولہ بار ہا سنا کہ:

> ”حق بات، حق نیت اور حق طریقے سے کہی جائے تو کبھی بیکار اور بے اثر نہیں ہوتی“

مولانا عبداللہ صاحبؒ کے انداز دعوت وخطاب میں بفضلہٖ تعالیٰ یہ تینوں باتیں

جمع نظر آتی تھیں۔ چنانچہ اسلام آباد میں مولانا عبداللہ صاحب ایک ایسی شخصیت کے طور پر مشہور ومعروف تھے جس سے عوام وخواص سب محبت کرتے تھے۔اعلیٰ سرکاری افسران ہوں یا چپڑاسی اورمزدور،سب ان کے اخلاص،ان کی للّٰہیت اوران کی حق گوئی کے معترف تھے۔ وہ ہرایک کے دکھ درد میں شریک رہتے، ہرایک کی خدمت کیلئے تیار رہتے،اور دوسروں کی مشکلات میں ان کی مدد کرنے کواپنے مقاصد میں شمار کرتے تھے۔دین کیلئے کوئی سرگرمی یا کوئی کام ہو،مولانا عبداللہ صاحبؒ دل وجان سے اس کیلئے حاضر اوراس کیلئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کیلئے تیار تھے۔

اسلام آباد میں کوئی قابل ذکر دینی مدرسہ نہیں تھا۔ہمارے محبّ ومکرم جناب الحاج اختر حسن (جواس وقت حکومت میں شاید جوائنٹ سیکرٹری تھے) نے ایک چھوٹا سا مدرسہ F-6/4 کے ایک چھوٹے سے فلیٹ میں قائم کیا تھا۔ جب حاجی اختر حسن صاحب ریٹائر ہونے کے بعد کراچی منتقل ہوئے تو یہ مدرسہ مولانا عبداللہ صاحب شہیدؒ کے حوالے کرآئے ۔مولانا نے اپنی انتھک جدوجہد سے اسے ایک بڑے معیاری مدرسے میں تبدیل کردیا۔ الحمدللہ مارگلہ کے دامن میں اسلام آباد کا سب سے بڑا مدرسہ ہے جس میں سینکڑوں طلبہ دینی علوم سے بہرور ہورہے ہیں۔مولانا عبداللہؒ اس مدرسہ کے مہتمم تھے اوراسے بزرگوں کے طریقے پر اخلاص اوردردمندی سے چلارہے تھے۔

مرکزی جامع مسجد کے ساتھ ہی انہوں نے لڑکیوں کی تعلیم کیلئے ایک مدرسۃ البنات بھی قائم فرمایا تھا جو ماشاءاللہ اب بھی نہایت کامیابی سے چل رہا ہے جس میں ان کی بہوبھی درس دیتی ہیں۔گزشتہ سال سے وہ مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے چیئرمین بھی تھے، اورعالمی سطح پر رویت ہلال کے مسائل کوخوش اسلوبی سے حل کرنے کیلئے کوشاں تھے۔

پچھلے دنوں فرقہ وارانہ تشدد کی جس لہر نے ملک بھر کواپنی لپیٹ میں لیا،اس سے ہر دردمند مسلمان پریشان ہے۔مولانا عبداللہ صاحبؒ ان لوگوں میں سے تھے جواس فرقہ وارانہ تشدد کے مسئلے کومعقولیت اوراصولوں کی بنیاد پرحل کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے

تھے۔خلاصہ یہ کہ پچھلے تقریبا پینتیس سال کے دوران ملک میں کوئی دینی سرگرمی ایسی نہ تھی جو اجتماعی سطح پر اٹھی ہو اور اس میں مولانا عبداللہ صاحب ؒ کا فعال حصہ نہ ہو۔ وہ جامعہ فریدیہ میں اہتمام کے ساتھ درس بھی دیتے۔ مرکزی مسجد کی امامت وخطابت کے ساتھ درس قرآن کا بھی متواتر سلسلہ رہتا۔ مدرسۃ البنات کی دیکھ بھال بھی فرماتے۔ اوران تمام مصروفیات کے ساتھ دین کو عملاً نافذ کرنے کیلئے ہر جدو جہد میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔

انہوں نے تعلقات کو کبھی ذاتی مفاد کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا۔ ہر حال میں وہ اپنی درویشانہ وضع پر قائم رہے۔ مسجد کے ساتھ ہی ایک چھوٹے سے مکان میں قیام تھا۔ ان کے گھر والے بتاتے ہیں کہ وہ اپنا ہر کام خود کرنے کے عادی تھے اور بیوی بچوں سے بھی اپنی کوئی خدمت نہیں لیتے تھے، عمر بھر اپنے گھر والوں کے ساتھ کبھی کوئی سخت برتاؤ نہیں کیا۔ کھانا بھی سادہ اور کم کھانے کے عادی تھے اور اس کیلئے بھی گھر والوں کو ادنیٰ زحمت دینے سے پرہیز کرتے تھے۔ اتباع سنت کا خاص اہتمام اور ذوق تھا۔ اور ہر چیز میں اتباع سنت کی کوشش فرماتے تھے۔ وہ خود ایک بزرگ سے مجاز بیعت تھے لیکن اپنے آپ کو اس حیثیت سے پیش نہیں کیا۔ تواضع اور مسکنت ان کی ہر ادا سے نمایاں تھی اور یہی وہ جوہر ہے جس نے انہیں ہر دلعزیزی کے مقام رفیع تک پہنچایا۔

17/اکتوبر کو وہ حسب معمول جامعہ فریدیہ میں درس دینے کے بعد اپنے گھر تشریف لائے، مسجد کے احاطے سے گھر کی طرف جانے کیلئے دیوار میں ایک چھوٹا سا دروازہ نما خلا ہے، جب اس کے سامنے پہنچے تو ایک شخص پہلے سے اس دروازے میں کھڑا مولانا ؒ کی تاک میں تھا، اس نے مولانا پر بے تحاشا فائرنگ شروع کردی۔ مولانا کے نوجوان فاضل صاحبزادے مولانا عبدالعزیز صاحب اس وقت دوسری گاڑی میں بیٹھ کر جانے کی تیار کررہے تھے اور اپنے والد کو دیکھ کر ان سے ملنے کیلئے آگے بڑھے تھے، اچانک فائرنگ دیکھ کر وہ فائر کرنے والے کی طرف لپکے، مولانا اس وقت تک متعدد گولیاں کھا کر زمین پر گر چکے تھے، اپنے صاحبزادے کو فائر کرنے والے کی طرف جاتے دیکھا تو فرمایا کہ ”بیٹا!

سامنے نہ جاؤ، گولی لگ جائے گی‘‘ مولانا محمد عبدالعزیز پر واقعی فائر ہوئے، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا اور گولی ان کی قمیص سے لگتی ہوئی گزر گئی۔ مولانا کو جلدی سے گاڑی میں لٹا کر ہسپتال لیجانے کی کوشش کی گئی، راستے میں بھی ان کے ہونٹ غالباً ذکر اللہ سے حرکت میں تھے، مگر ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی وہ شہادت کے مقام بلند تک رسائی حاصل کر چکے تھے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ نے انہیں مولانا عبدالعزیز کی شکل میں خلف صالح بھی عطا فرمایا، انہوں نے جس طرح اس نوجوان کی تربیت کی وہ بھی ایک مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم وعمل کی دولت سے مالا مال فرمایا ہے اور اس کے ساتھ اعتدال وتوازن کی نعمت بخشی ہے۔ مولانا کے سنگدلانہ قتل پر جب کچھ لوگ بے قابو ہوکر توڑ پھوڑ کرنے لگے تو مولانا عبدالعزیز نے انتہائی موثر اور متین انداز میں انہیں اس حرکت سے منع کیا اور لوگوں کی جان و مال پر بلاوجہ حملہ آور ہونے کے خلاف تقریر کی۔ جس شخص نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے محبوب باپ کو خون میں نہاتے دیکھا ہو، اس کا ایسے موقع پر صبر وہمت کی تصویر بن جانا اور اعتدال وتوازن کا دامن نہ چھوڑنا قابل صد مبارک باد ہے، اور حضرت مولانا عبداللہ صاحب کے فیض تربیت کا خوبصورت نمونہ۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر، علم اور عمل میں برکت عطا فرمائے اور انہیں اپنے والد کے مشن کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ایک جلیل القدر عالم دین کی شہادت

شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان صاحب دامت برکاتہ العالیہ

الحمدللہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ نبیہ وصفیہ سیدنا محمد ﷺ وصحبہ وعلی من سلک علیٰ ھداہ فی شؤن حیاتہ وھدیہ وبعد!

ہمارے محترم ومکرم ساتھی اور دوست حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ جو ایک جلیل القدر جید عالم دین اور ایک بلند پایہ خطیب بھی تھے۔متعدد اوصاف کے مالک تھے۔

مرحوم انتہائی درجے کے سخی انسان تھے،غریبوں،یتیموں اور بے سہارا لوگوں پر حد درجے کی شفقت فرمایا کرتے تھے۔موصوف نے جہاد کے میدان میں تو شجاعت کے جوہر دکھائے اس کے ساتھ ساتھ دعوت وتبلیغ کے میدان میں بھی وہ کسی سے پیچھے نہیں رہے۔انہوں نے ہمیشہ حق بات حق طریقے سے کہی۔اس سلسلے میں وہ کسی ملامت کرنے والے کی مطلق پرواہ نہیں کرتے تھے۔ساری زندگی اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے وقف کررکھی تھی۔حکمرانوں کے سامنے حق بات کہنے کے عادی تھے۔ان کی حق گوئی کو روکنے کیلئے مختلف مالی ترغیبات دی گئیں۔جان سے مارنے کی دھمکیاں بھی دی گئیں اور حکمرانوں نے ان کو اپنے سیاسی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی بھرپور کوشش بھی کی۔لیکن وہ اپنے مذموم مقاصد میں کبھی کامیاب نہ ہوسکے۔اس مرد جری کو جھکانے میں وہ ہمیشہ ناکام ہی رہے۔اور وہ آخر دم تک اس طرح اپنے زور خطابت اور حق گوئی کے ذریعہ باطل قوتوں اور جابر حکمرانوں کیخلاف آواز بلند کرتے رہے اور اسلام کا دفاع کرتے رہے۔

یہی وجہ تھی کہ عالمی کفریہ طاقتیں اور ملک کے ظالم حکمران ان کو برداشت نہ

کر سکے بالآخر وہ ان کو اپنے راستے سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئے۔اور نہایت ہی بے دردی سے دن دھاڑے حضرت کو شہید کر دیا ،

انا للہ و انا الیہ راجعون

حضرت شہیدؒ ایسے جلیل القدر علماء کرام میں سے تھے جن کی سرمدی خدمات زندگی کے تمام میدانوں میں ہمیشہ نمایاں نظر آتے ہیں۔

(فرحمه الله تعالیٰ رحمة واسعة وبارک فی اعماله الخیریه)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت شہیدؒ پر رحمت واسعہ ،کاملہ نازل فرمائے اور ان کے نیک اعمال میں مزید ترقی عطا فرمائے اور ان کی اولاد کو ان کا بہترین جانشین بنائے۔آمین

حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ کی زندگی کی ایک جھلک

شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم

پاکستان کا دارالخلافہ کراچی سے اسلام آباد منتقل ہونے کے بعد یہاں سب سے اہم مسئلہ نئی تعمیر شدہ مساجد میں اہل حق ائمہ کی تقرری کا تھا۔ کیونکہ اسلام آباد ایک نیا شہر تھا جسکی آبادی مسلسل بڑھتی جارہی تھی۔اس کی سب سے بڑی مسجد جو آج تک ایک مرکزی حیثیت رکھتی ہے لال مسجد کے نام سے مشہور ہے۔جس میں سیکرٹریٹ کے افسران اور ملازمین حضرات بھی نماز ادا کرتے تھے۔اس مسجد کے ذمہ دار حضرات نے جب حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ سے اس مرکزی مسجد کی امامت اور خطابت کیلئے موزوں شخصیت کے بارے میں مشورہ کیا تو حضرت بنوریؒ کی دور رس نگاہوں نے اپنے ایک خاص شاگرد کا انتخاب فرمایا جو کہ کراچی کی ایک مسجد میں خطابت کرتے تھے۔ یہ شاگرد مولانا محمد عبداللہ (شہیدؒ) حضرت بنوریؒ کے حکم پر کراچی کو خیر باد کہہ کر لال مسجد کی خطابت کیلئے اسلام آباد تشریف لے آئے۔

مولانا مرحومؒ نے اپنے استاد کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی نبھایا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ''لال مسجد'' حق وصداقت، جرأت واستقامت، دین کی سربلندی، ظلم کے خلاف آواز اٹھانے اور پاکستان میں نفاذِ اسلام کیلئے جدوجہد کا نشان بن گئی۔

پاکستان ہی نہیں پوری دنیا میں اگر مسلمانوں پر کہیں ظلم وزیاتی ہورہی ہوتی حکومت کے ایوانوں سے اسلام کے خلاف اگر کہیں کارروائی ہوتی تو اس کے بارے میں موثر آواز ''لال مسجد'' سے اٹھتی۔مولانا عبداللہ شہید کی آواز میں بلا کا اثر تھا حکومت نے اس آواز کو بارہا دبانے کی کوشش کی۔لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد سے یہ آواز نہ تو دب سکی البتہ دبانے

والے اپنی طاقت کے باجود معدوم ہوگئے ۔مولانا کے اخلاص کی برکت تھی کہ اس مسجد کو پورے ملک میں مرکزیت حاصل ہوگئی اور ہر موقع پر یہاں سے قائدانہ تحریک اٹھتی رہی، ختم نبوت کا مسئلہ ہو، کفریہ طاقتوں کے خلاف جہاد ہو، ناموس صحابہؓ کا دفاع ہو، اسلامی نظام کے نفاذ کا مسئلہ ہو، شریعت بل کی تحریک ہو، ملک کے اجتماعی مسائل ہوں۔ ہر موقع پر مولانا مرحوم صف اول میں ہوتے تھے۔مولانا مرحوم اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بارہا قید وبند کی صعوبتوں سے دوچار ہوئے۔تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ میں دیگر علماء کے ساتھ آپ بارہا گرفتار ہوئے۔

منبر ومحراب سے حق گوئی کے صلہ میں بھی آپ کو اغواء کیا گیا۔ایک بار پیپلز پارٹی کے دور میں فحاشی و بے حیائی کے خلاف تقریر کرنے پر آپ کو گرفتار ہی نہیں بلکہ اغواء کیا گیا اور مختلف جنگلوں اور بیابانوں میں پھرا کر ایذائیں دی گئیں، آنکھوں پر پٹی اور ہاتھ پیچھے باندھ کر تکالیف دی گئیں۔مولانا نے خندہ پیشانی سے ان تکالیف کو برداشت کیا۔مولانا اپنی گرفتاری کی وجہ پوچھتے تو پیپلز پارٹی کے ایک صوبائی وزیر کے حکم کی تعمیل بتلاتے۔مولانا کے اس اغواء پر اسلام آباد اور ملک بھر میں احتجاج کیا گیا۔ پریس کے ذریعہ علماء کرام نے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ علماء کرام کی ان پریس کانفرنسوں کے بارے میں مولانا سے خفیہ اداروں نے تفتیش کی۔اور علماء کرام سے تعلقات کے بارے میں پوچھا کہ علماء کرام کیوں آپ کے بارے میں پریشان ہورہے ہیں ایک بار حکومتی ادارے آپ سے ناراض ہوئے آپ کو مجبور کیا گیا کہ جمعہ کا خطاب آپ نہ کریں۔

علماء کے باہمی مشورہ سے طے ہوا کہ ایک جمعہ مولانا نہ پڑھائیں اور ان کی جگہ مجھے پڑھانے کا مشورہ ہوا اس کے بعد مولانا حسب سابق اپنے فرائض انجام دینے لگے۔

آپ کی زندگی کا ایک اہم پہلو جذبہ خدمت خلق تھا، علماء کا منبر ومحراب سے تعلق عوام سے رابطہ کا اہم ذریعہ ہے۔ بہت سے علماء نہ کسی کے کام آتے ہیں نہ ضرورتمندوں کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں نہ لوگوں کی مشکلات حل کرنے کیلئے اپنے اثر ورسوخ کو استعمال

کرتے ہیں مولانا اس معاملے میں اس دور میں ایک مثالی شخصیت کے مالک تھے۔ پورے ملک سے لوگ ان کے پاس اپنی حاجات ومشکلات اور پریشانیوں کے سلسلہ میں حاضر ہوتے۔ مولانا بغیر واقفیت وشناسائی کے ہر ایک کی خدمت کرتے۔ مرکز میں رہنے کیوجہ سے افسران اور حکومتی ادارے آپ کی عزت کراتے۔ متعلقہ لوگوں کو فون کر کے یا خط لکھ کر مقصد برآری کرتے۔ اہم کام کے سلسلے میں مولانا خود جا کر کام کراتے گویا حدیث " **تعین علی نوائب الحق** " پر عمل پیرا ہوتے اگر متعلقہ افسر مولانا کے واقف نہ ہوتے تو کسی اور عالم سے مدد حاصل کرتے۔ بارہا ایسا ہوا کہ مجھے فون کرتے کہ سنا ہے فلاں افسر آپ کا واقف ہے فلاں شخص کا اس کے پاس کام ہے اس کے لئے آپ سفارش کر دیں۔

عرب ممالک کے سفارت کار آپ سے عزت واکرام سے پیش آتے۔ عربی آپ روانی سے بولتے جب بھی علماء آپ کے ساتھ جاتے تو ترجمانی کے فرائض آپ ہی سرانجام دیتے۔ راقم کو حضرت مولاناؒ کے ساتھ کئی بار عرب ممالک کے سفر میں جانے کا موقع ملا جن میں سعودی عرب، کویت، مصر، عراق، اردن، عرب امارات وغیرہ ممالک شامل ہیں۔ مولانا کے ساتھ سفر ہمیشہ پر لطف ہوتا بعض اسفار میں احباب آپ کو "**الامین العام**" کے لقب سے یاد کرتے جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مولانا عبدالقادر آزاد صاحب خطیب شاہی مسجد لاہور بڑے ظریف الطبع، ذہین وفطین شخصیت مالک تھے۔ بارہا عرب ممالک کے سفر ان کے ساتھ ہوئے، انہوں نے مجلس العلماء کے نام سے اپنی ایک تنظیم بنائی ہوئی تھی۔ جس کے خود وہ امیر تھے۔ اور مولانا شہید رحمہ اللہ کو اس کا "**الامین العام**" مقرر کیا ہوا تھا۔ پورے سفر میں ہم سب مولانا کو "الامین العام" کے لقب سے یاد کرتے۔ جس سے مولانا کے چہرے پر خاص معصومانہ مسکراہٹ طاری ہو جاتی۔ مولانا سراپا شفقت تھے غصہ کبھی ہم نے ان میں نہیں دیکھا۔ بہت زیادہ خلاف طبع بات دیکھتے (جس سے وقتی طور پر غصہ آنا فطری معاملہ ہے) مگر مولانا مرحوم صرف اللہ کے بندے، یا، اللہ کی بندی کہہ کر اظہار فرماتے۔ آگے کسی کے بارے میں سخت جملہ کہنا آپ سے بہت بعید بات تھی۔ مولانا کسی کی

تکلیف دیکھ کر پریشان ہوجاتے ۔اور تکلیف ومصیبت زدہ انسان کی خدمت کرنے سے خوش ہوتے ۔میں نے مولانا کو اپنے استاد مولانا عبدالشکور صاحبؒ کا حضرت تھانویؒ سے نقل کردہ واقعہ سنایا کہ ایک صاحب کا نام احمد غمگین تھا وہ اپنے گھر ایک دن آیا سخت پریشان تھا گھر والوں نے پوچھا کیوں پریشان ہو کہنے لگا ابھی ایک کمہار کا گدھا دیکھا جس کی دم نہیں تھی ۔گھر والوں نے کہا کہ پھر آپ کو پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے ۔احمد غمگین کہنے لگے کہ مجھے پریشانی یہ ہے کہ اگر یہ دم کٹا گدھا کہیں کیچڑ میں گر گیا تو اس کو وہ کمہار کیسے اٹھائے گا اگر اس کی دم ہوتی تو پکڑ کر اٹھاتا۔ پھر میں کہتا کہ حضرت آپ بھی لوگوں کے غم میں گھلے جارہے ہیں ۔مولانا شہیدؒ اس بات پر بے ساختہ مسکرائے ۔آپ کی رحم دلی کا مشاہدہ میں نے کئی بار کیا۔ایک بار میں اور حضرت مولانا شہیدؒ رمضان المبارک میں عمرہ کیلئے گئے واپسی میں عرب امارات رکنے کا ارادہ کیا۔میں نے اپنے تایا زاد بھائی حاجی خلیل الرحمٰن صاحب (جو عرصہ سے دبئ میں مقیم تھے) کو ویزا کیلئے کہا انہوں نے بڑی مشکل سے ویزا کا انتظام کیا اس سفر میں ایک بار دبئ سے ابوظہبی جارہے تھے،تقریباً عشاء کا وقت ہو گیا تھا راستہ کی ایک مسجد میں نماز عشاء ادا کی ۔نماز کے بعد استنجاء کیلئے مولانا ''حمام'' یعنی غسل خانہ میں گئے ۔کافی دیر لگائی میں نے پوچھا حضرت کیوں اتنی دیر کردی ۔فرمانے لگے کیا کروں ایک لال بیگ پانی میں گر گیا تھا اس کے نکالنے میں دیر لگ گئی ۔جو شخص لال بیگ کو بھی تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا اس سے کسی انسان کو کیسے تکلیف پہنچ سکتی ہے ۔مولانا کی طبیعت میں بلا کی سادگی تھی ۔لباس اور خوراک میں کوئی تصنع اور تکلف نہ تھا۔عربی لباس ان کی زندگی کا لازمہ تھا۔خوراک میں اتنی سادگی کہ پر تکلف کھانوں سے یکسو رہتے ۔سفر میں بھی دہی دودھ سے چند نوالے کھا کر گزارہ کرتے ۔بارہا کشمیر مری وغیرہ کے سفر میں مولانا کے ساتھ رہا۔ایک بار کشمیر کے سفر میں صبح کے وقت مری پہنچے ہم ہوٹل میں چائے کیلئے رکے تو دیکھا کہ مولانا سبزی کی دکان سے سخت سردی میں کچے شلغم خرید رہے ہیں ۔دریافت کرنے پر فرمایا کہ یہ میرا ناشتہ ہے ۔حکیموں نے مجھے اس کی افادیت کا بتلایا ہے ۔آپ کا آزاد کشمیر

،مری وغیرہ کے پہاڑی علاقوں میں تبلیغی پروگراموں اور اس کے مدارس کے جلسوں میں بہت جانا ہوتا ہم نے حضرت مرحوم کا لقب امام الجبال رکھا ہوا تھا کہ دشوار گزار علاقوں میں سفر آپ کیلئے مشکل نہ ہوتا۔آپکی تقریر و بیان میں انتہائی سوز و گداز ہوتا۔جس کا لوگوں پر بڑا اچھا اثر پڑتا۔بیان میں قرآن کریم کی تلاوت بہت موثر اور ترنم کے انداز میں ہوتی۔دوران تلاوت لوگوں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔تقریر و بیان میں وقت کی پابندی کا خاص خیال فرماتے۔عام طور پر جلسوں کے موقع پر منتظمین سے پوچھ لیتے کہ کتنی دیر تقریر کرنی ہے فرماتے کہ مجھے گھنٹوں تقریر کرنے میں بھی کوئی مشکل نہیں۔اگر کوئی پندرہ منٹ کا کہدے یا ۵ یا ۲ منٹ کا تو اس مختصر وقت میں بھی اپنا مافی الضمیر ادا کرسکتا ہوں۔اور اس پر عمل کر کے دکھاتے۔بارہا مختلف جلسوں میں اس کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملا۔دوران سفر جب بھی موقع ملتا قرآن کریم کی تلاوت میں وقت صرف ہوتا۔رمضان المبارک کے قریب تو تلاوت قرآن کریم بہت زیادہ کرتے۔مصحف قرآن اپنی جیب میں رکھتے۔تراویح میں قرآن خود سناتے اس لئے سفر و حضر میں تلاوت میں مصروفیت زیادہ رہتی اسلام آباد کی لال مسجد میں جمعہ کی خطابت کے علاوہ بعد از مغرب درس قرآن کریم کا معمول ہمیشہ رہا۔دور دراز سے لوگ درس قرآن کریم سننے کیلئے آتے آپ نے لال مسجد کو دین حق ،قرآن اور اسلام کی آواز کا مرکز بنایا ہوا تھا لوگ اپنی ضروریات کے حصول کیلئے یہاں آتے اور مولانا کی رہنمائی میں اپنے مقاصد حاصل کرتے۔

راولپنڈی اسلام آباد کے علماء نے باہمی مشورہ سے جمعیۃ اہل السنہ والجماعہ کے نام سے ایک تنظیم کی تشکیل کی تھی۔جس کا پس منظر یہ تھا کہ حضرت مفتی محمود صاحبؒ ناظم اعلیٰ جمعیت علماءاسلام و قائد سیاست اسلامیہ اور حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ کی وفات کے بعد ایک زبردست خلاء محسوس کیا جارہا تھا یہ دونوں عبقری شخصیات تھیں اور اپنی ذات میں انجمنیں تھیں یہ ایسی ہمہ گیر ہستیاں تھیں کہ ہر تحریک میں قائدانہ کردار ادا کررہی تھیں۔اس پس منظر میں جامعہ اسلامیہ راولپنڈی صدر میں راولپنڈی اسلام آباد کے

علماء کی میٹنگ بلائی گئی جس میں اس مسئلے پر غور کیا گیا کہ ان ہستیوں کے بعد اجتماعیت کیلئے ایک پلیٹ فارم ہونا چاہیئے۔ جس میں سیاسی وابستگیوں سے قطع نظر دیوبندیت پر سب کو جمع کیا جائے۔

راولپنڈی اور اسلام آباد کے تمام علماء کرام نے مل کر اس تنظیم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور روایتی وسعت ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے مسلک دیوبندیت کے کاز کیلئے یک جان بن کر متحد ہو گئے۔ اس تنظیم نے علماء کرام کو اجتماعیت کا درس دیا۔ اور دور حاضر کے دینی وسیاسی فتنوں کے مقابلہ کیلئے مل جل کر کام کرنے کا عہد کیا۔ ''یداللہ علی الجماعۃ'' کے مصداق اس تنظیم کی برکات ظاہر ہونے لگیں۔ دیوبندیت کے مقابلے میں ظاہر ہونے والے فتنے کمزور پڑنے لگے اور جارحانہ اقدامات کی بجائے وہ مدافعانہ پہلو اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔

ابتدائی چند سالوں کے بعد حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ کو اس کا امیر منتخب کیا گیا آپ کی امارت کے دوران جمعیت کا دستور العمل مرتب ہوا، علماء دیوبند کی مساجد کا سروے کیا گیا، ہر عالم کو انفرادیت کی بجائے اپنے پس پشت علماء کی ایک بھرپور طاقت نظر آئی۔

مولانا مرحوم نے اپنے دور امارت کو بہتر طریقے سے نبھایا۔ اور علماء کی اس تنظیم میں آپ نے ایک نئی جان ڈالی۔ علماء کی خدمت آپ کا شیوہ تھا۔ ہر ایک کی انفرادی واجتماعی خدمت آپ کی فطرت تھی۔ آپ پورے علاقے میں علماء کرام کے طبقے کیلئے ایک ہمدرد وغم خوار ثابت ہوئے۔ مولانا مرحوم نے اپنے دور امارت میں بے لوث خدمات کا ثبوت دیا۔ جس کی بنا پر علماء کے دلوں میں آپ کے لئے بے انتہا قدر ومنزلت تھی۔ جب بھی ''جمعیۃ اہل السنۃ والجماعۃ'' کا انتخاب عمل میں آتا تو آپ کی خدمات اور شخصیت کے پیش نظر آپ ہی کے اوپر علماء کی نظر ٹھہرتی۔

ایک دفعہ جمعیت اہل سنت والجماعت کے انتخابات کے موقع پر (جب راقم

انگلستان جارہا تھا۔) جامعہ اسلامیہ میں انتخاب کے موقع پر کچھ بدمزگی پیدا ہوگئی اور مولانا نے امارت کا عہدہ چھوڑ دیا جس کے نتیجے میں جمعیت بھی دو دھڑوں میں تقسیم ہوگئی۔ انگلینڈ سے واپسی پر حالات کا جائزہ لیکر علماء سے مشورہ کے بعد اتحاد کی کوشش کر کے ان کو یکجا کیا گیا۔ بہرحال مولانا کا کردار ہمیشہ تحمل و بردباری، خیرخواہی اور مسلک سے لگن کا آئینہ دار تھا اور مولانا کی ذات ایک سایہ دار درخت کی سی رہی۔ امارت کے بعد بھی حسب سابق جذبۂ خدمت خلق سے سرشار ہوکر ہر ایک کے ساتھ محبت وتواضع کا سلوک فرماتے۔ آپ کا سینہ ہر ایک کیلئے صاف تھا کسی کی غیبت، بدگوئی، برائی، حسد وبغض سے آپ فطرتاً دور تھے۔ آپ تواضع کے پیکر تھے۔ اپنی شخصیت کا اظہار کسی مجلس میں آپ نہ کرتے، حق گوئی کی پاداش میں آپ کوکئی بار آزمائش وابتلاء کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن سب تکالیف آپ نے خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ جامعہ فریدیہ جو ملک کی اہم دینی درسگاہوں میں سے ہے آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔ مولانا کے اخلاص اور شب وروز کی محنت سے یہ ادارہ بام عروج پر پہنچا۔ مولانا کے بعد آپ کے دونوں صاحبزادگان مولانا محمد عبدالعزیز صاحب اور علامہ عبدالرشید غازی صاحب نے اپنے عظیم والد صاحب کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دینی یادگاروں کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ شب وروز کی محنت سے اس کو مزید ترقی دی۔ علماء پر یہ آزمائشوں کا دور ہے۔ اور دین دشمن طاقتیں علماء کی مخالفت میں بہت آگے جا چکی ہیں قوت وطاقت کے ساتھ بین الاقوامی میڈیا ان مقاصد کیلئے استعمال کیا جارہا ہے۔ علماء کا استقامت وعزیمت کے ساتھ ان مشکلات کا مقابلہ کرنا اپنے اسلاف کی یاد تازہ کرتا ہے۔ حضرت مولانا کا سانحہ شہادت بھی عجیب ہے جامعہ فریدیہ میں ترجمہ وتفسیر کا سبق پڑھا کر مدرسہ کے کچھ امور انجام دے کر خدمت خلق کیلئے باہر نکل جاتے ہیں اور شہادت سے پندرہ بیس منٹ پہلے مجھے فون کیا کہ مدرسہ سے فارغ ہوکر آرہا ہوں اور فلاں فلاں دینی کاموں کے لئے۔ فلاں فلاں افسر کے پاس جانا ہے اور مجھے کہا کہ اتنی دیر بعد آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں میں حضرت مرحوم کے انتظار میں تھا کہ اتنے میں ایک صاحب کا فون آیا کہ حضرت مولانا عبداللہ پر قاتلانہ حملہ

ہو چکا ہے۔فوراً رابطہ کر کے معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ حضرت شہید ہو چکے ہیں۔ یہ خبر جس قدر باعث رنج والم ہوئی اس کا اظہار کرنے سے قلم قاصر ہے۔ یہ واقعہ دن دھاڑے مسجد کے صحن میں ہوا۔چشم دید گواہ بھی موجود تھے۔ قاتل کو لوگوں نے پہچان بھی لیا تھا اس کو گرفتار بھی کیا گیا تھا لیکن پھر اس کو رہا کر کے بیرون ملک بھیج دیا گیا۔ظلم وتعدی کی انتہا ہے کہ اسی دن کراچی میں ملک کے معروف ومشہور حکیم محمد سعید صاحب کو بھی شہید کیا گیا۔ کراچی کے واقعہ کے بعد حکومت نے سخت ایکشن لیا مگر ایک عالم دین کی تعزیت کیلئے بھی کوئی حکومتی نمائندہ آیا نہ تعزیتی بیان دیا۔حکومت جو اپنے آپ کو ملک میں اسلام کا علمبردار کہتی تھی انہیں ظلم وناانصافیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تھوڑے عرصہ بعد زمام حکومت ان سے چھین کر دوسروں کے حوالے کیا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

ایک نابغۂ روزگار عالم دین کی شہادت

حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ

۱۷ اکتوبر 1998ء بروز ہفتہ کی صبح کا سورج اہل پاکستان بلکہ مسلم امہ کیلئے اپنی تمام ترحشر سامانیوں کے ساتھ طلوع ہوا، ایک طرف اپنے جلو میں آنے والی قیامت کا پیغام دے رہا تھا اور دوسری طرف اہل پاکستان کی بدقسمتی، محرومی اور ناقدری پر اپنی حسین کرنوں کو بادلوں کے دبیز پردوں کے پیچھے چھپا چھپا کر اپنی ناراضگی کا عندیہ بھی دے رہا تھا اور یہ ناراضگی کیوں نہ ہو جب ہم اپنے محسنوں، مربیوں اور مہربانوں کو بے دردی سے ضائع کرتے جارہے ہیں۔

ظالم اور سفاک قاتلوں اور انسان نما بھیڑیوں نے مجاہد اسلام، عالم بے بدل، نمونۂ اسلاف، حق گو بے باک، درویش منش انسان حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب نور اللہ مرقدہ خطیب لال مسجد اسلام آباد کو اپنی ہوسِ قتل کا نشانہ بناڈالا،

انا للہ وانا الیہ راجعون .

شہید اسلامؒ کی شخصیت علمی، ادبی، سماجی، مذہبی، سیاسی حلقوں میں قابل صد احترام اور پسندیدہ تھی، وہ مکتب دیوبند کے عظیم محسن اور ترجمان تھے، مرنجان مرنج اور ہردلعزیز شخصیت کے مالک، جن کی آواز عوامی وسرکاری حلقوں میں یکساں موثر سمجھی جاتی تھی۔ اوران کی رائے کو ہمیشہ احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ ارض حرمین میں امریکہ کے غاصبانہ قبضہ کو حقارت ونفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب قدس سرہٗ کو احقر سے محبت اور مخلصانہ تعلق خاطر تھا، جامعہ ابو ہریرہ کے قیام اور ماہنامہ ''القاسم'' کے اجراء پر ان کا پرمسرت، حوصلہ افزاء مفصل مکتوب گرامی بھی القاسم میں شائع ہوا تھا۔ مولانا گزشتہ ماہ دارالعلوم تعلیم القرآن اویسہ ضلع اٹک کی تقریب ختم بخاری اور جلسہ دستار بندی کے موقع پر احقر کی تقریر کے دوران

تشریف فرما رہے، بے حد حوصلہ افزائی فرمائی، دعائیہ کلمات سے نوازا اور جامعہ ابوہریرہؓ کے قیام پر مبارکباد دی۔

مولانا مرحوم کی شہادت کے المناک واقعہ سے جہاں پورے ملک میں خوف وہراس اور عدم تحفظ کا احساس پیدا ہوا وہاں حکومت کی طرف سے قیام امن کے کھوکھلے دعووں بے جان اعلانات اور فضول بڑھکوں کی قلعی کھل گئی۔

مولانا کی شہادت سے نہ صرف پاکستان بلکہ پوری امت مسلمہ ایک عظیم علمی شخصیت سے محروم ہوگئی ہے۔ مولانا مرحوم کی رحلت کا خلاء مدتوں پورا ہونے کے آثار نظر نہیں آرہے۔

اللہ کریم ان کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

شہید اسلام حضرت مولانا محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہ

ایک وقت تھا کہ اسلام آباد کے سفر کے تصور کے ساتھ ہی مرکزی جامع مسجد اسلام آباد کے بے باک وحق گو خطیب اور ملک کے دینی حلقوں میں ممتاز ومعروف شخصیت حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ کا معصوم چہرہ آنکھوں کے سامنے آجاتا تھا۔ یہ تقریباً ناممکن تھا کہ اسلام آباد کا کوئی سفر ہوا اور حضرت مولانا کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل نہ ہو۔ مولانا شہید ایک متواضع اور شگفتہ شخصیت کے حامل تھے۔ آپ اسلام آباد جیسے شہر کی مرکزی جامع مسجد کے خطیب ہونے کے باجود خودنمائی اور تشہیر سے ہمیشہ گریزاں رہے۔ حکمرانوں سے آپ کا ملنا جلنا صرف دین کے حوالے سے تھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو شان محبوبیت اور ہر دلعزیزی عطا فرمائی تھی اس کی وجہ سے اسلام آباد کے تمام حلقے (جن میں حکومتی حلقے بھی شامل ہیں) آپ کی انتہائی تکریم کرتے تھے۔ مولانا کے دل میں دین کا درد اور غیرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی وہ اعلیٰ منصب پر فائز تھے جب اہم شخصیات سے ملتے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ جامعہ خیر المدارس سے شائع ہونے والے دینی مجلّہ ماہنامہ ''الخیر'' کے ڈیکلریشن کے حصول کیلئے مولانا شہیدؒ نے بھرپور تعاون فرمایا تھا اور اس سلسلہ میں جن افسران بالا سے رابطہ کی ضرورت تھی خود ان کے پاس جا کر پرزور الفاظ میں ڈیکلریشن کی منظوری کیلئے استدعا کی۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ احقر اسی سلسلہ میں حاضر خدمت ہوا۔ اس وقت کے وزیر اطلاعات جناب راجہ ظفر الحق صاحب سے ملاقات کا ارادہ تھا۔ حضرت مولانا اور راقم تقریباً نو بجے صبح گھر سے نکلے اور ظہر کے قریب واپسی ہوئی۔ اس اثناء میں راجہ صاحب کے علاوہ متعدد اعلیٰ افسران سے ملاقاتیں ہوئی۔ اپنا مدعا بیان کرنے کے علاوہ مولانا نے ہر افسر کو مقتضائے حال کے مطابق کسی نہ کسی

نصیحت سے ضرور نوازا۔ یہ نصیحت قرآن کریم کی کسی آیت شریفہ کی تشریح، حدیث شریف کی توضیح یا اکابر امت کے اقوال و معمولات سے انتخاب پر مشتمل ہوتی تھی۔ راجہ صاحب اور ایک دو بڑے افسران کو اس سفر میں آپ نے یہ حدیث بہت دلنشین انداز میں سمجھائی کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ اس پر ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کی جوتی اچھی ہو، اس کے کپڑے اچھے ہوں۔ (اگر یہ بھی تکبر ہے تو بہت دشواری ہو جائے گی) اس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں یہ تکبر نہیں۔ تکبر "**بطر الحق اور غمط الناس**" کا نام ہے یعنی حق کو ٹھکرا دینا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔

اس کے بعد مولانا فرماتے کہ اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھا اور قیمتی لباس پہننے والا بھی متواضع ہوسکتا ہے۔ جس طرح غریبانہ ہیئت والا بھی متکبر ہوسکتا ہے۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ ان علماء دین میں سے ایک تھے کہ جب ملت اسلامیہ کے مسائل میں کسی اجتماعی کام کی ضرورت پیش آتی تو بے ساختہ نظریں ان کی طرف اٹھتی تھیں۔ افسوس کہ ان کی شہادت نے قوم و ملت کو ایک متحرک و فعال عالم ربانی سے محروم کر دیا۔ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ الفریدیہ اسلام آباد آپؒ کے لئے صدقہ جاریہ کی حسین یادگار ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے رفقاء واحباب بالخصوص ان کے صاحبزادے مولانا محمد عبدالعزیز صاحب کو ان کے لگائے ہوئے گلشن کی آبیاری کی توفیق عطا فرمائیں اور انہیں **نعم الخلف للسلف** کا مصداق بنائیں۔ آمین ثم آمین۔

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

استاد الحدیث حضرت مولانا فضل محمد دامت برکاتہم العالیہ

کافی عرصہ پہلے کی بات ہے کہ میں نے جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے مہمان خانہ میں ایک وجیہ اور پررونق ومبارک چہرے والے ایک بزرگ کو دیکھا، پاس بیٹھے ہوئے ایک صاحب سے میں نے پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ خطیب اسلام آباد حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب ہیں۔ میں آگے بڑھا اور حضرت سے مصافحہ کیا میں نے حضرت والا کی شہرت اور نام کو بارہا سنا تھا لیکن حضرت سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔

میں جب طالب علم تھا اس وقت میں نے سنا تھا کہ اسلام آباد میں ایک عالمِ دین ہیں جنہوں نے جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے طرز پر ایک مدرسہ بنایا ہے جس کا نظم وضبط اور ترتیب وتدبیر سب بنوری ٹاؤن کے بانی محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے مشوروں پر قائم ہے، بلکہ بعض دفعہ ہم یہاں تک سنتے تھے کہ اسلام آباد میں جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کی ایک شاخ کھل گئی ہے اس بات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ شہید اسلام حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ کے اکابر علمائے دیوبند اور علمائے حق سے کتنے گہرے روابط تھے اور ان اکابر علماء کا حضرت شہیدؒ پر کتنا کامل اعتماد تھا۔

چونکہ اسلام آباد ملک پاکستان کا پایہ تخت ہے اسلئے دنیا کے اکابر علماء کرام اور نامور شخصیات کا یہاں آنا جانا رہتا ہے۔ حضرت شہیدؒ کو ان کی میزبانی کا شرف وقتاً فوقتاً حاصل رہتا تھا جس سے آپ کو ان بزرگوں کی نہایت قیمتی مجالس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا موقع ملا، چنانچہ حافظ القرآن والحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ ہوں یا محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ قائد انقلاب اسلامی حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ

یا ضیغم اسلام حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی صاحبؒ یا علم کا سمندر حضرت مولانا شمس الحق افغانی صاحبؒ ہوں یا مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ یا شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ یا دنیا کے دیگر ممالک کے اکابر علماء کرام اور صوفیاء عظام ہوں سب کی توجہات کا مرکز اور سب کی تحریکات کا محور حضرت شہیدؒ تھے۔

یہی روحانی بالیدگی تھی جس کی وجہ سے حضرت شہیدؒ مسلک حق اور دین اسلام کی ترقی وحمایت کیلئے ہر میدان میں قائدانہ حیثیت سے نمودار ہوئے اور حق وصداقت کی ہر تحریک میں صف اول کے علمبردار بنے چنانچہ آپ نے علمی میدان میں حکومت کے دارالخلافہ اسلام آباد میں ''جامعہ فریدیہ'' جیسی ایک مثالی علمی درسگاہ کی بنیاد ڈالی جس سے آپ نے تمام فتنوں اور اہل فتن کا بھرپور مقابلہ کیا، اسی طرح آپ نے عملی میدان میں جہاد مقدس کی بھرپور حمایت کر کے باطل اور اہل باطل کا خوب مقابلہ کیا۔

آپ نے زندگی کا ہر پہلو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی جیتی جاگتی تصویر بنانے کی بھرپور کوشش کی کسی نے خوب کہا:

ے زندگی کیفی اسی حسن عمل کا نام ہے
کفر کو نابود حق کو جاوداں کرتے چلو

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت شہیدؒ نے اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کی عظمت میں گذار دی اور جب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو آغوش محبت میں دولت شہادت لپیٹ کر گئے، دنیا بھی کامیاب اور انشاءاللہ عقبیٰ بھی کامیاب اسی سے متعلق کسی کہنے والے نے کہا ہے:

ے ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

اس ملک پاکستان میں بہت سارے علماء ایسے ہیں جو نہایت اثر ورسوخ اور بااثر حلقے رکھتے ہیں۔لیکن حضرت مولانا عبداللہ شہیدؒ نے اپنے حلقۂ اثر کو مسلک حق کیلئے وقف

کر رکھا تھا۔ اور اسی مسلک حق کی حفاظت وحمایت میں آپ نے بالآخر جان کی بازی لگا دی یہ خوش بختی اللہ تعالیٰ نے حضرت شہیدؒ کی قسمت میں لکھی تھی یہ مقام اور یہ بلند رتبہ ہر ایک کو کہاں نصیب ہوتا ہے:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دین اسلام اور مسلک حق کیلئے حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ نے وقت کے جابر وظالم حکمرانوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا بدعقیدہ اور ظالم حکمرانوں نے آپ کو راہ راست سے ہٹانے کی بھرپور کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو استقامت واستقلال سے نوازا چنانچہ آپ نے جان کی بازی تو لگا دی لیکن حق اور کلمۂ حق کے اعلان سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹے جبکہ ایسے حالات میں بڑوں بڑوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔

یقین سے کہا سکتا ہے کہ آج حضرت شہیدؒ اپنی منزل مقصود پر انشاء اللہ پہنچ چکے ہیں اور شہداء کے عالی مقام میں شاداں وفرحاں ہیں لیکن آپ کے خلاف سازش کرنے والے بدعقیدہ ظالم حکمرانوں کی نہ حکومت باقی ہے نہ ان کی کرسی وہ اپنے ملک اور وطن کی مٹی پر قدم رکھنے کیلئے ترس رہے ہیں مگر ادھر سے ان کو دھکے اور مکے مل رہے ہیں یہ تو دنیا کی سزا ہے اور آخرت کی سخت ترین سزا کا سامنا کرنا ابھی باقی ہے کیونکہ ان سے سوال ہوگا کہ:

اس معصوم جان کو کس جرم میں قتل کیا تھا؟

حضرت شہیدؒ کی کامیابی اور بارگاہ الٰہی میں آپ کی مقبولیت کی کھلی دلیل یہ ہے کہ آپ زندگی کے آخری لمحہ تک دین اسلام کی اشاعت وخدمت میں استقامت کے ساتھ مشغول رہے اور جب اپنے مالک حقیقی کی طرف روانہ ہوئے تو اسی مالک حقیقی کے گھر (مسجد) میں اپنی جان اس کے حوالے کر دی اور ''فزت ورب الکعبہ'' کا نعرۂ مستانہ لگا کر اپنے عقیدت مندوں کو یہ پیغام دیا۔

جان دی، دی ہوئی اس کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

خانۂ خدا میں اپنے پاکیزہ افکار وتصورات کے ساتھ شہادت کے رتبہ عالیہ پر فائز ہونے کے بعد حضرت شہیدؒ اپنی عظیم علمی درسگاہ جامعہ فریدیہ کے احاطے میں دفن ہوئے گویا دین کے ایک عظیم مرکز میں شہادت حاصل کی اور دوسرے عظیم مرکز میں آرام کرنے لگے۔

؎ یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دارورسن کہاں

تدفین کے بعد حضرت شہیدؒ کی قبر سے خوشبو مہکنے لگی جس کو ہر خاص وعام نے محسوس کیا میں نے جب حضرت شہیدؒ کی قبر پر حاضری دی تو اس وقت تدفین کو کئی ہفتے گزر چکے تھے۔ جامعہ فریدیہ کے اساتذہ کی موجودگی میں جامعہ کے ایک استاد مفتی عبدالنور صاحب نے حضرت شہیدؒ کی قبر کرید کر نیچے سے مٹی اٹھا کر مجھے سونگھنے کیلئے دی جس سے مشک وعنبر کی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ نہ معلوم کن کن خوش نصیبوں نے حضرت شہیدؒ کی اس زندہ کرامت سے فیض اٹھایا ہوگا۔

؎ لئے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل
شہید ناز کی تربت کہاں ہے ؟

شرافت وانسانیت کا قتل

مولانا محمد ازہر صاحب دامت برکاتہ مدیر الخیر

مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے چیئرمین اور خطیب مرکزی جامع مسجد حضرت مولانا محمد عبداللہ ایک درویش صفت عالم دین تھے تواضع اور سادگی میں اسلاف کی زندہ تصویر تھے۔ وفاقی دارالحکومت میں رہنے کی وجہ سے ملک کے کونے کونے سے لوگ ان کے پاس اپنے مختلف کاموں میں راہنمائی اور تعاون کیلئے حاضر ہوتے۔ مولانا مرحوم ہر آنے والے کی خدمت گزاری اور مہمان نوازی کو اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتے اور اس کی حاجت براری کیلئے کسی بھی کوشش سے دریغ نہ فرماتے۔ اسلام آباد کے ماحول میں جہاں کی فلک بوس عمارتیں، دنیاوی چہل پہل اور مادی کشائش کے نظر فریب نظارے قدم قدم پر دامن دل کو کھینچتے ہیں، مولانا عبداللہ وہ ہستی تھے کہ

جن کو دیکھنے سے خدا یاد آئے

مولانا نہایت متواضع، سادہ اور شگفتہ طبیعت کے حامل تھے۔ محدث عصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے خصوصی تربیت یافتہ تھے۔ محنت وجانفشانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید ومعرفت اور رسول اکرم ﷺ کی محبت واطاعت کے پھول کھلائے۔

مولانا مرحوم ایک وسیع النظر، روادار اور معتدل مزاج عالم دین تھے۔ آپ کے وعظ وتبلیغ کی اساس نصیحت وخیر خواہی پر ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ تقریباً ۳۵ سال سے اسلام آباد جیسے اہم اور حساس شہر میں تسلسل کے ساتھ خطابت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ بے نظیر حکومت میں مولانا کو ان کے منصب سے ہٹانے کی کوشش کی گئی۔ علاقہ کے مسلمانوں نے انتظامیہ پر واضح کر دیا کہ وہ حضرت مولانا محمد عبداللہ مرحوم کے علاوہ کسی شخص کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کیلئے تیار نہیں آخر کار حکومت کو یہ فیصلہ واپس لینا پڑا۔

قحط الرجال کے اس دور میں مولانا مرحوم دین کے مختلف شعبوں میں اپنی تمام ذمہ داریوں کو حسن وخوبی کے ساتھ نبھارہے تھے۔ وہ مرکزی جامع مسجد اسلام آباد کے خطیب بھی تھے اور مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے چیئرمین بھی۔ جامعہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد کے بانی و مہتمم بھی تھے اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کے رکن رکین بھی، ملک کے مختلف حصوں میں تبلیغی خدمات کا سلسلہ اس کے علاوہ تھے۔

بلاشبہ مولانا شہید کی شہادت امت مسلمہ کیلئے ایک عظیم نقصان ہے۔ بہت ہی سنگدل ہیں وہ قاتل جنہوں نے دین کے ایک مخلص خادم، بے لوث مبلغ اور حق گو داعی کو ہم سے چھین لیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے صاحبزادے مولانا عبدالعزیز صاحب کو اپنے والد مرحوم کے مشن کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

قطب زمانہ حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ

حضرت مولانا منظور احمد مینگل دامت برکاتہ العالیہ

میرے ہی خون کی بوندوں سے کھلا ہے گلزار
کیسے احسان نہ مانے گا یہ صحرا میرے؟

تاریخ اسلامی کا ہر دور کفر وارتداد، فتنہ وفساد اور جبر واستبداد کے خلاف داد شجاعت دینے کا دینی فریضہ سرانجام دینے والے سرفروش اور کفن بدوش مجاہدین کی قابل رشک شہادتوں کے بے شمار واقعات سے مزین وآراستہ ہے۔ بدر واحد کے غزوہ ہائے حق وصداقت سے لے کر افغانستان کے لیلا ہائے شہادت تک ان گنت، لاتعداد شہداء کی فہرست مرتب کرنا بشری فکر وعمل کی رسائی سے بعید ہے۔ ان میں سے ہر شہیدؒ اپنے مقام ومنصب کے اعتبار سے قرب خداوندی اور رضائے الٰہی کا اعلیٰ وارفع اعزاز رکھتا ہے۔ لیکن بعض شہداء اپنے مخصوص کردار وعمل کے حوالے سے حق پرستانہ زندگی اور آبرومندانہ موت کے ایمان پرور تصور سے ذہن میں تازگی، فکر میں قوت، قلب میں غیرت، ایمان میں حرارت، لہو میں حدت، عزم میں شدت، عقیدہ میں پختگی، عمل میں استحکام، قلم میں جولانی، کردار میں جرأت اور زندگی میں انقلابی تغیر پیدا ہوتا رہتا ہے پیدا کرتے رہتے ہیں، گویا:

جنون عشق میں جو رسن ودار تک پہنچے
انہیں کے خون سے آباد ہیں یہ ویرانے

ایسی ہی طاغوت شکن شہادتوں میں شہید ناموس صحابہؓ، باہمت، غیرت مند، جرأت واستقامت کے کوہ گراں، قافلۂ معاذ کا سرخیل، زعیم ملت، فخر اہل سنت، یادگار اسلاف، نابغۂ روزگار، خطیب اسلام، عالم بے بدل، ولیٔ کامل، شیدائی اسلام، فدائی ختم نبوت، جانثار عظمت صحابہؓ، اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد کے خطیب اول اور شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقیب امثل حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ کی مظلومانہ شہادت بھی شامل

ہے۔ظلم وبربریت ،وحشت وآمریت اور کفر وارتداد کے خلاف نبرد آزما اسلام کا یہ عظیم دشمنان اسلام کے خلاف تادم آخر برسر پیکار رہا اور بالآخر اسی نظام آمریت کے ہاتھوں جام شہادت نوش کر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ کو اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد ''لال مسجد'' میں مسجد کے صحن میں ۱۹۹۸ء کے ماہ اکتوبر میں شہید کر دیا گیا تھا۔مولانا مرحوم نہ صرف اسلام آباد کے مسلمانوں کی ہردلعزیز ہستی تھے بلکہ پورے پاکستان میں انہیں نہایت احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔وہ بیرون ممالک بھی اسلام کی حقانیت اور بالادستی کے عظیم مبلغ تھے۔تمام اسلامی ممالک بالخصوص عرب ممالک ان کے بے حد مداح تھے۔کبھی کسی کی دلآزاری نہیں کی البتہ حق وصداقت کا پرچم ہمیشہ بلند رکھا اپنی ملازمت یا جان ومال کی پراہ نہ کی ،جسمانی وذہنی اذیتوں کے پہاڑ ان پر توڑے گئے مگر ان کے پائے استقامت میں لغزش تک نہ آئی ۔ اسلام آباد کی پہلی مسجد کے پہلے خطیب تھے۔سچ تو یہ ہے کہ اسلام آباد میں اسلام کی مخلصانہ صدا کو خاموش کر دیا گیا اور علم وعرفان کی ایک اور شمع بجھا دی گئی۔

جس ''ملعون قاتل'' نے مولانا کو شہید کیا۔اس نے مولانا کو ہی شہید نہیں کیا بلکہ اس نے ملت اسلامیہ کے وجود کو پارہ پارہ کر کے درندگی اور بزدلی کا ثبوت دیا،قاتل اسلام دشمن ، ملک دشمن اور انسانیت دشمن تھا۔مولانا کے جانے سے ،ملت اسلامیہ،ایک عظیم مبلغ ، خطیب اور جلیل القدر مداح صحابہؓ کے فیض سے محروم ہوگئی۔ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا تاحال پورا نہ ہوسکا۔اور نہ ہی زمانہ قریب میں اس کی توقع ہے۔

مولانا ممدوح تواضع اور انکساری کا پیکر تھے۔سادگی کا نمونہ تھے اور ''المؤمن غر کریم '' کا مصداق تھے۔اتنی بڑی شخصیت کہ وی آئی پی لوگ بھی ان سے ملاقات کو فخر سمجھتے تھے۔لیکن عاجزی وانکساری کا یہ عالم تھا کہ طلبہ کی بچی ہوئی روٹیاں جو خشک ہونے کی وجہ سے سخت ہوجاتیں ، پانی میں بھگو کر کھاتے ،اس وجہ سے نہیں کہ ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ بلکہ تقرب الی اللہ کیلئے ،طلبہ کے ساتھ بے پناہ محبت وانس کی وجہ سے اور پھر اس کے بدلے

اللہ تعالیٰ نے ان کو جس مقام سے نوازا وہ کسی بھی ذی شعور، صاحبِ بصیرت سے مخفی نہیں۔

اسلام آباد جیسے مغرب زدہ اور ماڈرن شہر میں جہاں کی بود و باش عام مولویوں کے حلیوں کو بگاڑ دیتی ہے۔ مولانا کے شرعی حلیہ میں سر مو بھی فرق نہ آیا۔ مولانا میں فیاضی کا وصف بدرجہ اتم موجود تھا وسعت قلبی اور فیاضی کا یہ عالم تھا کہ عام معاملات میں مسلم غیر مسلم کی تخصیص کے بغیر ہر فریادی کی دادرسی کرتے، ان کے مسائل حل کرتے خواہ اس کیلئے آپ کو کتنی ہی بھاگ دوڑ کرنی پڑے، علاقے کے لوگوں سے آپ کو دلی ہمدردی تھی، یہی وجہ تھی کہ لوگ بھی بڑے بڑے سرمایہ داروں، سیاستدانوں، وڈیروں کو چھوڑ کر آپ کے دولت کدہ میں آ کر سکون محسوس کرتے۔ آپ میں انتقامی جذبہ بالکل نہ تھا۔ آپ اپنے حقیقی دشمنوں سے بھی بڑی خندہ پیشانی سے ملتے، آپ مرجع خلائق تھے، اپنے بیگانے سب آپ کے دیوانے تھے۔

آپ میں حمیت دینی بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، یہی وجہ تھی کہ آپ ایک حساس علاقے میں رہنے کے باوجود ہر طاقتور اور ظالم کے خلاف ڈٹ جایا کرتے تھے۔ ہر باطل و کافر کے خلاف چلنے والی تحریک میں رہبر کی حیثیت سے صف اول میں رہا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کی مرکزی جامع مسجد (لال مسجد) ہر تحریک کی جائے پناہ تھی۔ کفر کیخلاف برسر پیکار کوئی تنظیم ہو یا باطل نظام کیخلاف صف آراء کوئی جماعت، قادیانیت کے مقابلے میں آنے والے ختم نبوت والے یا مختلف محاذوں پر برسر پیکار جہادی تنظیموں کے افراد ہوں ہر ایک کی جائے پناہ یہی لال مسجد تھی۔ مولانا شہیدؒ ہر ایک کے سرپرست تھے، سب کے ساتھ آپ کا خصوصی تعاون تھا، ان مذہبی، سیاسی اور جہادی تنظیموں کا انحصار اور مضبوط بندھن مولانا کی ہمہ گیر شخصیت کا آئینہ دار تھا۔

مولانا نہ صرف بہت بڑے عالم تھے بلکہ اسلام کے عظیم مبلغ، داعی اور بہت بڑے مجاہد بھی تھے۔ اور ہر فتنہ کی سرکوبی کرنے کیلئے ہمہ وقت تیار۔ مولانا عبداللہ شہیدؒ کا مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ، مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ، مولانا اعظم طارق شہیدؒ وغیرہم سے خصوصی تعلق تھا۔ یہ حضرات بھی مولانا سے خصوصی عقیدت رکھتے تھے۔ ان کے وقتاً فوقتاً پروگرام

آپ کی زیرِ صدارت ہوا کرتے تھے۔ جس میں آپ باوجود مصروفیت کے شرکت کیا کرتے تھے۔ اور رات گئے ختم ہونے والے پروگراموں کی زینت بنا کرتے تھے اسی طرح ملک کے تمام علمائے کرام اور بزرگان دین سے بھی آپ کے خصوصی مراسم تھے، حقیقت تو یہ ہے کہ مولانا کی شہادت سے تمام دینی مکاتب کے لوگ، جہادی تنظیموں کے کارکنان، مجاہدینِ ختم نبوت، دینی مدارس اور طالبان سب یتیم ہو گئے ہیں۔ اور مولانا کے جانے کے بعد جو خلا پیدا ہوا ہے یہ کبھی پورا نہیں ہو پائے گا۔

آپ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی اور شیخ الاسلام حسین احمد مدنی رحمہم اللہ کی بہادری اور سادگی کا مظہر اتم تھے۔ مولانا کو دیکھ کر ان اکابر کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ اسلام آباد جیسے پوش علاقے میں رہ کر صدور اور وزرائے اعظم کو للکارنا مولانا کا ہی خاصہ تھا۔ مولانا حق وصداقت کے عظیم علمبردار تھے۔ مولانا جن صحابہ کرامؓ کے گن گایا کرتے تھے ان کے صحیح معنوں میں پرتو تھے، صحابہ کرام کی بعض صفات مولانا کی زندگی میں نمایاں تھیں۔ چنانچہ مولانا بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی زندگی میں جب آپ کو سرکاری اہلکاروں نے اغواء کیا تھا تو مولانا فرماتے تھے کہ پستول میرے سینے پر رکھ دیا گیا تھا اس کے باوجود مجھے نیند آرہی تھی۔ ان ظالموں سے خلاصی کے بعد بنوری رحمہ اللہ کے پاس آئے اور واقعہ بیان کیا تو حضرت بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خوش رہو صحابہ کرام کی جنگ بدر والی کیفیت ہے۔ جب ان پر سکینہ نازل ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آج آپ کو وہ لذت نصیب ہوئی ہے جو صحابہ کرام کو چودہ سو سال قبل چکھائی تھی۔ مولانا ہر دل عزیز شخصیت تھے اپنے بیگانے سب ان کو چاہتے تھے۔ محدثین عظام نے لاکھوں رواۃ کے حالات جمع کیے، ان پر جرح وتعدیل کی، کوئی ایسا راوی طبقۂ رواۃ میں نہیں جو جرح وتعدیل سے پاک ہو، ہر ایک پر کسی نہ کسی نے جرح کی ہے، باوجود اس کے بعض حضرات کی جلالت شان کے جرح مفسد بھی کی ہے۔ ائمہ اربعہ بھی اس جرح سے محفوظ نہ رہ سکے، سوائے یحییٰ بن معینؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ کے اس زمانے میں اس کا مظہر عبداللہ شہیدؒ کو بتایا گیا ہے۔ کسی ماں کے لال نے آج تک آپ پر

جرح مدلل ومفسر پیش کی ہو نہ دیکھنے میں آیا نہ سننے میں اور یہ مولانا شہید کی بیّن کرامت ہے مولانا صاحبِ کرامت تھے لیکن کسی کے سامنے اس کا اظہار کرتے تھے، نہ اسے پسند کرتے تھے عاجزی وانکساری کے پیکر تھے۔ ایسی سراپا منکسر المزاج شخصیات خال خال ہی نظر آتی ہیں۔

امریکہ نواز حکومتیں اور انگریز کے بوٹ پالش کرنے والے علماء دشمن لوگوں کی کوشش ہوتی ہے کہ اہل حق علماء کرام کو زیادہ سے زیادہ تکلیف پہنچائی جائے۔ حضرت شہیدؒ جب حق کہنے کی پاداش میں سنت یوسفی زندہ کرنے کیلئے زنداں کی زینت بنے ان کے ساتھ بہت سارے رفقاء بھی تھے۔ رفقاء کہتے ہیں کہ ہمارے زیر استعمال ایک ہی بیت الخلاء تھا۔ وہ اکثر خراب رہتا تھا پھر یوں ہوا کہ صبح ساتھی اٹھتے تو بیت الخلاء کو صاف پاتے۔ رفقاء کہتے تھے کہ ارباب سجن سے تو ایسی توقع ہے ہی نہیں پھر کون شخص یہ کام کرتا ہے۔ آخر کچھ دن بعد یہ عقدہ کھلا کہ وہ مملکت خداداد پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد کے خطیب اول جانشین بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ و مہتمم جامعہ فریدیہ اسلام آباد درویش وقت، ولی کامل، نظیر مدنی، تصویر شیخ الہند مولانا محمد عبداللہ ہیں۔ مولانا اس عمل کو چھپاتے رہے لیکن بالآخر ساتھیوں نے دیکھ ہی لیا۔

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب جیسی صاحب بصیرت شخصیت جن کو احقر (منظور مینگل) نے ۲۵ سال کے دوران بہت کم دیکھا کہ کسی مولوی نے شاید ہی آپ کو اپنا خوگر بنایا ہو۔ اور آپ کے مدح خواں ہوں اور اس نے آپ کو قائل کر لیا ہو۔ جن حضرات نے اپنے تقویٰ و پاکیزہ کردار و حق گوئی کی وجہ سے آپ کو قائل کیا ان میں سرفہرست مولانا شہیدؒ کا نام نامی ہے۔ احقر کئی دفعہ حضرت شہیدؒ کی حیات میں اور آپ کی شہادت کے بعد آپ کی تعریف کرتے ہوئے حضرت شیخ کو بارہا سنا۔ یہ فقط آپ کی للّٰہیت، اخلاص، تواضع وانکساری کی وجہ سے تھا۔ چنانچہ علامہ شاطبی فرماتے تھے کہ علم تو بڑے بڑے لوگ حاصل کرتے ہیں۔ لیکن تقویٰ و پاکیزگی کسی کسی میں ہوتی ہے سچ ہے کہ جہاں میں اہل علم تو بہت

سارے ہیں کہ کئی کئی دن تک مسلسل علم کی ترسیل کر سکتے ہیں مگر متقی اور پرہیز علماء کا ملنا اور میسر آنا یہ خود ایک کرامت ہے۔

حضرت شہیدؒ بلوچ قوم سے تعلق رکھتے تھے اور تاریخ کا مشاہدہ کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بلوچ قوم میں ڈاکو، لٹیرے تو بہت سے ملیں گے لیکن ایسے فرشتہ صفت علماء وشخصیات کم ہی ملیں گی اور پھر حضرت کا آبائی وطن ضلع راجن پور میں تو اگر یہ کہا جائے کہ فقط صرف یہی ایک شخصیت تھی اور راجن پور ضلع اس شخصیت پر فخر کرتا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ صرف راجن پور نہیں پوری مسلم دنیا حضرت پر فخر کرتی ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ شاعر زبان حال سے جو کہہ رہے ہیں حق کہہ رہے ہیں:

؎ کوئی آئے گا نہ ثانی میرا میرے بعد
کون پہنچائے گا پیغام وفا میرے بعد
ہائے وہ زینت محراب ومصلٰی نہ رہا
بند منبر سے ہوئی حق کی صدا میرے بعد
کوئی رہزن نہ کرے راہبری کا دعوٰی
قافلے والے ہوں ہوشیار ذرا میرے بعد

حضرت شہیدؒ بھی ان محدود شخصیات میں سے تھے۔ جو قدرت کی طرف سے کچھ ایسے اوصاف لے کر آئے تھے کہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئے ہیں۔ ایسے دیدہ ور صدیوں میں چمن کو رونق بخشتے ہیں۔ جب تک رہتے ہیں اپنی شمیم جان فزا اور نکہت روح افزاء سے سارے گلشن کو مہکاتے رہتے ہیں ایسی ہستیوں کیلئے یہ پوچھنا پڑتا ہے کہ:

؎ مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

اللہ پاک نے حضرت شہیدؒ کو جو صاحبزادے دیئے سبحان اللہ! "الولد سر لابیہ"۔ مکمل اپنے والد شہید کا پرتو ہیں۔ صحیح معنوں میں ان کے جانشین، خلف رشید بنایا ہے۔ علم

وعمل ،تقویٰ ، پاکیزگی ، عاجزی ،انکساری ،للّٰہیت ،اخلاص ہر ایک میں مولانا عبدالعزیز اور علامہ عبدالرشید غازی صاحب حفظہما اللہ اپنے مجاہد والد شہید رحمہ اللہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کے لئے صدقہ جاریہ بنے ہوئے ہیں ۔ دعا ہے کہ اللہ پاک ان صاحبزدگان کو دین پر استقامت اور عافیت سے قائم رکھے ۔غیب سے ان کی دستگیری اور حفاظت کا معاملہ فرمائے ۔ اور حضرت شہیدؒ کے گلشن ''جامعہ فریدیہ'' کو دن دگنی رات چوگنی ترقیوں سے نوازے ۔آمین ۔

سوگوار لمحات

مولانا محمد نذیر فاروقی دامت برکاتہ العالیہ

حضرت شہیدؒ کا نام میں نے پہلی مرتبہ ۱۹۷۵ء کو جامع مسجد شیرانوالہ گیٹ لاہور میں سنا نماز جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ صدائے احتجاج بلند کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ اسلام آباد کے معروف عالم دین مولانا عبداللہ کو اغوا کر لیا گیا ہے چونکہ اس میں حکومت کا ہاتھ ہے اگر مولانا کو کچھ ہوا تو ساری ذمہ داری حکومت پر عائد ہوگی۔

دوسری دفعہ حضرت شہیدؒ کا نام آزاد کشمیر کے عظیم بزرگ ہستی مولانا مفتی عبدالمتین صاحب کی زبانی سنا وہ فرما رہے تھے کہ اسلام آباد کے مولانا عبداللہ کا بیان بہت اچھا ہوتا ہے۔کثیر تعداد میں لوگ ان کا بیان سننے کیلئے آتے ہیں اور بڑا نفع ہوتا ہے وہ قرآن وحدیث، صحابہ کرام اور بزرگوں کے مستند واقعات کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔اس کے بعد تو میرے دل میں حضرت شہید سے شرف ملاقات حاصل کرنے کا بہت زیادہ اشتیاق پیدا ہوا چنانچہ ۱۹۷۹ء میں ایک دوست کے کہنے پر جب میں اسلام آباد آیا تو جامع مسجد خلفاء راشدین کے پلاٹ پر ہی میں نے امامت وخطابت کا آغاز کیا اس دوران حضرت شہیدؒ کی زیارت کیلئے میں مرکزی مسجد اسلام آباد گیا۔اس وقت تک حضرت شہیدؒ مجھ سے متعارف نہیں تھے لیکن جس محبت اور شفقت سے پیش آئے اس سے مجھے ایسے لگا کہ گویا حضرت مجھے برسوں سے جانتے ہیں چنانچہ اس سے میری عقیدت اور محبت میں مزید اضافہ ہوگیا اور حضرت کی صحبت سے فیض حاصل کرنے کا میں نے مصمم ارادہ کر لیا اور الحمدللہ آخر دم تک کئی ملکی اور ملی تحریکوں میں حضرت کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔

حضرت شہیدؒ کی خدمات تو بے شمار ہیں خلاصہ یہ ہے کہ اسلام آباد راولپنڈی اور ملک کے دیگر علاقوں کے مساجد ومدارس کی بنیاد میں حضرت کا ہاتھ تھا مرکزی جامع مسجد تو

تمام دینی اور ملی تحریکوں کا مرکز تھا۔

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ ،مفکر اسلام مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ اور دیگر اکابر کی رحلت کے بعد اس خلاء کو پر کرنے کیلئے اسلام آباد اور راولپنڈی کے اکابرین نے جامعہ اسلامیہ صدر راولپنڈی میں علاقے کے تمام علماء کرام کا اجلاس طلب کیا جس میں ''جمعیت اہل سنت والجماعۃ'' کے قیام کا اعلان کر دیا گیا اور متفقہ طور پر حضرت شہید کو تنظیم کا صدر اور قاضی احسان الحق صاحب کو جنرل سیکرٹری اور راقم (مولانا نذیر فاروقی) کو سیکرٹری اطلاعات منتخب کیا گیا حضرت شہیدؒ 15 سالوں تک جمعیت اہل سنت والجماعۃ کے صدر رہے ۔اس دوران الحمدللہ راولپنڈی اور اسلام آباد میں مساجد و مدارس کے قیام ،اہل حق کی تحریکات اور مساجد اور مدارس میں صحیح العقیدہ ائمہ اور خطباء مقرر کرنے میں فعال کردار ادا کیا۔

ویسے تو حضرت شہیدؒ کی خدمات بے شمار ہیں لیکن اس وقت میں ان کا صرف ایک واقعہ لکھنے پر اکتفاء کرتا ہوں جس سے لوگوں کی اصلاح احوال کے بارے میں حضرت شہید کی فکر اور درد وغم کا اندازہ ہو جاتا ہے۔اسلام آباد اور راولپنڈی میں دینی اور تبلیغی اجتماعات اکثر و بیشتر عشاء کی نماز کے بعد ہوا کرتے تھے اور دیر تک جاری رہنے کی وجہ سے اکثر لوگوں کی فجر کی نماز جماعت سے رہ جاتی تھی یا پڑھتے ہی نہیں تھے حضرت کو اس بارے میں بڑی فکر تھی اور کئی دفعہ اس کا اظہار بھی فرمایا تھا بالآخر حضرت ہی کی تحریک سے ان اجتماعات کا انعقاد مغرب کے بعد ہونا شروع ہوا اور آج بھی اسلام آباد اور راولپنڈی کے اکثر مکاتیبِ فکر کی مساجد میں اجتماعات کا انعقاد مغرب کے بعد ہی ہوتے ہیں یہ سب حضرت شہیدؒ کی فکر اور سوچ کا نتیجہ ہے۔

حضرت شہیدؒ کی حق گوئی اور بے باکی ضرب المثل تھی ایک دفعہ صدر ضیاء الحق مرحوم نے ایک تقریر کے دوران کہا تھا کہ مولانا عبداللہ صاحب حکومت کے خلاف تقریریں کرتے ہیں اور ہمیں ان کو برداشت کرنا پڑتا ہے یہ بات دوسرے دن اخبارات اور دیگر

ذرائع ابلاغ میں بھی آئی تھی۔

حضرت کے اندر ایک خاص کمال یہ تھا کہ جو تقریر وہ ایک دو گھنٹوں میں کرتے تھے، دو تین منٹوں میں پوری تقریر کا مفہوم اور خلاصہ بھی سمجھا دیتے تھے۔

حضرت کی شہادت سے چند مہینے پہلے دو درجن سے زائد مختلف تنظیموں نے حضرت ہی کی سرپرستی میں ''مجلس تحفظ اسلامی'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی تھی جس کے تحت امریکہ مردہ باد کے نام سے کئی عظیم الشان ریلیاں بھی منعقد کی گئیں۔ یہ بات امریکہ اور امریکہ نواز حکومت پاکستان کو کہاں برداشت ہوسکتی تھی۔ چنانچہ اس وقت کے حکمرانوں نے امریکی اشارے پر حضرت کو نہایت بے دردی سے شہید کردیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

قاتلانہ حملے کے بعد حضرت شہید اور ہمارے ایک مشترکہ دوست (جو ایک بڑے سرکاری عہدے پر فائز ہیں) نے فون کر کے جب حضرت کی شہادت کی اطلاع دی تو میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا، تین چار منٹ تک سکتے کی حالت میں ہی رہا، جس کے بعد وضوء کیا، دو رکعت صلوۃ الحاجات پڑھی اور دعا کی یا اللہ حضرت شہیدؒ کو اونچا مقام عطا فرما، اس مشکل وقت میں ہماری مدد فرما اور اس عظیم خلاء کو پر کرنے کی مقدر فرما۔ زندگی میں کسی کی وفات پر مجھے اتنا صدمہ نہیں پہنچا تھا جتنا حضرت کی شہادت پر مجھے پہنچا ۔اس کے تقریبا پندرہ یا بیس منٹ کے بعد میں لال مسجد پہنچا تو حضرتؒ کی میت بھی ہسپتال سے پہنچ چکی تھی جب میں نے مولانا عبدالعزیز صاحب کو دیکھا تو مجھے حوصلہ ہوا کیونکہ ان کا حوصلہ ہمارے تصور سے بھی زیادہ بلند تھا۔ ملاقات کے دوران انہوں نے مجھ سے دو باتیں کیں ایک یہ کہ حضرت کو جلدی دفن کرنا ہے دوسری بات یہ کہ حضرت کو جامعہ فریدیہ کے قریب کہیں دفن کرنا ہے جس پر میں نے اتفاق کرلیا۔ ساتھ ساتھ احقر نے ان کو یہ مشورہ بھی دیا کہ آج چونکہ لوگ مشتعل ہیں اس لئے کسی کو تقریر کرنے کی اجازت نہ

دی جائے ورنہ مشتعل ہجوم قابو سے باہر ہو جائے گا۔اس پر بھی سب کا اتفاق ہو گیا البتہ چند لوگوں نے توڑ پھوڑ اور نعرہ بازی شروع کرنے کی کوشش کی تو مولانا عبدالعزیز صاحب نے لاوڈ اسپیکر میں اعلان کر کے ان کو سختی سے منع کیا جس پر وہ رک گئے ۔ یہ مولانا عبدالعزیز صاحب کا انتہائی دانشمندانہ فیصلہ تھا ورنہ اس مشتعل ہجوم کو کنٹرول کرنا ناممکن ہو جاتا۔نماز مغرب سے پہلے مولانا قاری سعید الرحمٰن ،مولانا ظہور احمد علوی ،مولانا قاضی عبدالرشید صاحب اور راقم کا مختصر سا بیان ہوا اور حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن نے مختصر بیان کے بعد مولانا عبدالعزیز صاحب کی دستار بندی کی جب سے مولانا عبدالعزیز صاحب اپنے والد بزرگوار کی نیابت کا حق ادا کرر ہے ہیں۔مسجد اور مدرسہ کی روز افزوں ترقی دیکھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے کیونکہ جو عہدہ اور منصب بغیر طمع اور طلب کے سونپ دیا جاتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت شہیدؒ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آہ! حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ

مولانا عبدالعزیز دامت برکاتہٗ

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب (شہیدؒ) کی زندگی اس حدیث کے عین مطابق تھی:

"قال رسول اللہ ﷺ الکیس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت "

کہ عقلمند وہ ہے جو اپنی حقیقت کو پہچان لے اور موت کے بعد آنے والی زندگی کی تیاری کرے۔

حضرت والد صاحب (شہیدؒ) کی زندگی میں ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ خواہشات انتہائی محدود رہیں۔ موت کے بعد آنے ولی زندگی کی فکر میں ان کو بہت سوں نے روتے دیکھا۔ اسی لئے حضرت شہیدؒ نے کبھی ذاتی گاڑی نہیں رکھی۔ پورے ملک میں ایک کمرے کا مکان بھی نہیں بنوایا۔ ہر کام اپنے ہاتھ سے خود کرنے کے عادی تھے۔ ۶۳ سال کی عمر ہو چکی تھی لیکن اس کے باوجود کسی قسم کی خدمت قبول نہیں فرماتے تھے۔ گھر میں اپنے لئے کھانا پکانے سے منع فرما رکھا تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ کچھ پتہ نہیں کہیں سے کھانا کھا کر آ جاوں اور گھر میں پکا کھانا ضائع ہو جائے۔ بازار سے روٹیاں لا کر گھر میں فریزر میں رکھ کر ٹھنڈی کر لیا کرتے تھے بوقت ضرورت خود ہی آدھی روٹی نکال کر جو سالن موجود ہوتا اسے خود اپنے ہاتھ سے گرم کر کے کھا لیا کرتے تھے۔ سالن نہ ہوتا تو دودھ یا دہی استعمال کر لیتے تھے۔ اس معاملے میں کسی کی خدمت قبول نہیں فرماتے تھے۔ شہادت کے چند دن بعد میری بڑی باجی نے بتلایا کہ میں کچھ دن پہلے ابا جان سے ملنے کیلئے گھر آئی تھی تو میں نے دیکھا کہ گھر میں رکھے ہوئے وزن کرنے والے آلے سے اپنا وزن کر کے دیکھا تو ابا جی نے فرمایا کہ

میرا وزن پانچ پونڈ کم ہو گیا ہے۔اسی لئے آج دہی استعمال کروں گا،وہ کافی دنوں سے دہی استعمال نہیں فرمارہے تھے اور اپنا وزن کم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔باجی نے کہا ابا جان آپ کو وزن اتنا کم کرنے کی کیوں فکر لگی ہوئی ہے۔آپ کا وزن تو کوئی اتنا زیادہ تو نہیں ہے۔تو ارشاد فرمایا کہ مجھے تو اس وزن کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ جس شہادت کی تمنا دل میں رکھتے تھے اور اس کے لئے رو رو کر دعائیں کرتے تھے۔اس کا اندازہ ان کو ہو چکا تھا۔حضرت شہیدؒ بروز ہفتہ بتاریخ ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۸ء بمطابق ۲۵ رجمادی الثانی ۱۴۱۹ھ کو جامعۃ العلوم الاسلامیۃ الفریدیہ سے مشکوٰۃ شریف کا درس دے کر مرکزی جامع مسجد کے احاطے میں پہنچے ہی تھے کہ دن کے بارہ بجے کے قریب گھر کی جانب چھوٹے سے گیٹ سے قاتل نے حضرت شہیدؒ پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔میں مدرسہ حفصہؓ للبنات میں مشکوٰۃ شریف کا سبق پڑھا کر تھوڑی دیر کیلئے والدہ صاحبہ سے ملنے گھر گیا تھا اور پھر واپس اپنی مسجد واقع F/8-2 اسلام آباد میں جانے کیلئے جامعہ کی گاڑی پر سوار ہونے لگا تھا کہ حضرت والد صاحب کو دیکھا کہ سامنے حسب معمول پگڑی باندھے مسکراتے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ابھی میں نے سلام عرض کیا ہی تھا کہ اچانک گولیوں کی آواز آئی مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ گولیاں کس جانب سے چل رہی ہیں اور کس پر چلائی جا رہی ہیں۔میں نے حضرت والد صاحبؒ سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ تو انہوں نے گیٹ کی جانب اشارہ فرمایا تو میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان شخص ہاتھ میں پستول لئے ہوئے حضرت والد صاحبؒ شہید پر گولیاں برسا رہا ہے میں فوراً اس کی جانب دوڑا اس نے مجھ پر بھی چار پانچ فائر کئے جن میں سے ایک گولی میرے کپڑوں کو پھاڑتی ہوئی نکل گئی اور باقی گولیوں سے میں محفوظ رہا اس کے بعد وہ شخص وہاں سے بھاگا اور آگے جا کر گاڑی میں بیٹھ کر فرار ہو گیا۔میری اہلیہ جو مدرسہ حفصہ میں پڑھاتی ہیں،وہ مجھ سے پہلے حضرت والد صاحبؒ کے پاس پہنچ گئی تھیں۔حضرت والد صاحب کو خون میں لت پت دیکھ کر اہلیہ نے کہا ''ہائے ابو،ہائے ابو'' تو حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ ہائے مت کہو اور پھر اہلیہ نے

بتایا کہ ابا جی نے کلمہ پڑھا' ہم حضرت والد صاحبؒ کو گاڑی میں ہسپتال لے گئے لیکن وہ شہادت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو کر رب کریم کے حضور پہنچ چکے تھے۔ میرے لئے تو صدمہ اس سے بڑھ جاتا ہے کہ میں نے اپنے والد صاحب کو اپنی آنکھوں کے سامنے شہید ہوتے دیکھا۔ دنیا سے جانا تو ہر انسان نے ہے ہی لیکن اس بات سے ایک گونا تسلی بھی ہوتی ہے کہ حضرت والد صاحب شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے جو ان کی دیرینہ تمنا تھی۔ حضرت والد صاحبؒ نے جو آج سے چار سال قبل مجھے وصیت نامہ لکھ کر دیا تھا جو میرے پاس موجود ہے ۔جس میں فرمایا تھا کہ موت برحق ہے مجھے بھی موت آئے گی کسی انتظار کے بغیر فوراً دفن کر دینا اگر ہو سکے تو جامعہ کے قریب دفن کر دینا۔ سنت کے مطابق تمام اعمال کرنا۔ اجتماعی قرآن خوانی اور اعلان قرآن خوانی مطلقاً نہ کرنا انفرادی خلوت کی دعاؤں میں ضرور یاد رکھنا۔ میرے اوپر کسی کا قرض نہیں ہے تمام بچوں سے درخواست ہے کہ نمازوں کی پابندی کریں۔ تلاوت کلام اللہ کی پابندی اور اتباع شریعت تمام عمر ضرور کرتے رہیں۔ اپنی اولاد کو ضرور عالم دین بنائیں اور دنیوی علوم بقدر ضرورت سکھائیں اور فرمایا کہ میرے ذمے کوئی قضا نماز نہیں ہے۔۔ میرے مال کا ثلث جامعہ فریدیہ میں بہترین شق پر صدقہ جاریہ کے طور پر لگا دینا اور باقی مال شریعت کے مطابق تقسیم کر لینا۔ میری زندگی کی خواہش تو یہ تھی کہ حضرت والد صاحبؒ کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم و دائم رہے اور میں جامعہ کی انتظامی اور تدریسی امور جو حضرت والد صاحبؒ نے میرے ذمہ لگائے تھے وہ انجام دیتا رہوں لیکن ماشاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن ۔حضرت والد صاحبؒ کی زندگی کی آخری تمنا اور کوشش اسلامی نظام کے بارے میں تھی اس پر حضرت بہت ہی فکر مندی کے ساتھ کوشاں تھے اور رو رو کر دعائیں کیا کرتے تھے۔ حضرت والد صاحبؒ کی شہادت کے بعد بندہ ناچیز نے ارادہ کیا ہے کہ اپنی بساط کے مطابق اس کاز کو آگے بڑھانے کی حتیٰ المقدور کوشش کروں گا۔ حضرت والد صاحبؒ کی شہادت کے بعد مرکزی جامع مسجد میں بندہ نے جو پہلا جمعہ پڑھایا اس میں لوگوں سے یہی عرض کی کہ دوستو! جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات بے عیب ہے اسی طرح اللہ

کی بنائی ہوئی ہر چیز بھی بے عیب ہے۔ سورج' چاند' ستارے' پھل' پھول' سبزہ زار کھیتیاں اس کی بنائی ہوئی ہر چیز بے عیب ہے۔ اسی طرح اس کا بنایا ہوا اسلامی نظام بھی یقیناً بے عیب ہوگا اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی بنائی ہر چیز میں انتہائی خوبصورتی کا خیال رکھا گیا ہے اور مسرتوں اور فرحتوں کا عجیب سامان ان چیزوں میں رکھا گیا ہے۔ اسی طرح اس کا بنایا ہوا اسلامی نظام بھی انتہائی خوبصورت و حسین ہوگا اور اسی نظام میں وہ فرحتیں اور لذتیں محسوس ہوں گی جس کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے۔ بندہ نے یہ بھی عرض کیا کہ حضرت والد صاحبؒ کی کسی سے دشمنی نہیں تھی ہاں اگر دشمنی تھی اس انگریزی نظام سے تھی جو کسی کا بھی محافظ نہیں ہے۔ یہ انگریزی نظام نہ تو وزیراعظم اور صدر کا محافظ ہے نہ وکلاء اور ججوں کا محافظ ہے۔ جب تک یہ نظام رہے گا اس وقت تک حکومت ورعایا' امیر وغریب' مسلم' عورت' مرد' بوڑھے اور بچے کسی کی بھی جان و مال عزت وآبرو کچھ بھی محفوظ نہیں۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ میرے والد صاحب شہیدؒ اور تمام علماء اور ملک کے عظیم رہنماؤں کا قاتل یہ انگریزی نظام ہے اور اس نظام کو بدلنا کسی ایک انسان کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ یہ تو اسی وقت ممکن ہے جب پوری قوم اور اس کے رہنما اس کے خلاف بیک آواز ہو جائیں اور اسلامی نظام لانے کا عزم کر لیں مجھ جیسے ناتواں اور کمزور کے بس کی بات نہیں کہ میں اپنے والد کے قاتل اور تمام انسانیت کے قاتل انگریزی نظام کے خلاف کچھ کر سکوں میں تو اللہ تعالیٰ کے حضور غم کا اظہار کر سکتا ہوں اور جب تک میں قتل یا گرفتار نہیں ہو جاتا تو میں یہ سمجھوں گا میرے والد کا قاتل زندہ ہے۔ میں نے یہ ابھی اعلان کیا ہے کہ چونکہ میرے والد کا قاتل یہ انگریزی نظام ہے۔ اس لئے میں اس نظام سے آنے والی تنخواہ حکومت سے قبول نہیں کروں گا اور حضرت والد صاحبؒ شہید کی وراثت میں جو کچھ بندہ کے حصہ میں آئے گا اسے اسلامی نظام کی آواز بلند کرنے میں وقف کروں گا۔ میری آپ سے بھی درمندانہ اپیل ہے کہ اسلامی نظام کیلئے اپنے دوستوں اور متعلقین کو آمادہ فرمائیں کہ وہ لوگوں سے مل کر انہیں اسلامی نظام کے ثمرات اور بہاریں بتائیں اور یہ بتلائیں کہ یہ نظام تو مسلم اور غیر مسلم کی تفریق کے بغیر

ہر ایک کے تحفظ کا ضامن ہے اور اخبارات میں آئے دن جو عجیب و غریب افسوسناک خبریں پڑھتے ہیں کہیں اجتماعی عصمت دری ہے کہیں قتل و غارت گری کہیں ڈاکہ اور چوری ان سب خرابیوں کی جڑ انگریزی نظام ہے۔ اگر یہ نظام قائم رہا تو آہستہ آہستہ بہت سے موتی ہم سب سے جدا ہو جائیں گے۔ رات کے آخری لمحات جو قبولیت کے اوقات ہوتے ہیں ان میں رو رو کر اللہ تعالیٰ سے حقیقی اسلامی نظام کیلئے دعا مانگنے والے بن جائیں تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ضرور ہماری آہ و زاری پر ترس آئے گا اور اس ملک میں اسلامی نظام کی صورت مقدر ہوگی۔

وما ذلک علیٰ الله بعزیز.

مولانا عبداللہ شہیدؒ ایک عہد ساز شخصیت

حضرت مولانا قاضی نثار احمد مدظلہ۔ گلگت

حضرت شہیدِ اسلامؒ کی قلندرانہ زندگی بلاشبہ آنے والی نسلوں کیلئے نہایت سبق آموز ہے۔ حضرت مرحوم کی خداد صلاحیتوں اور آپکی محبت وخلوص، امت کے لئے درد بھرے جذبات کو قلمبند کرنا اس ناکارہ کے بس کی بات نہیں۔ مگر اس امید سے کہ ٹوٹے پھوٹے جملوں سے ہی سہی حضرت کے حالات احباب کرام کے سامنے لائے جائیں یہ حضرت شہیدِ اسلام کے احسانات اور شفقتوں کا بدل تو نہیں ہوسکتا مگر اپنی محرومی اور درد میں کمی کا ذریعہ ہوگا۔

آپ کا ہر ایک کے ساتھ ایسا تعلق وشفقت کا معاملہ ہوتا تھا کہ ہر ایک یہ یقین کرتا تھا کہ حضرت کا میرے ساتھ خصوصی تعلق اور شفقت ومحبت ہے۔ رب تعالیٰ نے آپکو عجیب صفات اور صلاحیتوں سے نوازا تھا کہ آپ بیک وقت درویش صفت، دنیا سے بے نیاز قلندر، مایہ ناز خطیب، ہر دلعزیز، مرد میدان، اخلاص وجرأت کے پیکر اور مجاہد وقت تھے۔ مذہب ومسلک کی حفاظت وترویج کیلئے ہمہ وقت کوشاں رہتے۔ سائلین کی خدمت کو عبادت سمجھتے تھے۔ چونکہ آپ ملک کے دارالحکومت میں اور مرکزی جامع مسجد کے خطیب اور مرکزی حیثیت کے مالک تھے علماء طلباء اور دیگر ضرورت مندوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ ہر ایک کی خدمت کیلئے کمر بستہ رہتے۔ اتنے مصروف رہنے کے باوجود کبھی کسی نے آپ کے چہرے پر بل آتے نہیں دیکھا ہوگا۔ کبھی کسی پر غصہ ہونا تو درکنار آپ کے چہرے پر غصہ کے آثار تک نظر نہیں آتے تھے۔ آپ کا حلقۂ احباب بہت ہی وسیع تھا اور سائلین کی خدمت میں شب وروز مصروفیت کے باوجود مسجد کی ذمہ داری، ختم نبوت، وفاق المدارس کی خدمات، جمعیت اہل سنت کی ذمہ داریاں، جامعہ فریدیہ جیسے عظیم ادارے کی دیکھ بھال بڑی جانفشانی

سے انجام دیتے تھے۔

والد ماجد حضرت مولانا عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ فاضل دارالعلوم دیوبند، شہید اسلام کی بہت عزت واحترام کرتے تھے۔ وہ اکثر اپنے احباب میں تحریک ختم نبوت کے دوران آپ کی قربانیوں اور گرفتاریوں کا تذکرہ کرتے تھے۔ایک موقع پر فرمایا کہ راولپنڈی اسلام آباد میں حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کے بعد آپ کی شخصیت مسلک دیوبند کیلئے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔شمالی علاقہ جات گلگت کے مخصوص حالات کے حوالے سے حضرت ابا جانؒ کو نیک مشوروں کے ساتھ معاونت فرماتے تھے۔شمالی علاقہ جات کے وفود کی اسلام آباد میں سربراہی فرماتے تھے۔شمالی علاقہ جات کے آئینی حقوق کے حوالے سے آنجناب اتنے آگاہ تھے کہ تاریخی اور جغرافیائی حیثیت کے دلائل از بر تھے۔شمالی علاقہ جات کے حقوق کا مسئلہ کافی پیچیدہ ہے سرکاری ذمہ دار عہدوں پر فائز آفیسر اور وزراء کو آپ اتنے آسان اور سادہ لفظوں میں سمجھاتے تھے کہ ہمارے وفد کے ارکان دنگ رہ جاتے تھے کہ حضرت کس حد تک اس مسئلہ کے تاریخی پس منظر کے ساتھ اسکی اہمیت جانتے ہیں۔اور کیسی فصاحت اور مدلل انداز سے مخاطب کو قائل فرماتے ہیں۔آپ کی اس صفت کا شمالی علاقہ جات کی کئی اہم سیاسی شخصیات نے راقم کے سامنے بارہا تذکرہ کیا ہے۔

آپ 1984ء کے دوران گلگت و بلتستان کے دورے پر تشریف لائے تھے۔ اس دوران مولانا محمد سعیدی صاحب بلتستانی مرحوم ومغفور کی دعوت پر ابا جان بھی بلتستان تشریف لے گئے تھے۔ واپسی پر شہیدِ اسلام بھی گلگت تشریف لائے۔مرکزی جامع مسجد گلگت میں عظیم الشان جلسے سے حضرت شہیدؒ نے ایمان افروز خطاب فرمایا۔اس موقع پر علاقے کے دینی معاملات پر اہم مشوروں اور فیصلوں سے نوازا۔

جامعہ اسلامیہ نصرت الاسلام کا اجراء اور وفاق المدارس العربیہ سے الحاق بھی حضرت شہید اسلامؒ کے مشورے سے ہوا۔ابا جان نے جب اس ناچیز کو دینی تعلیم کیلئے روانہ فرمایا تو شہید اسلام کی خدمت میں بھیجا کہ آپ کے مشورے سے ادارے کا تعین ہو۔اور

تعلیم حاصل کروں۔ چنانچہ بندہ اسلام آباد میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابا جان کا پیغام اور حاضر ہونے کی وجہ حضرت کی خدمت میں عرض کی۔ تو آپ بہت خوش ہوئے۔ مولانا عبدالعزیز صاحب شاید اسی سال جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے فارغ التحصیل ہوکر تشریف لائے تھے۔ ان کو بھی حضرت نے مشورے میں شریک فرمایا۔ مشاورت کے بعد علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں پڑھنا طے ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ کل چار بجے سہ پہر بذریعہ ٹرین ہم ملتان ختم نبوت کے اجلاس میں جارہے ہیں۔ مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب مدیر جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن اور ناظم تعلیمات جناب ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر صاحب بھی وہاں تشریف لانے والے ہیں پھر فرمایا کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں تاکہ ان بزرگوں سے تعارف ہوجائے اور ان سے داخلہ کی گزارش بھی کرینگے۔

محترم حاجی سمیع اللہ صاحب اور دیگر علماء کرام کی جماعت کے ہمراہ دوسرے روز سفر پر روانہ ہوئے۔ حضرت اس قافلہ کے امیر تھے۔ دوران سفر آپ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ طویل سفر میں ہشاش بشاش، ساتھیوں کی خدمت کرتے، ساتھیوں کو آسانی اور سہولت پہنچانے کیلئے فکر مند رہتے۔ عام مسافروں سے مل کر گفتگو فرماتے۔ سفر بھی سیکنڈ کلاس میں عام لوگوں کے ساتھ تھا۔ ان کے قریب ہوتے، ان کے حالات معلوم کرتے، نیک مشوروں سے نوازتے، انہیں دین کے قریب لانے کیلئے نماز کی ترغیب دیتے اور انہیں اپنے ساتھ باجماعت نماز کیلئے تیار فرماتے۔ راقم کیلئے یہ سفر اور اس عظیم الشان اجلاس میں شرکت ایک عظیم سعادت تھی۔ جلیل القدر اکابر سے ملاقات ہوئی۔ جناب مفتی احمد الرحمٰن صاحب اور حضرت ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر صاحب سے تعارف کرایا اور داخلہ کی درخواست کی ان اکابر نے کراچی جامعہ میں حاضر ہونے کا حکم فرمایا۔ یوں میری ایک نئی زندگی کا آغاز حضرت کی رہنمائی اور سرپرستی میں علامہ بنوری ٹاون سے ہوا۔ حضرت اکثر کراچی تشریف لاتے آپ کا قیام جامعہ کے مہمان خانہ میں ہوتا تھا۔ راقم سلام دعا اور خدمت کیلئے حاضر ہوتا۔ حوصلہ افزائی کیلئے ہمارے کمرے میں تشریف لاتے۔ بعض اوقات مولانا مفتی

احمد الرحمٰن اس ناچیز کو شہید اسلام کے پروگرام کے بارے میں بتاتے تھے کہ فلاں تاریخ کو آپ کراچی تشریف لانے والے ہیں۔ راقم کو کراچی چھوڑنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو حضرت کے مشورے اور حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحب کی اجازت سے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں درجہ خامسہ پڑھنے گیا تو یہاں بھی حضرت تشریف لاتے تو بہت شفقت فرماتے۔ ایم آر ڈی کے خاتمے کے بعد مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے مابین مصالحت کی امید بنی تو ہمارے ان اکابر نے اس سلسلے میں بھرپور کوشش فرمائی۔ ایک موقع پر حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب مدظلہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ، مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب مدظلہ، مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب مدظلہ، مولانا مفتی جمیل صاحب مدظلہ اور دیگر اکابرین اکوڑہ خٹک تشریف لائے۔ حضرت شہید اسلام بھی اس قافلے میں شامل تھے۔ کراچی سے اکابر اسلام آباد آئے پھر اسلام آباد سے اکوڑہ خٹک رات دو بجے پہنچے۔ فجر کی نماز میں ملاقات ہوئی۔ حضرت کے ساتھ دارالاقامہ میں داخل ہوتے ہی حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحب نے حضرت شہید اسلام سے فرمایا آپ کا مرید بھی آپ کے ساتھ ہے۔ حضرت شہید اسلام کی وجہ سے حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحب سے بھی قریبی تعلق تھا۔ قدم قدم پر شفقت فرماتے تھے۔ اثنائے گفتگو یہ بات سامنے آئی کہ مولانا عبداللہ صاحب رات پہنچنے کے بعد سوئے ہی نہیں بلکہ ان دونوں حضرات کے درمیان مصالحت کیلئے گڑگڑا کر دعا مانگتے رہے ہیں۔ رب تعالیٰ نے آپ کو دین کے درد اور امت کی فکر سے نوازا تھا۔ حضرت کو دین کے خلاف استعماری طاقتوں کی سازشوں کا اندازہ تھا۔ ملک میں ہونے والی بے حیائی اور فحاشی کے بارے میں آپ فکرمند رہتے تھے۔ اس لئے ہمیشہ نفاذ شریعت کی بات کرتے تھے اور ہر دینی جماعت اور دینی تحریک کے ساتھ معاونت فرماتے تھے۔ ملک میں ناموس صحابہؓ کے تحفظ کیلئے آپ کی عظیم قربانیاں قابل رشک ہیں۔

مجاہد اسلام اسامہ بن لادن کی دعوت پر ملک کے جلیل القدر علماء کرام کا ایک وفد

امارت اسلامیہ افغانستان گیا۔ حضرتؒ اس قافلے کے امیر تھے، راقم بھی ادنیٰ خادم کی حیثیت سے اس قافلے میں شریک تھا۔ براستہ کوئٹہ قندھار گئے۔ جہاں ہماری شیخ سے ملاقات ہوئی، شیخ نے دنیا کا نقشہ سامنے لٹکا کر پوری دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے مظالم سے آگاہ کیا اور شہید اسلام کی قیادت میں عمدہ مشاورت رہی۔ کئی روز کا سفر تھا۔ افغانستان سے واپسی پر کوئٹہ میں جن علماء اور اکابر سے ملاقات ہوئی وہ آپ کی جرأت واخلاص ہمدردی اور بے باک دینی خدمات کا اعتراف کرتے تھے اور دل سے آپ کی قدر کرتے تھے۔ آپ کو اپنے ملک کیساتھ عالم اسلام کے مسلمانوں کی بھی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ قافلۂ دیوبند کے اس عظیم سپہ سالار کو امریکہ سے سخت عداوت تھی۔ امریکہ آپ کو اپنا دشمن سمجھتا تھا۔ آپ ہی نے اسلام آباد سمیت ملک بھر میں ''تحریک امریکہ مردہ باد'' کا آغاز کیا تھا اور متعدد جلسے منعقد کروائے تھے۔ آپ ایک بیدار مغز، متحرک، مخلص اور جری انسان تھے، آپ ہر سائل کی بے لوث خدمت کے عادی، جرأت وہمت کے مالک تھے۔

اسلام آباد میں جہاد کے حوالے سے ایک کانفرنس میں امام کعبہ عبداللہ ابن السبیّل صاحب تشریف لائے تھے، حضرت نے انہیں دوسرے روز جامعہ فریدیہ میں بلایا۔ راقم کو بھی اس موقع پر حاضر ہونے کا حکم فرمایا۔ حضرت کو دیکھا امام کعبہ کے ساتھ نہایت روانی اور فصاحت کے ساتھ عربی میں تکلم فرمارہے تھے۔

1995ء میں بے نظیر حکومت کے دوران گلگت سے چائنا کے چند معصوم مسلمان طلباء کو دھوکہ اور ڈرامائی انداز میں گرفتار کرکے چائنا حوالگی پر سب سے پہلے جس شخص نے غم کے آنسو بہا کر ہم سب سے رابطہ کیا وہ آپ ہی تھے۔ آپ کے جذبات اور ہمہ گیر صلاحیتوں سے دشمن ہمیشہ خوفزدہ رہتا تھا۔ آپ کی شخصیت ایسی تھی کہ ملک کے علماء اور عوام آپکی مسجد کو اپنا مرکز سمجھتے تھے جبکہ لادین طبقہ آپ کو اپنے راستے کی رکاوٹ سمجھنے لگا تھا۔ اور اپنا ظلم ایک بار پھر دہرادیا۔ اور روافض کو آلہ کار بنا کر نصف النہار کے وقت ملک کی جامع مسجد کے صحن میں گھر سے چند قدم کے فاصلے پر آپ کو شہید کردیا۔ تاکہ اہل حق خوفزدہ ہوں مگر حضرت اپنا درد، محنت، محبت کے جذبات، ہزاروں پروانے، نہایت بااعتماد جانشین حضرت مولانا محمد

عبدالعزیز صاحب اور جامعہ فریدیہ کے غیور شاگرد چھوڑ گئے ہیں۔انشاءاللہ آپ کا مشن زندہ رہے گا۔روافض بھی مرزائیت کے مقام تک پہنچ کر رہینگے۔

ے ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کے درجات بلند فرمائے اور ہم سب کو آپ کے نقش قدم پر چل کر دین کی خدمت کرنے کی توفیق سے نوازے۔آمین۔

حضرت شہید کی شہادت کے بعد مرکزی جامع مسجد میں جمعہ کے موقع پر جانشین شہید اسلام حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہ کی پہلی تقریر

خطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا:

معزز سامعین: اس منبر پر مجھے بارہا بیٹھنے کا موقع ملا اب سے نہیں بلکہ جب میں 78ء میں جامعہ بنوری ٹاون کراچی میں درجہ ثانیہ کا طالب علم تھا۔ حضرت والد صاحب کی شفقت اور مہربانی تھی کہ اسی عمر سے مجھے اس منبر بٹھانا شروع کیا اور بارہا بیٹھا، حضرت والد صاحب کہیں سفر پر جاتے تو مجھے حکم دیتے اور میں یہاں آ کر اپنی معروضات عرض کرتا لیکن آج اس منبر پر بیٹھنے کو دل تو آمادہ نہیں ہوتا کہ وہ منبر جہاں سے ایک نیک صالح، متقی، پرہیزگار اور سنت پر چلنے والے عالم باعمل کی آواز گونجا کرتی تھی۔ وہاں مجھ جیسے بے عمل، کم علم اور ڈرپوک ضعیف انسان کا بیٹھنا عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حضرت والد صاحب زندگی میں میری والدہ سے کہا کرتے تھے کہ میرا بیٹا انشاءاللہ میرا جانشین ہوگا۔ اگرچہ مجھے اندازہ ہے کہ میرے اندر نہ وہ قوت ہے نہ وہ علم نہ وہ تقویٰ ہے لیکن جب سورج غروب ہوجاتا ہے۔ تو چراغ سے بہر حال استفادہ کیا جاتا ہے۔ اب وہی صورت بن چکی ہے کہ یہاں کا سورج غروب ہو چکا ہے۔ وہ ہم سے بچھڑ کر اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ چکے ہیں اور ایسے نہیں پہنچے بلکہ اعزاز و اکرام کے ساتھ پہنچے ہیں۔ عزت والی زندگی بسر کی سنت والی زندگی بسر کی ہمیشہ حکمرانوں کے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی۔

قال رسول الله صلیٰ الله علیه وسلم الکیس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت .

عقلمند کی نشانی یہ ہے کہ وہ خواہشات کو کنٹرول کرے اور موت کے بعد آنے والی زندگی کی فکر میں لگا رہے۔

حضرت والد صاحبؒ نے پوری زندگی اس حدیث کے مطابق گزاری۔ میں نے

اس حدیث پر حضرت والد صاحب سے زیادہ کسی انسان کو عمل کرنے والا اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ 32 سال تک اس مرکزی مسجد میں امامت اور خطابت کی ہے اور بڑے بڑے مناصب بھی حضرت والد صاحب کے پاس رہے ہیں لیکن اس پورے عرصہ میں کبھی ذاتی گاڑی نہیں رکھی انسان کو گھر کی تمنا ہوا کرتی ہے کہ کوئی میرا ایک دو کمرے کا مکان بن جائے جس میں میرے بچے سر چھپا سکیں، پوری زندگی نہ مکان بنایا نہ ہی اس کی خواہش رکھی بلکہ کسی نے کہا تو ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ پوری زندگی اپنے ہاتھ سے کام کرنے کا معمول تھا۔ زندگی کا یہ آخری سال حضرت والد صاحب کا بڑا عجیب سال تھا۔ کچھ نیا ولولہ کچھ نیا جذبہ آچکا تھا۔ عجیب کیفیت تھی۔ اس سال کے اندر حضرت والد صاحب کی ایک ہی فکر ایک ہی سوچ رہ گئی تھی۔ کہ اس ملک میں کیسے اسلامی قانون نافذ ہو۔ ان کی ہر تقریر ان کا ہر بیان اسی موضوع پر ہوتا تھا۔ حضرت والد صاحب کی آخری تقاریر سننے والے یہاں موجود ہیں، طاغوتی نظام کے خلاف مظاہرے کرنے پڑے تو بارہا کئے میں نے والد صاحب سے عرض بھی کیا کہ مدرسہ میں طلبہ کی تعلیم متاثر ہو رہی ہے اس سال بہت مظاہرے ہو رہے ہیں تو فرمانے لگے بیٹے کوئی بات نہیں یہ بھی دین ہے فکر نہ کرو۔ وقت ضائع نہیں ہو رہا ہم نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ جامعہ کو ان مظاہروں سے بچایا جائے چنانچہ والد صاحب جیل گئے لیکن مدرسہ کے طلبہ کو جلوس میں شرکت کی اجازت نہیں دی گئی۔

حضرت والد صاحب شہادت کی وجہ سے انتہائی اعلیٰ اور ارفع مقام پر پہنچے جس کا میں اور آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ شہادت کس کا نام ہے؟ شہادت اس موت کا نام ہے کہ ظاہراً تو انسان مر جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس کو مردہ نہ کہنا۔ اس کا بسیرا تو جنت میں عرش کے نیچے سونے کی قندیلوں میں ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ شہیدوں کی روحیں حسین وخوبصورت سبز پرندوں میں ڈال دی جاتی ہیں۔ جو جنت میں کھا پی کر عرش کے نیچے سونے کی قندیلوں میں بسیرا کرتے ہیں۔ حضرت والد صاحب بھی وہاں پہنچے ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بار بار اس کی تمنا کی ہے۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اس نسبت سے

شہید ہوئے ہیں کہ آپ کو ایک یہودی عورت نے زہر دیا تھا آپ ﷺ نے آخر میں فرمایا تھا کہ اس زہر کے اثر نے میری شہ رگ کو کاٹ کر رکھ دیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ میرے والد صاحب کے قاتل کون ہیں؟ آپ کے محبوب پورے ملک اور علماء کے محبوب مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ کے قاتل کون ہیں؟ میں نے بہت سوچا کہ میرے والد کے قاتل کون ہو سکتے ہیں؟ میں نے دن کو بھی سوچا، راتوں کو بھی۔ اس کے بعد مجھے معلوم ہو گیا کہ میرے والد صاحب کے قاتل کون ہیں؟

میرے دوستو! قاتل معلوم کرنے کیلئے طریقہ یہ ہوتا ہے کہ معلوم کرو کہ دشمنی کس کے ساتھ تھی؟ جب میں نے سوچا تو میں نے دیکھا کہ میرے والد کی دشمنی، زن، زر، زمین پر کسی کے ساتھ نہیں تھی۔ انہوں نے تو زندگی بھر اپنا مکان بھی نہیں بنایا زمین بھی کوئی نہیں تھی۔ مال ودولت کی بھی فکر نہیں تھی۔ پھر قتل کیوں ہوئے؟ قاتل اب کون ہو سکتے ہیں؟ میں نے سوچا تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے والد کی دشمنی تھی اور بہت بڑی تھی اور آخری زندگی میں تو یہ دشمنی بہت ہی بڑھ چکی تھی اور آپ نے اس قاتل کے خلاف ببانگ دھل بولنا شروع کر دیا تھا۔

میرے بھائیو اور دوستو! سنو میرے والد کا قاتل یہ طاغوتی نظام ہے۔ انگریز کا بنایا ہوا نظام میرے والد کا قاتل ہے۔ ملک کا طاغوتی نظام میرے والد کا قاتل ہے۔ امریکہ کا نیو ورلڈ آرڈر میرے والد کا قاتل ہے۔ اب میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ جب تک میرے جسم میں جان ہے میں ان قاتلوں کیخلاف آواز اٹھاؤں گا۔

ہم تو اس نظام کے قائل ہیں جس کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ زیور سے لدی ہوئی عورت صنعا سے حضر موت تک اکیلے سفر کرے گی کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکے گا۔ وہ نظام اسلامی نظام ہے، وہ نظام محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا نظام ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ما تریٰ فی خلق الرحمن من تفاوت . (الآیه)

تم اللہ کی بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

ایک بار نہیں بار بار غور کرو، سوچو، اپنی نظروں کو دوڑاؤ لیکن تم پھر بھی اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں میں کوئی عیب نہیں نکال سکتے۔ میرے دوستو! دیکھو اللہ تعالیٰ نے سورج بنایا، ایک بار نہیں ہزار بار دیکھو لاکھوں بار دیکھو سورج کے نظام میں عیب نہیں نکالا جا سکتا۔ آج دنیا میں اتنا عظیم بجلی کا نظام بن چکا ہے۔ مگر اس میں ہزاروں عیب نکالے جا سکتے ہیں۔

دوستو۔ چاند پر غور کر واور چاند کے نظام کو دیکھو، کیسا عجیب نظام ہے کہ ہزاروں سال گزر چکے ہیں اس کی ترتیب تبدیل نہیں ہوئی۔ اس میں کوئی عیب نہیں نکالا جا سکتا۔ آج دنیا میں پانی کو فلٹر کیا جاتا ہے اور اس کو صاف کر کے سپلائی کیا جاتا ہے۔ اس میں عیب نکالے جا سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارشوں کے نظام کو دیکھو کیسا حسین نظام ہے پانی کیسے اوپر بادلوں میں بھیجتا ہے بادل کیسے مجتمع ہوتے ہیں۔ کیسے برستے ہیں۔

میں وزیر اعظم، وزراء، علماء طلباء اور عوام سے کہوں گا کہ ہم اس نظام کے قائل ہیں جو بے عیب ہے اور ہم اسے چاہتے ہیں جس میں وزیر اعظم سے لیکر ادنیٰ آدمی تک سب کا تحفظ موجود ہو حضرت والد شہید اسی نظام کے قائل تھے اور اسی نظام کی آواز بلند کر رہے تھے۔ میرے والد کا قاتل یہ طاغوتی نظام ہے صرف میرے والد کا نہیں بلکہ سینکڑوں علماء کا قاتل یہ طاغوتی نظام ہے۔

میرے دوستو بزرگو! اب میں نے پختہ عزم کر لیا ہے کہ اپنے والد صاحب کی خواہش کے مطابق محمد عربی ﷺ والا نظام نافذ کرنے کی کوشش شروع کر دوں۔ میں اس قدر کوشش کروں گا جس قدر میں مکلّف ہوں۔ لوگ کہتے ہیں کہ میں نے مظاہرے اور جلاؤ گھیراؤ کرنے نہیں دیا۔ مجھے پتہ ہے میرے دل میں کیا آگ لگ رہی ہے۔ میرے والد کو میرے سامنے گولیاں ماردی گئیں، میں کمزور ضرور ہوں، بے غیرت نہیں، میں انشاءاللہ غیرت مند باپ کا غیرت مند بیٹا ہوں، اب میری جنگ اپنے والد کے قاتل سے ہے، میری جنگ کسی وزیر سے نہیں، میری جنگ کسی چلتی ہوئی گاڑی سے نہیں کہ میں اسے آگ لگا دوں، میری جنگ کسی گھر سے نہیں کہ اسے آگ لگا دی جائے، میری

جنگ کسی دوکان سے نہیں کہ اسے آگ لگادی جائے، میری جنگ میرے والد کے قاتل نظام اور امریکی نیو ورلڈ آرڈر سے ہے، جب تک میرے جسم میں جان ہے آواز لگا تا رہوں گا۔ میں اپنی جان سے بے نیاز ہوکر اپنے والد کے قاتل نظام کے پیچھے پڑونگا۔ جہاں تک میری آواز بلند ہوگی بلند کروں گا۔ میں نے کشتیاں جلادی ہیں۔ میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔ اے اللہ تو میری جان کو اسلامی نظام کیلئے قبول کرلے۔

میرے والد نے ورثہ میں کوئی پونجی نہیں چھوڑی، کوئی زمین نہیں چھوڑی، کوئی ایک کمرے کا مکان بھی نہیں چھوڑا، میرے والد نے مجھے پڑھایا، حافظ بنایا، عالم بنایا، مدرس بنایا، اور ایک مدرسے میں بٹھایا، میرے والد کی میرے لئے یہی پونجی کافی ہے، میرے والد نے اس مسجد میں سرکاری ملازمت ضرور کی لیکن جو روپیہ، پیسہ بھی بچتا تھا مدرسے میں خرچ کرتے تھے۔ اگر حکومت کی طرف سے فنڈ ملے گا اور اس میں سے جو حصہ مجھے ملے گا، میں اعلان کرتا ہوں کہ میں اس میں سے ایک روپیہ بھی اپنی ذات کیلئے وصول نہیں کروں گا اور اس کو اللہ کے دین پر نچھاور کروں گا، میرا جذبہ پہلے بھی یہی رہا ہے، میرے جسم میں جو آگ لگ چکی ہے وہ ان قاتلوں کو گرفتار کر کے ہی ختم ہوگی، یا میری جان جائے گی اور والد صاحبؒ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ میں نے اپنا مال جتنا ہوسکا اللہ کے دین پر خرچ کیا ہے، مدرسے کے اساتذہ پر خرچ کیا ہے، اب مجھے اس مسجد کی خطابت دے دی گئی ہے، اللہ کی قسم اس منبر پر بیٹھنے کو میرا دل نہیں چاہتا۔ لیکن میں اپنے والد کی روح کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتا۔ یہ نہ ہو کہ میرے والد صاحب کی روح کہے کہ میں نے زندگی میں اسے اپنا جانشین کہا اور یہ میری زندگی کے بعد پیچھے ہٹ گیا۔ میں اس مسجد میں ضرور رہونگا، یہ منبر میرے والد کی نشانی ہے۔ میں جیتے جی اس منبر کو نہیں چھوڑوں گا۔ کیوں کہ یہ طاغوتی نظام کی جاگیر نہیں ہے بلکہ میرے رب کا گھر ہے۔ میرے والد کی یہاں نشانیاں اور یادیں وابستہ ہیں۔ میری نوجوانوں سے گزارش ہے کہ وہ میرے والد کے قاتل نظام کیخلاف میرے ساتھ آواز بلند کریں۔ میں اپنے والد کے شاگردوں اور نوجوانوں سے کہوں گا کہ میرے والد کا قاتل یہ

نظام ہے۔لہٰذا اس نظام کے خلاف آواز اٹھاؤ۔انشاءاللہ اب ملک کے بچے بچے کی زبان پر یہ آواز ہوگی کہ انگریزی نظام ختم ہونا چاہیئے۔اسلامی نظام آنا چاہیئے۔اب زبانوں پر یہی بات ہونی چاہیئے کہ انگریز کا نظام کیسے ختم ہوگا۔۵۰ سال سے عورتیں بیوہ ہورہی ہیں، بچے قتل ہورہے ہیں، بہنوں کے سروں پر دست شفقت رکھنے والے بھائیقتل ہورہے ہیں، ہمارا قاتل ہمارے بچوں اور بڑوں کا قاتل یہ طاغوتی نظام ہے اس نظام کیخلاف انشاءاللہ آواز اٹھائی جائے گی اور وہ امن وآشتی والا نظام جس میں جان ومال اورعزت کا تحفظ ہے ہم انشاءاللہ لائیں گےنہیں تو اپنی جان اپنے رب کے سپرد کردیں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

....

بابِ ہشتم

حضرت شہیدؒ اخبارات ورسائل کی نظر میں
اور
منظوم کلام

(عقیدت،الفت اورمحبت کی حسین یادیں)

ے مرگئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

بابِ ہشتم

اخبارات وجرائد کے اداریے

حضرت شہید کے استاد محترم حضرت الشیخ مولانا فضل محمد سواتیؒ کو حضرت شہیدؒ کے ساتھ والہانہ تعلق تھا، اس بناء پر انہوں نے حضرت شہیدؒ کی تعریف وتوصیف میں ان کی زندگی میں ہی چند قصیدے لکھے تھے لیکن وہ محفوظ نہیں ہیں۔ البتہ ان کے بھانجے حضرت مولانا رشید احمد مدظلہ مدیر المدرسۃ العربیہ قاسم العلوم سوات درشخیلہ بالا چنالہ نے حضرت کی شہادت کے بعد عربی زبان میں ایک پُردرد مرثیہ لکھ کر اسلام آباد بھیجا، جس میں موصوف نے حضرت کی شہادت پر قلبی رنج والم کے ساتھ جو اشعار تحریر فرمائے ہیں وہ قارئین کی خدمت میں پیش کئے جارہے ہیں۔ اس طرح بہت سارے احباب نے حضرت کی شہادت پر کچھ نہ کچھ لکھا۔ افسوس کہ اکثر مرثیے اور اشعار ضائع ہوگئے ہیں۔ جن میں مشاہیر علماء کرام، صحافی حضرات کے علاوہ امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد اور شیخ اسامہ بن لادن، امام خانہ کعبہ اور اس وقت کے صدر پاکستان جناب رفیق تارڑ صاحب کے تعزیتی خطوط بھی شامل تھے۔ مختلف سماجی، سیاسی، مذہبی تنظیموں، سیاسی لیڈروں اور ملک کے تمام چھوٹے بڑے اخبارات ورسائل کا ردعمل طوالت سے بچنے کیلئے کتاب میں شامل نہیں کیا گیا۔ نمونہ کیلئے صرف چند بڑے اخبارات ورسائل کے اداریے اور چند شعراء کرام کے مرثیے اور اشعار ملاحظہ فرمائیں:

روزنامہ جنگ

خون ناحق کی ارزانی کا سلسلہ کب رکے گا؟

ملک کے دارالحکومت اسلام آباد میں ایک سرکردہ شخصیت مولانا عبداللہ کے

بہیمانہ قتل سے پورا معاشرہ ایک بار پھر خوف ودہشت کی لپیٹ میں آ گیا ہے اور وقفوں وقفوں کے بعد اس نوع کی لرزہ خیز وارداتوں سے اب لوگوں کے دلوں سے یہ اعتماد ہی زائل ہونے لگا ہے کہ قانون نافذ کرنے والے موجودہ اداروں اور داخلی امن وسلامتی کے ذمہ داروں کے ہاتھوں دہشت گردی، لاقانونیت اور فرقہ واریت کے عفریت کا سر کچلا جاسکتا ہے۔ دہشت گردی کی حالیہ واردات نے عوام کی مایوسی اور بے یقینی کو اس لئے بھی زیادہ گہرا کردیا ہے کہ مولانا عبداللہ مرحوم معاشرے میں اپنے معروف فکر وعمل کے اعتبار سے کبھی متنازع نہیں رہے بلکہ اپنی قومی خدمات اور متوازن افکار کی بدولت غیر معمولی قدر ومنزلت کے حامل رہے ہیں۔ اس حوالے سے بیشتر حلقوں کا تاثر یہ ہے کہ اتنے نیک نام اور غیر متنازع فرد کو پوری بیدردی سے خون میں نہلانے والوں نے بیک وقت عوام اور ارباب اختیار کو یہ پیغام دیا ہے کہ وہ کسی کو بھی دن دیہاڑے موت کے گھاٹ اتار سکتے ہیں اور کوئی ان کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔

ظاہر ہے ایسی وارداتوں کے پس پردہ شیطانی ہاتھ کام کررہے ہیں وہ لوگوں کے دلوں میں انکے حال اور مستقبل کے بارے میں مایوسی بڑھانے اور قانون کی عملداری پر سے عام آدمی کے اعتماد کو یکسر ختم کرنے کے درپے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ ناپاک سازش ہمارے ملک اور قومی وجود کے خلاف ہے مگر بدقسمتی سے ہماری سلامتی کے دشمنوں کے حوصلے بظاہر بڑھتے جارہے ہیں اور جن اداروں اور قوتوں پر ان دشمنوں کی سرکوبی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے ان کی قوتِ مدافعت کمزور پڑتی نظر آرہی ہے۔ اس کا انجام کیا ہوسکتا ہے، اس کا تصور کرنا کچھ زیادہ دشوار نہیں لیکن ستم کی بات یہ ہے ارباب اختیار ایسی ہر واردات پر قانون نافذ کرنے والے اداروں کو صرف یہ ہدایت جاری کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ واردات کے مرتکب افراد کو جلد سے جلد کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے۔ بظاہر اس مقصد کیلئے قانون اور تفتیش کے ادارے مجرموں کی تلاش میں سرگرم بھی نظر آتے ہیں اور بعض اوقات اعلیٰ سطحی تحقیقات کا بھی اہتمام ہوجاتا ہے مگر ان سب باتوں کے نتیجے میں دہشت گردی اور

لاقانونیت کا سلسلہ رکنے میں نہیں آیا بلکہ شدید تر ہوجاتا رہا۔اس لئے اب ارباب اقتدار کو لازماً سوچنا چاہیئے کہ امن عامہ کی بحالی کے ضمن میں اب تک کی ناکامیوں کے بعد اب داخلی امن وسلامتی کو یقینی بنانے اور قانون کی عملداری پر عوام کے اعتماد کو بحال کرنے کیلئے کونسی حکمت عملی وضع کرنی چاہیئے۔

(پیر ۲۷/جمادی الثانی ۱۴۱۹ھ 19/اکتوبر 1998ء)

روزنامہ نوائے وقت

مولانا عبداللہؒ کی شہادت:

مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے چیئرمین اور لال مسجد اسلام آباد کے خطیب اور نامور عالم دین مولانا محمد عبداللہ کو ایک دہشت گرد نے گولیاں مار کر شدید زخمی کر دیا، مولانا بعد میں زخموں کی تاب نہ لاکر ہسپتال میں شہید ہوگئے''انا للہ وانا الیہ راجعون''

مولانا مرحوم ایک درویش صفت انسان اور سادگی کا نمونہ تھے، وہ خالصتاً دینی قائد تھے۔ 1966ء سے لال مسجد کے خطیب چلے آرہے تھے اور دین کی تبلیغ میں آخر دم تک مصروف رہے۔ دہشت گردی کے واقعات کے بعد دارالحکومت کی انتظامیہ کی طرف سے انہیں حفاظتی گارڈ کی پیشکش کی گئی تھی لیکن مولانا محمد عبداللہ نے ہمیشہ اس سے انکار کیا، ان کا استدلال تھا کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہی میری حفاظت کرے گا۔ مرحوم کو ایک مقدمہ قتل میں بھی شامل تفتیش کیا گیا، ان کا بیان تھا کہ انہوں نے کبھی کسی چڑیا یا چیونٹی کی جان نہیں لی، ایک انسان کی جان لینے کا کیسے سوچ سکتا ہوں، میں ایک عالم دین ہوں۔مولانا مرحوم ایک دہشت گرد کی گولیوں کا نشانہ بنے ہیں اور اس واقعہ نے عوام کے ذہنوں میں ملک میں امن وامان کی صورت حال کے بارے میں کئی سوالات کو جنم دیا ہے۔ گزشتہ ماہ کے دوران بھی ایک عالم دین اور ان کے تین ساتھیوں کو شاہراہ اسلام آباد پر دہشت گردی کا نشانہ بنادیا گیا تھا۔اس صورت حال نے عوام میں عدم تحفظ کے احساس کو

فزوں تر کر دیا ہے۔امن وامان کے ذمہ دار اداروں کیلئے یہ لمحہ فکریہ ہے۔ادارہ نوائے وقت مولانا محمد عبداللہ کے قتل پر ان کے پسماندگان کے دکھ میں شریک ہے۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اوران کی بشری خامیوں کو معاف فرمائے۔آمین

(اتوار ۲۶؍جمادی الثانی ۱۴۱۹ھ بمطابق ۱۸؍اکتوبر ۱۹۹۸ء)

ماہنامہ البلاغ۔کراچی

نامور عالم دین مولانا عبداللہ شہیدؒ کو سنگدل قاتل نے شہید کر ڈالا

وطن اوراہل وطن ایک عرصہ سے دہشت گردی کی المناک صورتحال سے دوچار ہیں،ایک طرف اگر بدعنوانی،تعصب اور ہمہ گیرانتشار کے تاریک سایوں سے ہر جگہ گھٹن کی فضا ہےتو دوسری طرف بدامنی اوردہشت گردی کا عفریت ہے جوآئے دن شہرشہراور گاؤں گاؤں اپنے خونی پنجوں سے قیمتی انسانی جانوں کو دبوچتا رہتا ہے۔اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد کےامام وخطیب اور جامعہ فریدیہ کے مہتمم مولانا محمد عبداللہ صاحب ۱۷؍اکتوبر ۱۹۹۸ءکو دن کے ۱۲ بجے کے قریب مسجد سے اپنے مکان کی طرف جارہے تھے کہ کسی تربیت یافتہ دہشت گرد کی گولیوں کا نشانہ بن گئے اور دارالحکومت کی مرکزی جامع مسجد سے بلند ہونے والی حق گوئی کی پرسوز آواز ہمیشہ کیلئے خاموش ہوگئی۔ان کی جدائی سے اسلام آباد کی فضا سوگوار ہے اہل حق غم اور صدمہ سے نڈھال ہیں،ملک بھر کے علمائے کرام اور دینی مدارس اضطراب میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ دہشت گردی کی سفاکانہ واردات نے مسلمانوں سے ان کا قیمتی اثاثہ چھین لیاہے۔انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

جن لوگوں نے مولانا عبداللہ کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ مولانا تواضع وانکساری کا مجسم پیکر تھے۔علمی مشاغل کی لگن سے آراستہ ان کی شخصیت پر متعصّبانہ روش کا کوئی الزام نہیں تھا۔اعتدال اور میانہ روی کی حامل ان کی ذات عام مسلمانوں کے علاوہ سرکاری حلقوں میں بھی حددرجہ قابل احترام تھی لوگ اپنی ذاتی مشکلات کیلئے ان سے رجوع کرتے

تھے۔ان کی سادہ اور مشفق شخصیت جذبۂ خدمت سے سرشار تھی ان کا کائی دربان تھا نہ کوئی گارڈ مولانا مختلف سرکاری دفاتر سے متعلق معاملات میں بھی امکانی حد تک ضرورتمندوں کی مدد کرتے ۔مرکزی جامع مسجد کا خطیب ہونے کی وجہ سے ان کا عہدہ ایڈیشنل سیکرٹری کے مساوی تھا لیکن ان کو دیکھنے والا ان کے سرکاری منصب سے متاثر ہونے کے بجائے ان کی مسکین طبیعت، ذکر اللہ سے تر و تازہ ان کی زبان ان کی پر وقار شخصیت اور جذبہ اخلاص وخدمت سے ان کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔

مولانا دارالحکومت کے ایک حسین علاقے میں واقع ''جامعہ فریدیہ'' کے نام سے ایک بڑے دینی مدرسہ کے بھی مہتمم تھے،تدریس کے علاوہ اس بڑے ادارے کے نظم ونسق کا بوجھ بھی حضرت کے کاندھوں پر تھا۔ یہ مدرسہ اپنے شاندار محل ووقوع کے علاوہ اپنی پر رونق عمارتوں اور عمدہ نظم ونسق کے لحاظ سے راولپنڈی اور اسلام آباد کا منفرد علمی ادارہ ہے جو بحمد اللہ روز افزوں ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

حضرت مولانا کی حیات میں ان کے قابل فخر فرزند مولانا عبدالعزیز صاحب اہتمام کی ذمہ داریوں میں اپنے والد بزرگوار کا ہاتھ بٹاتے رہے۔ والد بزرگوار کی ٹھنڈی چھاؤں سے محروم ہونے کی علاوہ موصوف پر اس ادارے کی مسؤلیت کا اضافی بوجھ بھی آ گیا ہے۔

حضرت مولانا کی مظلومانہ شہادت سے ملک بھر کے مسلمان دلگیر ہیں۔ یہ المناک سانحہ جہاں جامعہ فریدیہ کیلئے بڑا خسارہ ہے وہاں راولپنڈی اسلام آباد کے علمی حلقوں کیلئے بھی بطور خاص بڑا المیہ ہے۔سفاک قاتل نے حلم ومتانت،تواضع و بے نفسی،علم وفضل اور حق گوئی و بے باکی کے مثالی پیکر کو خون میں تڑپا دیا ہے۔

حضرت مولانا تو شہادت کے رتبۂ بلند پر فائز ہوئے لیکن ان کی جدائی کا صدمہ ایک عرصہ تک باعث اضطراب بنا رہے گا رب کریم پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اہل وطن کو دہشت گردی کے عذاب سے اپنی پناہ میں رکھے۔

آمین. ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل شیء عندہ باجل مسمی.

نومبر ۱۹۹۸ء

ماہنامہ الحق۔اکوڑہ خٹک

حضرت مولانا محمد عبداللہ کی شہادت:

پاکستان کے دارالخلافہ اسلام آباد میں چند دنوں کے اندر دو ممتاز علماء دین کو شہید کر دیا گیا۔تازہ ترین واقعہ میں ملک کے ممتاز عالم دین جامعہ فریدیہ کے مہتمم، رویت ہلال کمیٹی کے چیئرمین، لال مسجد کے خطیب مولانا محمد عبداللہ کو وزیر اعظم سیکرٹریٹ کے تھوڑے فاصلے پر دن دھاڑے خانہ خدا میں شہید کر دیا گیا۔اس سے چند روز قبل علامہ شعیب ندیمؒ اور علامہ حبیب الرحمٰن کو گن مین سمیت بے دردی سے شہید کر دیا گیا تھا۔اگر حکومت ان قاتلوں کو گرفتار کر لیتی اور ان کو بروقت سزا دی جاتی تو یہ دردناک سانحہ پیش نہ آتا۔ملک میں منظّم دہشت گردی ہو رہی ہے۔علماء، دانشور، اور حکومت کے اہم آفیسرز، ججز اور معماران قوم کو چن چن کر قتل کیا جا رہا ہے۔لیکن حکومت خاموش ہے۔ملک کا دارالخلافہ تک محفوظ نہیں۔دہشت گرد کسی بھی وقت کسی بھی جگہ کسی بھی شخص کو جس طرح چاہیں اپنی دہشت گردی کا نشانہ بنا سکتے ہیں۔ایک وہ نظام خلافت راشدہ اور امیر المومنین حضرت عمر تھا جسے دجلہ اور فرات کے کنارے بھوکے کتے کی ہلاکت کا اندیشہ رہتا کہ عمر سے اس کے بارے میں باز پرس ہوگی اور ایک ہمارے بدقسمت عہد کا ''خلافت راشدہ'' اور جعلی ''امیر المومنین'' ہے جس کی رعیت فاقوں مر رہی ہے اور جس کے تخت اقتدار کے عین نیچے وارثان نبوت تہہ تیغ کئے جا رہے ہیں اور حکومت ٹس سے مس نہیں ہو رہی۔خدارا اس ملک وملت کا شیرازہ بکھرنے سے بچائیں۔ملک وملت کی پریشاں تسبیح کے دانوں کو سلک اتحاد میں پروئیں اور یہود وہنود ودیگر لادینی اور کفریہ طاقتوں کے مکروہ عزائم کو پیوند خاک کریں۔

نومبر 1998ء

ماہنامہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

خطیب اسلام مولانا محمد عبداللہ کی شہادت:

۱۷/اکتوبر ۱۹۹۸ء کو دوپہر کے وقت قریبا گیارہ بجے خطیب اسلام، عالم بے بدل، ولی کامل، اسلام کے شیدائی، ختم نبوت کے فدائی، عظمت صحابہ کے جانثار، علماء سلف کی یادگار، اسلام آباد کے خطیب اول اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات کے نقیب امثل حضرت مولانا محمد عبداللہ کو اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد کے صحن سے گھر جاتے ہوئے شہید کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نامعلوم قاتل اپنا ہدف مکمل کر کے موقع واردات سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ مولانا مرحوم نہ صرف اسلام آباد کے مسلمانوں کی ہر دلعزیز ہستی تھی بلکہ پورے پاکستان میں انہیں نہایت احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا بیرون ممالک میں بھی ان کے مداح تھے، نہایت شیریں بیان تھے اور انتہائی مدلل تقریر فرماتے تھے دور دور سے لوگ ان کا بیان سننے کیلئے لال مسجد آتے تھے، کبھی کسی کی دلآزاری نہیں کی البتہ حق وصداقت کا پرچم ہمیشہ بلند رکھا اپنی ملازمت یا جان ومال کی پرواہ نہیں کی جسمانی اذیتوں کے پہاڑ ان پر توڑے گئے مگر ان کے پائے استقامت میں لغزش تک نہ آئی اسلام آباد کی پہلی مسجد کے پہلے خطیب تھے اور منبر رسول کا حق ادا کیا رویت ہلال کمیٹی کے چیئرمین بھی تھے مگر کبھی چشم پوشی سے کام نہ لیا ہمیشہ حق وصداقت کا ساتھ دیا ان کی شہادت سے علماء حق کے قافلے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا اور اسلام آباد میں اسلام کی مخلصانہ صدا خاموش کر دی گئی جسے شاید ہی کوئی مرد حق بلند کر سکے، وفاقی دارالحکومت میں ایسی عظیم ہستی کی شہادت شریف برادران کی حکومت کیلئے ایک چیلنج ہے اگر اس میں کسی سرکاری ایجنسی یا ادارے کا ہاتھ ہے تو پھر حکومت سے احتجاج بے معنی ہے اور اگر فرقہ وارانہ دہشت گردی کا نتیجہ ہے یا کسی بیرونی دشمن کا کارنامہ ہے تو حکومت کی ناکامی کا اس سے بڑا اور کوئی ثبوت نہیں۔ ذاتی دشمنی کا امکان یہاں سرے سے مفقود ہے لہٰذا اس کو بہانہ نہیں بنایا جاسکتا۔

ہم حکومت پاکستان اور امن وامان کے ذمہ داران سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ اس عزیز ترین ہستی کی شہادت کو سرد خانے میں نہ ڈالیں بلکہ مجرم خواہ کوئی بھی ہو اپنا یا بیگانہ اسے دوسروں کیلئے تازیانہ عبرت بنانے میں تاخیری حربوں سے کام نہ لے ورنہ یہ ہاتھ کھلے رہے تو ایک وقت آئے گا کہ حکمران اور ان کے اہل خانہ بھی اسی طرح خاک وخون میں تڑپتے ہوئے بے یارومددگار بے گوروکفن اس جہان فانی کو الوداع کہیں گے ایسے برے وقت کے آنے سے پہلے ہی اپنی اصلاح احوال کر لینی چاہئے کیونکہ فرمان رسول ہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو اس کے اور بارگاہ الٰہی کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی جب اللہ کی گرفت آتی ہے تو کوئی حامی وناصر کام نہیں آتا حکومت کو چاہئے کہ اسلام کی یہ شمعیں بجھانے والے ہاتھ روکنے کی پوری کوشش کرے ورنہ اس کا انجام خطرناک ہوگا۔

(جلد۴ شمارہ ۱۰ نومبر ۱۹۹۸ء)

ہفت روزہ ختم نبوت

پاکستان کی ایک عظیم شخصیت کی شہادت............حکومت کیلئے لمحہ فکریہ

۱۷/اکتوبر ۱۹۹۸ء بروز ہفتہ گیارہ بجے کے قریب مرکزی جامع مسجد (لال مسجد) اسلام آباد کے خطیب، رویت ہلال کمیٹی کے چیئرمین، جامعہ فریدیہ اسلام آباد کے مہتمم واستاد حدیث عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی مجلس شوریٰ کے ممبر مولانا محمد عبداللہ کو مسجد کے صحن میں دن دھاڑے دہشت گردوں نے بڑے اطمینان سے گولیاں برسا کر شہید کر دیا اور وہ فرار ہوگئے۔ مولانا عبداللہ صاحب جامعہ فریدیہ سے پڑھا کر گھر کی طرف آرہے تھے۔ گھر کے باہر فروٹ والے سے فروٹ خریدا، مسجد سے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ ابھی مسجد اور گھر کے درمیان والے حصے میں داخل ہونے کے قریب تھے کہ وہاں پر موجود دہشت گردوں نے فائرنگ کر کے مولانا کو شہید کر دیا۔ یوں پاکستان میں اسلام اور اسلامی تعلیمات بلند کرنے والے، حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر دین کی بات کرنے والے اور لادینی کاموں

سے روکنے والے اور ہر دور میں کلمہ حق بلند کرنے والے عظیم شخص سے پاکستان کو محروم کر دیا گیا۔ قاتل اطمینان سے ایسے فرار ہو گئے جیسے انہیں اپنے پکڑے جانے کا کوئی اندیشہ تک نہیں تھا۔ مولانا محمد عبداللہ کی شہادت پاکستان کی تاریخ میں ایسا عظیم سانحہ ہے کہ اگر قوم کے دل میں دردمندی ہوتی تو وہ اس قتل پر خاموش بیٹھی نہ رہتی۔ حکمرانوں میں ذرا سی بھی حس ہوتی تو وہ اپنے اقتدار کی کرسیوں سے چمٹے نہ رہتے۔ سیاسی زعماء میں ذرا سا بھی احساس ہوتا تو وہ سراپا احتجاج بن جاتے، لیکن مولانا محمد عبداللہ کا قصور یہ تھا وہ کسی سیاسی دھڑے سے تعلق نہیں رکھتے تھے ان کے اپنے ذاتی مفادات نہیں تھے، انہوں نے اپنی زندگیاں دین اور قوم کیلئے وقف کر رکھی تھیں۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب پہلے عالم دین نہیں جن کو اس ملک میں شہید کر دیا گیا ہو، اس سے قبل بہت سے علماء کرام کو شہید کر دیا گیا ہے۔ مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ نہ فرقہ واریت کے میدان کے فرد تھے اور نہ ہی انہوں نے عمل سیاست کو اپنا محور بنایا تھا۔ اتحاد بین المسلمین کے وہ بہت بڑے علمبردار تھے۔ ختم نبوت کا مسئلہ ہو یا توہین رسالت کا، مساجد کو اوقاف کی تحویل میں لینے کا مسئلہ ہو یا دینی مدارس کا مسئلہ، ان کی مسجد تمام مکاتب فکر کے علماء کرام کے لئے مشترکہ پلیٹ فارم تھی۔ ہر دینی تحریک میں اس مسجد نے بنیادی کردار ادا کیا۔ بھٹو صاحب کے لادینی اقدامات کے خلاف آواز اٹھائی اور مولانا نے منبر رسول ﷺ کا حق ادا کرتے ہوئے للکارا جس پر مولانا کو اغوا کر کے تشدد کا نشانہ بنایا گیا، لیکن مولانا نے حق گوئی کا راستہ ترک نہیں کیا۔ بینظیر بھٹو کے دور حکومت میں کئی دفعہ آوازِ حق بلند کرنے کی پاداش میں مسجد سے برطرف کئے گئے، لیکن اسلام آباد کے غیور مسلمانوں نے حکومت کے یہ عزائم ناکام بنا دیئے۔

(ہفت روزہ ختم نبوت، جلد نمبر ۱۷/۸ تا ۱۴ رجب ۱۴۱۹ھ)

اہنامہ لولاک

عالم باعمل حضرت مولانا محمد عبداللہ کی شہادت:

۱۷/اکتوبر ۱۹۹۸ء کو حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد، چیئرمین رویت ہلال کمیٹی، مہتمم جامعہ فریدیہ رکن مرکزی مجلس شوریٰ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ورکن عاملہ وفاق المدارس پاکستان اسلام آباد میں بڑی بے دردی سے شہید کر دیئے گئے۔ مولانا محمد عبداللہ رحمہ اللہ کے قاتل تاحال گرفتار نہیں ہوئے۔

ان کا ہر شخص احترام کرتا تھا۔ ان کی شہادت سے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان کے امن کی شہ رگ پر دشمن نے نشتر رکھ دیا ہے۔ حضرت مولانا محمد عبداللہؒ اس دھرتی پر قدرت کا عطیہ تھے۔ عالم باعمل تھے، اخلاص ومحبت اور صدق وصفا کی تصویر تھے۔ اسلام آباد میں آپ نے کلمہ حق ہمیشہ بلند کیا۔ مدتوں ان کے افضل الجہاد کے ترانوں کی صدا یاد رہے گی۔ جو بھلانے سے بھی نہ بھلائی جا سکے گی، وہ چلتی پھرتی قدرت کی نشانی تھے۔ علماء حق کی نسبت نے انہیں عالم بے بدل بنایا تھا۔ تحریک ختم نبوت، تحریک جہاد، تحریک نظام مصطفیٰ، تحریک تحفظ مدارس، تحریک عظمت وناموس صحابہؓ واہل بیت، کے آپ سرخیل تھے۔ بڑے بڑے جابر ان کو نہ جھکا سکے۔

؎ وہ کیا گیا کہ دل کی دنیا اجڑ گئی

حکومت مولانا مرحوم کے قاتلوں کو گرفتار کرے گی بھی؟ مولانا کے جانشین وصاحبزادے حضرت مولانا محمد عبدالعزیز صاحب کیلئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے باپ کا جانشین بنائے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے بزرگوں کی نیک تمنائیں، دعائیں اور تعاون ان کیلئے وقف ہے۔ جانے والے! اللہ رب العزت آپ کی قبر کو بقعۂ نور بنائے۔

تم عظیم تھے تمہاری عظمتوں کو صد سلام۔

(ماہنامہ لولاک رجب ۱۴۱۹ھ نومبر ۱۹۹۸ء شمارہ نمبر۷/۲ ص۳۵)

منظوم کلام

قصیدة فی رثاء الشیخ الشهید مولانا وسیدنا محمد عبدالله رحمه الله تعالیٰ من العبد الفقیر رشید احمد مدیر المدرسة العربیة قاسم العلوم سوات درشخیله بالا چناله :

أَیَا سَاقِیَ الْخُمُور ،خُمُورَ عِشْقٍ
اِلیٰ الظَّمْآنِ مَالکَ لاَ تَمِیْلُ
یُرِیْدُ لِدَائِهٖ مِنْکُم دَوَاءً
فَاِنَّ الْقَلْبَ مَسْقَامٌ عَلِیْلُ
اَتَتْرُکُهُ وَتَحْرِمُهُ وَتُعْرِضُ
وَیُحْرِقُ قَلْبَهُ اللَّهْبُ الْجَزِیْلُ
حَدِیثُ الْبَیْنِ نَسْمَعُهُ خَلِیْلِیْ
فَهَلْ بِالصِّدْقِ قَائِلُهُ یَقُوْلُ
یُقَالُ لَقَدْ تُوُفِّیَ الْیَوْمَ شَیْخٌ
کَرِیْمٌ مَا جِدٌ ثَبَتٌ نَبِیْلٌ
لَبِیْبٌ عَالِمٌ سَمَحٌ حَلِیْمٌ
تَقِیٌّ مَاجِدٌ شَحْمٌ بَسِیْلٌ
بِعَبْدِاللهِ مَوْلاَنَا یُنَادیٰ
عَظِیْمُ الْعِلْمِ لَیْسَ لَهٗ مَثِیْلٌ
فَفِیْ اِسْلَامْ آبَادِ ضَجِیْجٌ
وَفِیْ بِنْدِیْ النِّیَاحَةُ وَالْعَوِیْلُ
فَقَدْ فَقَدُوْا مِنَ الْعُلَمَاءِ حِبْراً
فَقِیْدُ الْمِثْلِ لَیْسَ لَهٗ بَدِیْلُ

اَلا اَنَّ الْمُصِیْبَةَ قَدْ تَنَاهَتْ
وَاِنَّ الْحُزْنَ مُحْتَمَلٌ ثَقِیْلٌ
اَرَیٰ طُلَّابَ جَامِعَةَ لِشَیْخِیْ
قَرَارَ قُلُوبِهُمْ اِغْتَالَ غَوْلُ
تَفِیضُ مِنَ الدُّمُوْعِ اَرَیٰ جُفُوْناً
وَکَمْ مِنْ اَعْیُنٍ بِدَمٍ تَسِیْلُ
فَهَلْ نَظْفَرُ بِمِثْلِ الشَّیْخِ فِیْنَا
فَذَا وَاللہِ ذَا اَمْرٌ ثَقِیْلُ
فَوَا اَسَفاً عَلَیٰ هِجْرَانِ شَیْخٍ
بِحَقٍ بَیِّنٍ دَوْمَاً یَقُوْلُ
أَعَبْدُاللہِ مَوْلَائِیْ وَحِرْزِیْ
قِفَنْ بِاللہِ اَیْنَ لَکَ الرَّحِیْلُ
اَتَهْجُرنَا وَتَتْرُکُنَا وَتَرْحَلُ
وَتَعْرِضُنَا فَاَیْنَ لَکَ النُّزُوْلُ
اَتَتْرُکُنَا فُرَادَیٰ حَائِرِیْنَ
حَیَارَیٰ هَائِمِیْنَ وَلَا تَؤُولُ
فَقَدْ قَتَلَتْکَ اَمْرِیْکَا وَمَنْ هُمْ
بِطَاقَتِهَا وَقُوتِّهَا یَصُوْلُ
اَتَتْ بِجَرِیْمَةٍ ظُلْماً وَحَقاً
اَبَتْ عَنْ اَنْ تُصَدِّقَهَا الْعُقُوْلُ
اَیَقْتُلُ وُلْدَنَا الضُّعْفَاءَ ظُلْماً
وَیَشْکُو عَنْ مَظَالِمِهٖ الْکَهُوْلُ
فَحِیْناً یَقْتُلُ الْعُلَمَاءَ مِنَّا
وَقَدْ یَرْمِیْ مَنَاطِقَنَا الذَّلِیْلُ
صَوَارِیْخاً بِکَابُلَ اَطْلَقُوْهَا
وَلَیْسَ لَهُمْ بِهَا فَعَلُوْا دَلِیْلُ
یُرِیْدُ صِرَاعَ سَیِّدِنَا اُسَامَهْ

فَهَلْ لِمَرَامِهِ الْكِذْبِ السَّبِيْلُ
فَلَيْسَ الْمَوْتُ قَبْلَ الْوَقْتِ يَاْتِيْ
وَاَمْرِيْكَا الْجَهُوْلُ بِهِ عَجُوْلُ
اَتَقْصُدُ يَابْنَ شَيْطَانَ اُسَامَهُ
وَرَبُّ الْعَالَمِيْنَ لَهٗ كَفِيْلُ
لَدىٰ عُمَرَ اَمِيْرِ الْمُؤمِنِيْنَ
وَجَمْعِ الطَّالِبَانِ لَهٗ نُزُوْلُ
وَاَدْخَلَ جُنْدَهُ بَخَلِيْجٍ مَكْراً
وَلَمْ يَأذَنْ بِذَالْاَمْرِ الرَّسُوْلُ
فَقَدْ اَبَدَوْا عَدَاوَتَهُمْ عَلَيْنَا
اَبَتْ عَنَهَا الْقَوَاعِدُ وَالْاُصُوْلُ
اِلىٰ كَمْ ذَا التَّجَاوُزُ وَالتَّعَدِّىْ
بِحُرمَتِنَاوَاَنْفُسِنَا تَعُوْلُ
فَاَنْتَ الْجَائِرُ الظَّلَّامُ مِمَّنْ
عَنِ الْعُدْوَانِ لَيْسَ لَهٗ الْعُدُوْلُ
لِاَمْرِيْكَا وَبَاكِسْتَانَ وَيْلٌ
وَوَيْلٌ لِلْيَهُوْدِ فَلاَ يَزُوْلُ
لِاِسْرَائِيْلَ وَيْلاتٌ تَقِيْمُ
بِمَنْزِلِهِمْ فَلا عَنْهَا تَحُوْلُ
فَيَا قَوْمِىْ مَتَىٰ لَكُمْ نُهُوْضُ
وَيُنْهَشُ وَجْهُكَ الْحَسَنُ الْجَمِيْلُ
فَيَا عَبْدَالْعَزِيْزِ عَلَيْكَ صَبْراً
فَعِنْدَاللّٰهِ فِىْ ذَاكَ الْقُبُوْلُ
فَاِنَّا قَدْ اَصَبْنَا مَا اَصَابَكَ
وَوَحْدَكَ لَسْتَ مَحْزُونٌ عَلِيْلُ
وَكُلٌّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ يَبْكِىْ

وَكُلٌّ مِنْ جَمَاعَتِنَا مَلُوْلُ
وَصَبْراً اَهْلَ بَيْتِ الشَّيْخِ صَبْراً
فَذَا يُعْطٰى بِهِ الاَجْرُ الْجَزِيْلُ
صِفَاتُ الشَّيْخِ يُحْصِيْهَا الرَّشِيْدُ
وَلَنْ تُحْصٰى فَكَيْفَ لَهُ الْوُصُوْلُ
اِلٰهِىْ فَاعْطِهِ جَنَّاتُ خُلْدٍ
تَكُوْنُ لَهٗ مَنَازِلُهَا مَقِيْلُ
وَنَوِّرْ قَبْرَهٗ مِنْ نُّوْرِ فَضْلِكَ
فَاَنْتَ الْمُنْعِمُ الْمَوْلٰى الْمَنِيْلُ

ترجمۂ اشعار:

☆......اے عشق (عشق اللہ تعالیٰ اور رسول) کی شراب پلانے والے ذرا پیاسوں کی طرف بھی توجہ فرما۔

☆......وہ آپ سے اپنی مرض کی دوا چاہتے ہیں کیونکہ ان کے دل بے چین اور علیل ہیں

☆......کیا ان سے اعراض کر کے ان کو ایسے حال میں چھوڑ دیں گے کہ آگ کے شعلے ان کے دلوں کو جھلسا رہے ہیں

☆......لوگ کہتے ہیں کہ آج عبداللہ نامی ایک متقی یگانۂ روزگار، جلیل القدر عالم دین اور نامور خطیب دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں اور اپنے محبوب کی جدائی کے بارے میں لوگوں سے جو کچھ سن رہے کیا یہ سچ ہے؟

☆......آج تو ان کی وجہ سے اسلام آباد اور راولپنڈی کے سارے لوگ نوحہ کناں ہیں۔

☆......آج اس خطے کے لوگ ایک بے مثل عالم دین سے محروم ہو گئے ہیں۔

☆......آج تو مصیبت کی انتہا ہو گئی ہے، بلاشبہ غم واندوہ کا یہ المناک واقعہ ہے۔

☆......آج جامعہ فریدیہ کے طلباء بھی بے قرار اور انتہائی پریشان نظر آ رہے ہیں۔

☆......ان کے دلوں کی بے قراری اور پریشانی ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی

صورت میں چھلکتی نظر آ رہی ہے۔

☆......اور ہم سب کا یہی حال ہے کہ ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔

☆......اور نہ جانے کتنی آنکھیں خون کے آنسو رو رہی ہیں۔

☆......کیا ایسا بے مثل عالم دین پھر ہمیں مل سکتا ہے، ہرگز نہیں! اللہ کی قسم بظاہر ہمیں یہ خلاء پر ہوتا ہوا نظر نہیں آ رہا۔

☆......حق کہنے والے ایک بڑے رہنما کی جدائی پر ہمیں افسوس کیوں نہ ہو۔ وہ تو حق بات کہنے کے عادی تھے۔

☆......اے ہمارے آقا! اگر فراق مقدر ہے تو غیر از صبر چارہ نہیں۔

☆......امریکہ اور اس کے حواریوں نے ہی آپ کو شہید کر دیا ہے جو مظلوموں پر اپنی طاقت اور قوت کا اس طرح اظہار کرتا رہتا ہے۔

☆......آپ کو شہید کر کے درحقیقت اس نے ایک عظیم جرم کا ارتکاب کیا ہے جس کی تصدیق کرنے کیلئے عقل بھی تیار نہیں۔

☆......وہ تو اب ہمارے معصوم بچوں اور کمزور اور ضعیف بزرگوں کو مسلسل قتل کرنے لگا ہے۔ اور کئی اسلامی ممالک کو بھی نشانہ بنا چکا ہے۔

☆......کوئی وجہ بتائے بغیر اس نے کابل پر بھی بم برسائے لیکن کوئی اس سے پوچھنے والا نہیں۔

☆......اور کب سے وہ شیخ اسامہ کے درپے ہے انشاء اللہ وہ اپنے اس مذموم ارادے میں کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔

☆......وہ اپنے مقصد میں بہت جلد کامیاب ہونا چاہتا ہے جبکہ وہ اس بات سے بے خبر ہے کہ موت و حیات تو اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ موت اپنے وقت سے پہلے نہیں آ سکتی۔

☆......وہ مسلسل اس کے تعاقب میں ہے جبکہ اس کو معلوم نہیں کہ وہ رب العالمین کی حفاظت میں ہے۔

☆......وہ تو ملا عمر جیسے نڈر آدمی اور غیور طالبان کے مہمان ہیں وہ خواب و خیال میں بھی ان تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔

☆......اس نے دھوکہ سے اپنی جارح افواج کو جزیرۂ نمائے عرب میں داخل کر دیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے فرمان کے مطابق یہ نا قابل معافی جرم ہے کہ

جزیرۃ العرب میں یہود ونصاریٰ داخل ہو جائیں۔

☆......یہ عمل اسلامی اصول وقواعد کے بالکل خلاف ہے جبکہ وہ اس سلسلے میں برملا دشمنی اور عداوت کا اظہار بھی کر رہا ہے۔

☆......لیکن سوال یہ ہے کہ ہماری عزت وآبرو پر وہ آخر کب تک حملے کرتا رہے گا؟

☆......وہ تو اتنا ظالم وجابر ہے کہ اس میں اس کا کوئی ثانی وہمسر ہی نہیں ہے۔

☆......اس ظالم پر اللہ تعالیٰ کی مسلسل ہلاکتیں ہوں۔خاص طور پر اسرائیل اور یہودیوں پر جنھوں نے عالم میں فساد پھیلا رکھا ہے۔

☆......معلوم نہیں مسلمان قوم کب جاگے گی۔جبکہ امت مسلمہ کا روشن چہرہ اب تک مسلسل نوچا جا رہا ہے۔

☆......اس وقت مولانا عبدالعزیز صاحب پر صبر لازم ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں اجرعظیم کا وعدہ ہے۔

☆......کیونکہ وہ اس غم میں اکیلے نہیں ہیں اس میں ہم بھی ان کے ساتھ شریک ہیں۔

☆......آپ کی طرح اللہ تعالیٰ کے بہت سارے بندے کبیدہ خاطر اور ملول ہیں۔

☆......نیز حضرت شہیدؒ کے گھر والوں پر صبر لازم ہے کیونکہ صبر ہی سے اللہ کے ہاں اجرعظیم کا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی معیت ہے۔

☆......محترم عبدالرشید غازی صاحب حضرت شیخ کے اوصاف شمار کرتا رہتا ہے جبکہ ان کے اوصاف بے شمار ہیں آپ شمار نہیں کر سکتے۔

☆......اللہ تعالیٰ حضرت شہیدؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عنایت فرمائے اور آپ کی قبر کو اپنے نور سے بھر دے بیشک وہی داتا اور منعم ہے۔

..................(☆)............

نذرانہ عقیدت بخدمت عبداللہ شہیدؒ

گلدستۂ اوصاف تھا وہ مرد قلندر
ارباب خلق اس کو سمجھتے تھے سکندر
وہ فرشتۂ کردار تھا گفتار کا غازی
دن بھر وہ مجاہد و شب نیم نمازی
حق گوئی و بیباکی میں رکھتا تھا وہ انیاب
روتے ہیں ابھی تک اسے منبر و محراب
اے کاش کہ وہ سوز وہ ساز نہیں ہے
گرجتی ہوئی ایوان میں آواز نہیں ہے
لڑتا تھا وہ ایوان سے بے تیغ سپاہی
اس جرم کے بدلے میں تو گردن بھی کٹائی
وہ مرد خدا کیسا پرستار خدا تھا
ہم سب میں ہی رہتا تھا مگر سب سے جدا تھا
پیا جام شہادت پھر اسلام کی خاطر
اللہ کی اک ذات اسی نام کی خاطر
ملی گھر میں شہادت یہ بھی تقدیر ہے کیسی
قاتل کبھی دیکھے گا کہ زنجیر ہے کیسی
وہ پیکر شفقت وہ اخوت کا نمونہ
اسلام کے اوصاف کا روشن تھا آئینہ
منظور وہ صورت کسے کیونکر نہ بھائی
ظالم نے وہ گولی کیوں نہ خود پہ چلائی

..................(☆)..................

عبداللہ گل بزم تھے یا جوہر یکتا
کم مایۂ خرد ہوں کچھ کہہ نہیں سکتا
محمد منظور الحق۔اسلام آباد

شہید اسلام جامع المحاسن محمد عبداللہ صاحب شہیدؒ

روشنی ماند ہوئی اپنا ستارہ ڈوبا
جس کے کنارے پر کھڑے تھے وہ کنارا ڈوبا
کارواں روئے گا منزل کا نشاں ڈھونڈے گا
تجھ کو چاہے گا مگر تجھ کو کہاں ڈھونڈے گا
زندگی تیرے بعد بھی باقی ہوگی
اپنی حرکت پہ قضاء دیکھنا! شاکی ہوگی
کون قرآن سنائے گا مسلمانوں کو
کون ٹوکے گا تیرے بعد جہانبانوں کو
آنکھ روئے گی جگر روئے گا دل روئے گا
اپنے جانباز پہ ہر آنکھ کا تل روئے گا
بلال احمد۔چنیوٹ

..................(☆)..................

خلد کی کھلتی کلی

ان کی رگ رگ میں تھا فکر دیوبند موجزن
ان کے خون دل سے شاخ حریت پھولی پھلی

کون تھا اس دور میں انگریز کا پکا حریف
جانتی ہے خوب اسلام آباد کی ہر ایک گلی
کس نے للکارا امریکی جبر واستبداد کو
سر اٹھانے کی یہاں رسم جنوں کس سے چلی
میں نے حضرت شیخؒ کو دیکھا وقت رخصت قاسمیؔ
چہرۂ انور تھا جیسے خلد کی کھلتی کلی

اللہ کی تلوار

اس دور میں اللہ کی تلوار وہی تھا
ہاں ! دین محمدؐ کا رضا کار وہی تھا
میدان میں اک برسر پیکار وہی تھا
اے قاسمیؔ اب ہم ان کو ڈھونڈنے کہاں جائیں
اس دور میں اسلاف کا شاہکار وہی تھا

....

اسلام آباد کی فضاء صدیوں تک مجھے یاد کرے گی
کلیوں کو میں اس کی خون جگر دے کے چلا ہوں

..................(☆)..................

وہ زیست کی ہر راہ سے تھا واقف و آگاہ
ہر موڑ پہ کرتا تھا وہ ملت کو خبردار
اپنوں کیلئے نرم تھا وہ موم کی مانند
دشمن کے مقابل تھا وہ فولاد کی دیوار

مولانا عبدالوحید قاسمی

....

عبداللہ شہیدؒ کی یاد میں

عبداللہ شہید کی یاد ہم کو رلا رہی ہے
ان کے لہو کی خوشبو مرقد سے آرہی ہے
لاہوری کی یاد تازہ اس کی قبر نے کی ہے
دیوبند کی جھلک جو تربت سے آرہی ہے
حق کی ہو ان پر رحمت حق پر عمر گزاری
جنت میں ان کا گھر ہے مرقد بتارہی ہے
ان کی جلالی شان اور ان کا بلند مقام
ان کی جلالی ہیبت دشمن پہ چھا رہی ہے
ان کی تھی اک خواہش مولیٰ! ملے شہادت
پوری ہوئی ہے حسرت دنیا بتارہی ہے
ان کی مدح میں الطاف ملتے نہیں ہیں الفاظ
ان کی مدح میں نغمے جنت بھی گا رہی ہے
الطاف حسین

....

دعا

اے پروردگار! آپ کے ایک نیک اور مقبول بندے کا تذکرہ آپ کی بارگاہ عالی میں پیش ہے۔

اے مالک الملک! اگر کسی بات کو نقل کرنے میں راقم سے کوئی غلطی یا کسی جذبہ کے اظہار میں افراط و تفریط ہوئی ہو تو محض اپنے فضل و کرم سے درگزر فرما اور ہماری لغزشوں اور کوتاہیوں کو معاف فرما کر اس کاوش کو ہم سب کے لیے نجات کا ذریعہ بنا۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین

ریاض منصور گلگتی

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مدرس جامعۃ العلوم الاسلامیہ الفریدیہ اسلام آباد

بروز جمعرات ۱۹ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ

بمطابق 18 مئی 2006ء

پی ڈی ایف فائل تیار کی گئی تاریخ

۱۰ جمادی الثانیہ ۱۴۳۷/ ۲۰ مارچ ۲۰۱۶ء بروز اتوار

بدست: محمد مجاہد مدرس جامعہ سیدہ حفصہؓ اسلام آباد

اس کتاب سے استفادہ کرنے والے تمام خواتین وحضرات بندہ کے اساتذہ، والدین تمام ادارے والوں کو اپنی نیک دعاوں میں یاد رکھیں، شکریہ۔۔